ڈاکٹر سید تقی عابدی

By

Dr. Syed Taghi Abedi

غالبؔ

دیوانِ

نعت و منقبت

تحقیق ، تدوین ، تنقید و تشریح

ڈاکٹر سید تقی عابدی

کتاب : غالب دیوانِ نعت ومنقبت

تحقیق وتدوین اور تنقید : ڈاکٹر سید تقی عابدی

سنہ اشاعت : 2006ء

تعداد : 1000

کتابت : سید فیروز۔Urdu World Net

مارکھم۔اونٹاریو۔کینیڈا

ٹیلیفون(905) 470-2040

ایڈیشن : اوّل

ملنے کے پتے

DR.SYED TAGHI ABEDI

1110, Secretariate Rd., Newmarket

ON, L3X 1M4 Canada

Tel:905-868-9578 (Res)

Tel:416-495-2701 Ext.5233 (Work)

Fax: 905-868-9578

e-mail:taqiabedi@Rogers.com

SHAHID PUBLICATION

2253, Resham Street, Kucha Chelan, Darya Ganj

New Delhi-110002

Tel:011-23272724

e-mail:drshahidhusain_786@yahoo.com

انتساب

غواصِ بحرِ معنوی ، زینت دھندۂ محفلِ لکھنو

شاھباز بلند پرواز آسمان تنقید، عندلیب گلستانِ ادب و ادیب

مصوّرِ "تعبیر غالبؔ"

پروفیسر سید نیّر مسعود رضوی

کے نام

بقول غالبؔ

ع۔ زیب دیتا ہے اُسے جس قدر اچھا کہیئے

فہرست

رَو میں ہے رخشِ عمر

نام	:	سید تقی حسن عابدی
ادبی نام	:	تقی عابدی
تخلّص	:	تقیؔ
والد کا نام	:	سید سبط نبی عابدی منصف (مرحوم)
والدہ کا نام	:	سنجیدہ بیگم (مرحومہ)
تاریخ پیدائش	:	یکم مارچ 1952ء
مقام پیدائش	:	دہلی (انڈیا)
تعلیم	:	ایم بی بی ایس (حیدرآباد، انڈیا)
		ایم ایس (برطانیہ)
		ایف سی اے پی (یونائیٹڈ اسٹیٹ آف امریکہ)
		ایف آر سی پی (کینیڈا)
پیشہ	:	طبابت
ذوق	:	شاعری، ادبی تحقیق وتنقید
شوق	:	مطالعہ اور تصنیف
قیام	:	ہندوستان، ایران، برطانیہ، نیویارک، کینیڈا
شریکِ حیات	:	گیتی
اولاد	:	دو بیٹیاں (معصوما اور رویا) دو بیٹے (رضا و مرتضیٰ)

تصانیف : (۳۰) شہید(1982ء)، جوشِ مودّت، گلشنِ رویا، اقبالؔ کے عرفانی زاوےئے، انشاء اللہ خاں انشاؔء ، رموزِ شاعری، اظہارِ حق، مجتہد نظم مرزا دبیرؔ، طالع مہر، سلکِ سلام دبیرؔ، تجزیہ یادگار انیسؔ، ابواب المصائب، ذکر دُرباران ، عروسِ سخن ، مصحفِ فارسی دبیرؔ، مثنویات دبیرؔ، کائناتِ نجمؔ ، روپؔ کنوار کماری، دُربار رسالتؐ، فکر مطمئنہ، خوشۂ انجم، دُرِ دریائے نجف، تاثیر ماتم ، کجی مایا ، روشِ انقلاب ، مصحفِ تغزل ، ھوالنجم ، تعشق لکھنوی ، ادبی معجزہ

زیرِ تالیف : تجزیۂ شکوہ جواب شکوہ ، رباعیات دبیرؔ، فانیؔ لا فانی، تجزیہ رباعیات فراقؔ گورکھپوری

حرفِ چند

سچ تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔ غالبؔ کی نعت و منقبت کے بارے میں اجمالی گفتگو کرنا حقیقت میں بحرِ بیکراں کو کوزے میں بند کرنے سے کم نہیں۔ پھر بھی اس سنگِ گراں کو میں نے تک وتنہا بلند کر کے محرابِ عشق پر جما دیا ہے۔ میری زبان اور میرے بیان پر فارسی کی گہری چھاپ ہے جو شاید میرے فارسی مطالعہ اور ذاتی ماحول کی وجہ ہو، امید ہے کہ قارئین درگزر کریں گے۔ راقم نے بعض مقامات پر خود فارسی اشعار کا ترجمہ کیا اور بعض مقامات پر اگر عمدہ فارسی ترجمہ حاصل ہوا تو شکریہ کے ساتھ اس بیاضِ عشق میں شامل کیا تاکہ میرا مقصد اور ان علمائے ادب کے کام کی قدر دانی ہو سکے۔ اس کتاب میں مرحوم ڈاکٹر ظ۔ انصاری، مرحوم عبدالباری آسیؔ کے ترجموں کے ساتھ ساتھ آنجہانی کالی داس گپتا رضاؔ کے مقدمہ کے اقتباس کو بھی شامل کیا گیا ہے۔

اگرچہ یہ دیوان نعت و منقبت اس موضوع پر اپنی نوعیت کی پہلی کوشش ہے جس میں اس موضوع پر غالبؔ کی تمام شعری اور نثری تخلیقات کو شامل کیا گیا ہے لیکن پھر بھی اربابِ علم و فن سے گزارش ہے اگر غالبؔ کا اس موضوع پر کلام شامل ہونے سے رہ گیا ہو تو اطلاع دینے سے دریغ نہ فرمائیں۔

نشو نما ہے اصل سے غالبؔ فروع کو
خاموشی ہی سے نکلے ہے جو بات چاہیے

خیر اندیش

سید تقی عابدی

ٹورانٹو۔ کینیڈا

۲۸ر نومبر ۲۰۰۶ء

سعدیؔ اگر عاشقی کنی و جوانی
عشق محمدؐ بس است و آلِ محمدؐ

(سعدیؔ شیرازی)

(غالبؔ کا عقیدہ بھی یہی ہے)

غالبؔ کا زندگی نامہ

نام : مرزا اسد اللہ بیگ

عرف : مرزا نوشہ

خطابات : نجم الدولہ دبیر الملک۔ نظام جنگ

تخلص : اسدؔ۔ غالبؔ

(جناب اکبر علی خان عرشی زادہ نے دیوان غالبؔ نسخہ عرشی زادہ میں استدلال کیا ہے کہ مرزا غالبؔ نے 1816 مطابق 1231 ھجری میں اسدؔ تخلص ترک کر کے غالبؔ تخلص اختیار کیا)

تاریخ ولادت : **8** رجب **1212** ھجری مطابق **27** دسمبر **1897** عیسوی۔ طلوع صبح روز یکشنبہ

مقام ولادت : آگرہ (اکبر آباد)

والد : مرزا عبد اللہ بیگ خاں عرف مرزا دولھا

والدہ : عزت النساء بیگم دختر خواجہ غلام حسین خاں (جن کا شمار شہر کے عمایدین اور امراء میں ہوتا تھا)

جد : غالبؔ کے دادا قوقان بیگ ماوراءالنہر سے شاہ عالم کے دور میں ہندوستان آئے

قومیت : ترک سلجوقی

بھائی : غالبؔ کے ایک دو سال چھوٹے بھائی مرزا یوسف خاں تھے جو ایام جوانی میں مجنون ہو کر 1857 عیسوی میں انتقال کر گئے

شریک حیات : امراؤ بیگم دختر نواب الٰہی بخش

غالبؔ کی عمر شادی کے وقت 13 برس اور امراؤ بیگم کی عمر گیارہ سال تھی۔

غالبؔ لکھتے ہیں۔ ”7/ رجب **1225** ھجری کو میرے واسطے حکم دوام حبس صادر ہوا ایک بیڑی (یعنی بیوی) میرے پانوں میں ڈال دی اور دلی شہر کو زندان مقرر کیا اور مجھے اس زندان میں ڈال دیا۔“ امراؤ بیگم نے غالبؔ کے انتقال کے ایک سال

بعد 1870ء میں اس دار فانی سے کوچ کیا۔

اولاد : سات اولادیں پیدا ہوئیں لیکن کسی کی عمر (15) مہینے سے زیادہ نہ ہوئی۔
غالبؔ سیف الحق کو اس کے لڑکے کے مرنے پر لکھتے ہیں۔ "تمہارے ہاں لڑکے کا پیدا ہونا اور اس کا مرجانا معلوم ہو کر مجھ کو بڑا غم ہوا، بھائی اس داغ کی حقیقت مجھ سے پوچھو کہ چوہتر (74) برس کی عمر میں سات بچے پیدا ہوئے، لڑکے بھی اور لڑکیاں بھی اور کسی کی عمر پندرہ مہینے سے زیادہ نہ ہوئی۔"

سکونت : غالبؔ نے زندگی کے پہلے 13 برس آگرہ میں گزارے اگرچہ دہلی میں آتے جاتے رہے لیکن ان کی عمر 14 برس کی تھی جبکہ انھوں نے دلّی میں مستقل سکونت اختیار کی اور کئی مکانات تبدیل کیے۔ دلّی میں غالبؔ کا قیام قریب ساٹھ برس تھا۔ غالباً کبھی کوئی مکان نہیں خریدا ہمیشہ کرائے کے مکان میں رہے ایک مدت تک میاں کالے صاحب کے مکان میں بغیر کرائے کے بھی رہے۔ بقول حالیؔ قاسم جان کی گلی یا حبش خاں کے پھاٹک یا اس کے قرب و جوار کے سوا کسی اور ضلع میں جا کر نہیں رہے سب سے اخیر مکان جس میں ان کا انتقال ہوا حکیم محمود خاں مرحوم کے دیوان خانہ کے متصل مسجد کے عقب میں تھا جس کی نسبت وہ کہتے ہیں۔

مسجد کے زیر سایہ ایک گھر بنا لیا ہے
یہ بندۂ کمینہ ہمسایۂ خدا ہے

غالبؔ خط میں لکھتے ہیں۔ "میں اب بلیماران میں ایک حویلی کرایہ پر لے کر اس میں رہتا ہوں۔ دس گیارہ برس سے اس تنکنا میں رہتا تھا۔ سات برس تک ماہ بہ ماہ چار روپیہ دیے گیا تین برس کا کرایہ کچھ اوپر سو روپیہ ایکمشت دیا گیا۔ مالک نے مکان بیچ ڈالا جس نے لیا ہے پیام بلکہ ابرام کیا مکان خالی کردو۔ مکان کہیں ملے تو میں اٹھوں۔ بیدرد نے مجھ کو عاجز کیا اور مدد لگا دی صحن بالا خانے کا جس کا دو گز عرض اور دس گز طول اس میں پاڑھ بندھ گئی رات کو وہیں سویا۔ گرمی کی شدت پاڑ کا قرب گمان یہ گزرتا تھا کہ یہ کٹ گھر ہے اور صبح کو مجھ کو پھانسی ملے گی۔ تین راتیں

اس طرح گزریں دوشنبہ 29 جولائی کو دوپہر کے وقت ایک مکان ہاتھ آگیا وہاں جا رہا۔ جان بچ گئی۔ یہ مکان نسبت اُس مکان کے بہتر ہے

شکل وصورت : لانبا قد، چوڑا چکلا ہاڑ، سڈول اکہرا جسم، بھرے بھرے ہاتھ پاؤں، کتابی چہرہ، کھڑا نقشہ، چوڑی پیشانی، ناک کی کاٹھی اونچی، رخسار کی ہڈیاں ابھری ہوئی، بادامی آنکھیں گھنی لمبی پلکیں، کان لمبے اور سرخ وسپید رنگ۔

غالبؔ عنفوان شباب میں دلّی کے حسیں اور خوش رولوگوں میں شمار کئے جاتے۔

حالؔی نے غالبؔ کو بڑھاپے میں دیکھا تب بھی خوبصورتی کے آثار ان کے چہرے اور قد وقامت اور ڈیل ڈول سے نمایاں طور پر نظر آتے تھے۔

غالبؔ حاتمؔ علی مہر کو حلیہ کے بارے میں لکھتے ہیں۔ ''تمہارا حلیہ دیکھ کر تمہارے کشیدہ قامت ہونے پر مجھ کو رشک نہ آیا۔ کس واسطے کہ میرا قد بھی درازی میں انگشت نما ہے تمہارے گندمی رنگ پر رشک نہ آیا کس واسطے کے جب میں جیتا تھا تو میرا رنگ چنپئی تھا اور دیدہ ور لوگ اس پر رشک کیا کرتے تھے۔ ہاں مجھ کو رشک آیا اور میں نے خون جگر کھایا تو اس بات پر کہ داڑھی خوب گھٹی ہوئی ہے وہ مزے یاد آگئے کیا کہوں جی پر کیا گزری جب داڑھی مونچھ میں بال سفید آگئے۔ تیسرے دن چیونٹی کے انڈے گالوں پر نظر آنے لگے۔ اس سے بڑھ کر یہ ہوا کہ اس بھونڈے شہر میں ایک وردی ہے عام، ملّا، حافظ بساطی، نیچہ بند، دھوبی، سقّہ، بھٹیارا، جولاہا، کنجڑا، منہ پر داڑھی سر پر لمبے بال۔ فقیر نے جس دن داڑھی رکھّی اُسی دن سر منڈوایا۔

جوانی میں مسّی کا استعمال بھی کرتے تھے۔ آخری عمر میں لمبا قد ہونے کی وجہ سے کمر میں ذرا خم آگیا تھا۔

مسافرت : غالبؔ نے اپنی زندگی میں بہت کم سفر کئے۔

ا۔ آگرہ اور دہلی کے درمیان کئی بار آئے گئے۔

ب۔ ایک دفعہ میرٹھ گئے۔

ج۔ دوبار رام پور کا سفر کیا۔

د۔ایک بار فیروز پور اور بھرت پور بھی گئے۔

ھ۔غالبؔ کا سب سے طولانی اور مشہور سفر کلکتہ کا تھا جس کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

ا۔ماہ شوال 1242 ھجری مطابق اپریل 1827 عیسوی کو دہلی سے روانہ ہوئے۔

۲۔دہلی سے لکھنو گئے جہاں ان کا قیام تقریباً پانچ مہینے رہا۔اس دوران ایک مرتبہ کانپور بھی گئے لیکن لکھنو کے دوستوں نے دوبارہ لکھنو بلوالیا۔جس وقت غالبؔ لکھنؤ گئے اُس زمانے میں غازی الدین حیدر شاہ اودھ میں تھے اور نائب صدر نواب آغا میر صاحب تھے۔بقول غلام رسول مہر مرزا غالبؔ اس لئے دلّی سے لکھنو گئے کہ ''انھیں امید تھی کہ بادشاہ اودھ سے اچھی رقم مل جائے گی''۔بقول غالبؔ

لکھنو آنے کا باعث نہیں کھلتا یعنی ہوس سیر و تماشا سو وہ کم ہے ہم کو

مقطع شوق نہیں ہے یہ شہر عزم سیر نجف و طوف حرم ہے ہم کو

لئے جاتی ہے کہیں ایک توقع غالبؔ

جادۂ رہ کشش کام کرم ہے ہم کو

ع ۔لائی یاں معتمدالدولہ بہادر کی امید

لیکن لکھنو میں غالبؔ کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔دربار تک رسائی، مالی اعانت اور شاہی اعزاز سے غالبؔ محروم رہے جس کی وجہ غالبیات کے ماہرین نے غالبؔ کی خودداری اور شرطیں بتائی ہیں کیوں کہ غالبؔ نے جو مدحیہ نثر صنعت تعطیل میں نائب السلطنت روشن الدولہ کے سامنے پیش کرنے لکھی تھی اور جو کبھی پیش نہیں کی جاسکی اُس کی پہلی دو شرطیں یہ تھیں کہ

ا۔نائب صدر اپنی جگہ پر کھڑے ہو کر غالبؔ کی پذیرائی کریں۔

ب۔نذر پیش کرنے سے غالبؔ کو معاف رکھا جائے۔

چنانچہ اسی لئے غالبؔ نے لکھنو کو ستم آباد کہا ہے۔بقول غالبؔ

''بتاریخ 26 ذی قعدروز جمعہ از آں ستم آباد بر آمدم وبتاریخ 29 در دارالسرور کانپور رسیدم''۔غالبؔ کو اگرچہ مالی لحاظ سے لکھنو میں کچھ فائدہ نہ ہوا لیکن لکھنو کے قیام

کے دوران یہاں کے عمائدین اور برگزیدہ شخصیتوں سے غالبؔ کی ملاقات اور تعلقات قائم ہو گئے۔ جن میں شیخ ناسخؔ، مجتہد العصر سید محمد، میر انیسؔ، مرزا دبیرؔ، امیر اللہ سرور، عاشق علی خاں اور صاحبزادے منشی امیر حسن لبمل قابل ذکر ہیں۔ فروغ اُردو کے غالبؔ نمبر نومبر 1968 میں لکھا ہے کہ "غالبؔ کی انیسؔ سے ملاقات ہوئی اور غالبؔ نے اُن سے کسی غزل کی فرمائش کی تو انھوں نے غزل کی بجائے ایک سلام سنایا اور کہا کہ آپ جواباً اپنا کوئی مرثیہ سنائیں۔ غالبؔ نے اپنے کہے ہوئے مرثیہ ۔ع۔ ہاں اے نفس بادِ سحر شعلہ فشاں ہو

کے تین بند انیسؔ کو سُنا کر یہ بھی کہہ دیا کہ "مرثیہ کہنا تو آپ ہی کا حق ہے۔"

میر انیسؔ نے مرزا غالبؔ کے انتقال پر یوں منظوم خراج ادا کیا

گلزار جہاں سے باغ جنت میں گئے
مرحوم ہوئے جوارِ رحمت میں گئے
مدّاح علیؑ کا مرتبہ اعلیٰ ہے
غالبؔ اسد اللہ کی خدمت میں گئے

تذکرۂ جلوہ خضر جلد اوّل میں ایک روایت کے بموجب مرزا غالبؔ لکھنو میں مرزا دبیرؔ سے بھی ملے تھے۔ غالبؔ نے دبیرؔ کی فرمائش پر اپنا کہا ہوا ایک مرثیہ سنایا تو ساتھ میں یہ بھی کہہ دیا کہ

"ع۔ یہ مرثیہ ہے کا ہے کو واسوخت ہو گیا

حضرت! یہ حق تو آپ کا ہی ہے دوسرا اس کوچہ میں قدم نہیں رکھ سکتا۔"

۳۔ 26 ذی قعد مطابق 27 جون 1827ء کو لکھنو سے کان پور روانہ ہوئے اور تین دن سفر میں طے کر کے کان پور پہنچے اور کچھ دن قیام کیا۔

۴۔ غالبؔ کان پور سے باندہ گئے جہاں ان کا ماموں زاد بھائی رہتا تھا۔ غالبؔ کا باندہ میں تقریباً چھ مہینے قیام رہا۔ باندہ کے قیام کے دوران کچھ غزلیات کہی اور دوستوں کو ارسال کی۔

۵۔غالبؔ باندہ سے موڈہ اور وہاں دو روز ٹھہر کر چلہ تارا گئے اور پھر الہ آباد میں 24 گھنٹے گزار کر بنارس پہنچے۔

۶۔غالبؔ جولائی 1827ء میں بنارس آئے اور تقریباً چھ مہینے بنارس میں رہ کر 29 ڈسمبر 1827ء کو بنارس سے پٹنہ اور مرشد آباد ہوتے ہوئے کلکتہ پہنچے۔

غالبؔ بنارس میں خوش رہے اور انھوں نے یہاں ایک (108) اشعار پر مشتمل خوب صورت مثنوی جو نہایت مرصع اور مسجع فارسی مثنوی ''چراغ دیر'' کے نام سے حسینانِ بنارس کے حسن و جمال کی تعریف میں لکھی۔

۷۔ بنارس سے پٹنہ اور مرشد آباد ہوتے ہوئے کلکتہ پہنچے اور وہاں دو سال گزارے اور 29 نومبر 1829ء کو دہلی واپس ہوئے۔ کلکتہ کے سفر کا مقصد اور قیام کے دوران کے مسائل کا خلاصہ یہ تھا۔

ا۔غالبؔ نے اپنی پنشن کا مقدمہ سپریم کورٹ میں دائر کیا جس میں اگرچہ انگریز حکمرانوں نے غالبؔ کے حق کی تائید کی تھی لیکن مقدمہ کا غالبؔ کے خلاف فیصلہ ہوا۔مقدمہ سولہ سال تک چلتا رہا۔غالبؔ ہزاروں روپیوں کے مقروض ہو گئے۔ غالبؔ کو دوسرے ورثا کے ساتھ تین ہزار روپے سالانہ سے زیادہ نہ ملے۔سرکار کی جانب سے خطاب بھی نہ ملا۔

ب۔غالبؔ دو سال تک ایک کھلا پر فضا مکان دس روپے کرایہ پر لے کر آرام سے رہے۔مشاعروں اور ادبی محفلوں کے علاوہ علمی مجادلوں میں شریک رہے۔

ج۔کلکتہ کے دوران غالبؔ کے کلام پر اعتراضات، غالبؔ کا جواب اور پھر جواب کارِدعمل اور غالبؔ کی مصالحت کی کوششیں اور معروف مثنوی ''آشتی نامہ'' کی تصنیف کی داستان طولانی ہے۔اس طولانی مثنوی جو (158) اشعار پر مشتمل ہے اس کا بعد میں نام بدل کر ''بادِ مخالف'' رکھا گیا۔

بقول حالیؔ مرزا کی عمر کچھ کم چالیس برس کی تھی جب کہ وہ لکھنؤ ہوتے ہوئے کلکتہ پہنچے اسٹرلنگ صاحب سکریٹری گورنمنٹ ہند نے جن کی مدح میں مرزا کا فارسی

قصیدہ ان کے کلیات میں موجود ہے، وعدہ کیا تھا کہ تمہارا حق ضرور تم کو ملے گا۔ کول برک صاحب جو اُس وقت دلّی میں رزیڈنٹ تھے انھوں نے دلّی ہی میں مرزا سے عمدہ رپورٹ کرنے کا اقرار کر لیا تھا۔ مگر آخر کار نتیجہ ناکامی کے سوا کچھ نہ ملا۔ گورنمنٹ نے سرجان میلکم گورنر بمبئی سے جو لارڈ لیک کے سکرٹری رہ چکے تھے مرزا کے مطالعہ کی بابت استفسار کیا۔ انھوں نے مرزا کے دعوے کو غلط بتایا۔ جب مرزا کو مایوسی ہوئی تو انھوں نے ولایت میں اپیل کی مگر وہاں بھی کچھ نہ ہوا۔

تعلیم وتربیت : ا۔ غالبؔ کی والدہ پڑھی لکھی خاتون تھیں۔ غالبؔ نے ابتدائی تعلیم ان ہی سے حاصل کی۔

ب۔ آگرہ میں مولوی معظم سے کسب علم کیا۔

ج۔ عبدالصمد ایک پارسی نژاد شخص سے جس کا مسلمان ہونے سے پہلے نام ''ہرمزد'' تھا فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ عبدالصمد عزلی کا بھی استاد تھا۔

غالبؔ نواب کلب علی خاں کو لکھتے ہیں۔ ''بدو فطرت سے میری طبیعت کو زبان فارسی سے ایک لگاؤ تھا چاہتا تھا فرہنگوں سے بڑھ کر کوئی ماخذ مجھ کو ملے۔ بارے مراد بر آئی اور اکابر پارس میں سے ایک بزرگ یہاں وارد ہوا اور اکبر آباد کے مکان پر دو برس رہا اور میں نے اُس سے حقائق و دقائق زبان فارسی کے معلوم کئے۔ عبدالصمد غالبؔ کے حُسن قابلیت اور استعداد سے متاثر تھا۔ چنانچہ وہ ہندوستان سے باہر چلے جانے کے بعد بھی غالبؔ کو یاد کرتا رہتا تھا۔ حالیؔ یادگار غالبؔ میں لکھتے ہیں ''قاطع برہان'' اور ''درفش کاویانی'' کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ عبدالصمد نے تمام فارسی زبان کے مقدم اصول اور گُر اور پارسیوں کے مذہبی خیالات اور اسرار اور دیگر ضروری باتیں مرزا کے دل میں تہ نشین کر دی تھیں۔

ملازمت : ا۔ غالبؔ نے زندگی بھر انگریز سرکار کی ملازمت نہ کی۔ مسٹر ٹامسن سکرٹری گورنمنٹ ہند نے گورنمنٹ دہلی کالج کے فارسی مدرّس کی جگہ جس کی تنخواہ سو روپیہ ماہوار تھی غالبؔ کو بلوایا لیکن حسب سابق ان کے استقبال کو پالکی تک نہ پہنچا تو غالبؔ نے اس

نوکری سے انکار کردیا۔

حکایت : مسٹر ٹامسن کے بلوانے پر جب غالبؔ پالکی سے اُتر کر اِس انتظار میں ٹھہرے کہ سکرٹری صاحب ان کے استقبال کے لئے آئیں گے اور جب معلوم ہوا کہ سکرٹری صاحب اِس لئے نہیں آئیں گے کہ غالبؔ نوکری کرنے کے لئے آرہے ہیں تو غالبؔ نے کہا کہ ملازمت کا ارادہ اس لئے کیا ہے کہ اعزاز کچھ زیادہ ہو نہ اس لئے کہ موجودہ اعزاز میں کمی ہوئے۔ صاحب نے کہا ہم قاعدے سے مجبور ہیں۔ مرزا غالبؔ نے کہا مجھ کو اس خدمت سے معاف رکھا جائے اور یہ کہہ کر چلے آئے۔

ب۔ بہادر شاہ ظفر نے 1266 ھجری میں غالبؔ کو خلعت جواہر اور پچاس روپیہ ماہوار کے وظیفہ پر مامور کیا تا کہ خاندان تیمور کی تاریخ نویسی کتابی شکل میں مرتب کی جا سکے۔ جب 1271 ھجری میں استاد ذوقؔ کا انتقال ہوگیا تو بہادر شاہ ظفر کے اشعار کی اصلاح اور دربار کے ملک الشعرا کی جگہ بھی غالبؔ سے متعلق ہوگئی۔ بقول غالبؔ ”جب بادشاہ دہلی نے مجھے نوکر رکھا اور خطاب دیا اور خدمت تاریخ نگاری سلاطین تیموریہ مجھ کو تفویض کی تو میں نے ایک غزل طرز تازہ پر لکھی۔ مقطع اس کا یہ ہے۔

غالبؔ وظیفہ خوار ہو دو شاہ کو دعا　　　　وہ دن گئے کہ کہتے تھے نوکر نہیں ہوں میں

دلّی کی سلطنت کچھ سخت جان تھی۔ سات برس مجھ کو روٹی دے کر بگڑی۔ بادشاہ دہلی نے پچاس روپیہ مہینہ مقرر کیا۔ اُن کے ولی عہد نے چار سو روپیہ سال۔ ولی عہد اس تقرر کے دو برس بعد مر گئے۔“

ج۔ 1855ء میں والی رام پور نواب یوسف علی خان غالبؔ کے شاگرد ہوئے۔ یہ سلسلہ نواب کی موت 1865ء تک جاری رہا۔ پھر 1865ء سے 1869ء تک نواب کلب علی خان سے خط و کتابت رہی۔ غالبؔ لکھتے ہیں۔ ”نواب یوسف علی خان بہادر والی رام پور کہ میرے آشنائے قدیم ہیں۔ اس سال یعنی 1855 میں میرے شاگرد ہوئے۔ ناظمؔ ان کو تخلص دیا گیا۔ بیس پچیس غزلیں اُردو کی بھیجتے ہیں۔

اصلاح دے کر بھیج دیتا۔ گاہ گاہ کچھ روپیہ ادھر سے آتا رہا۔ غالب کے خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں دربار رام پور سے سو روپیہ کی ہنڈوی ملتی اور وہ ہر بار والی رام پور کو دعا دیتے۔ ع۔ تم سلامت رہو ہزار برس

1865ء میں نواب کلب علی خان نے غالب کو جشن مسند نشینی کی شرکت پر ایک ہزار روپے دیئے اور رخصت ہوتے وقت مزید دو سو روپے بطور ''زادراہ'' دیئے۔ غالب کے آخری دور میں دربار رام پور سے تعلقات خراب ہو گئے تھے جو پھر ٹھیک نہ ہو سکے۔ اور دربار سے غالب کی مالی اعانت ختم کر دی گئی۔

پوشاک ولباس : گھر پر دہلی کے شرفا کا لباس ہوتا یعنی انگرکھا یا کھلی آستین کا الفی گریبان کا کرتا اور برکا پاجامہ۔ ململ کی ہلکی ٹوپی جس پر کامدانی یا کشیدے کڑھائی کا کام ہوتا۔ جاڑوں میں گرم کپڑے کا کلی دار پاجامہ اور مرزئی پہنتے تھے۔ گھر پر بعض اوقات ریشمی لنگی بھی پہنتے تھے۔ باہر جاتے تو کُرتا، تنگ مہری کا پاجامہ، کرتے پر صدری۔ اوپر کسی بھاری اور قیمتی کپڑے کی قبا اور اس پر ایک جامہ۔ پاؤں میں گھتیلی جوتی۔ ہاتھ میں لمبا عصا جس کی شام پر کندہ تھا۔ یا اسد اللہ الغالب

می داشت عصای کندہ چو مہر بدست

بُد نقش بر آں ''یا اسد اللہ الغالب''

سر پر عموماً کلاہ پاپاخ یا سیاہ پوستین کی چوگوشیہ لمبی ٹوپی۔ کبھی کبھی مغل انداز میں مخروطی کلاہ اور اُس پر دستار باندھ لیتے۔ جاڑوں میں شالی رومال بھی کندھوں پر ڈال لیتے تھے۔

خوارک وغذا : ا۔ صبح سویرے نہار منہ باداموں کا شیرہ مصری کے شربت کے ساتھ پیتے تھے۔

ب۔ ناشتہ کچھ دن چڑھے کرتے تھے۔

ج۔ دوپہر کا کھانا مفصّل ہوتا۔ گوشت کے شوقین تھے۔ بکری، دنبہ، مرغ، کبوتر، اور بٹیر شوق سے کھاتے۔ گوشت میں سبزی اور چنے کی دال ضرور ڈلواتے۔ روٹی سالن کے شوربے میں ڈبو کر کھاتے۔ پُرانے چاولوں کو ترجیح دیتے تا کہ زود ہضم

20 خطوط غالب کا تحقیقی مطالعہ ... کاظم علی خان ....1981ء .... لکھنو

21 خطوط غالب ....مالک رام ....1962ء .... لکھنو

22 عروس سخن .... تقی عابدی ....2004ء .... لاہور

23 غالب پر چند مقالے .... نذیر احمد ....1991ء .... نئی دہلی

24 غالب نما .... نیر سلطان پوری ....1969ء .... لکھنو

25 نظامی جنتری ....محمد سلطان مرزا ....1949ء .... دہلی

26 ذکرِ دُرباران .... تقی عابدی ....2006ء .... لاہور

27 ھما غالب نمبر ....عبدالوحید صدیقی .... 1969ء .... نئی دہلی

28 اُردوئے معلّٰی غالب نمبر ...... خواجہ احمد فاروقی .... 1969ء .... نئی دہلی

29 نقوش غالب نمبر .... محمد طفیل ....1969ء .... لاہور

30 نعت رنگ جلد (12)........ صبیح رحمانی .... 2001ء .... کراچی

31 آب حیات .... محمد حسین آزاد ....1962ء .... الہ آباد

32 یادگار غالب .... الطاف حسین حالی .... 1980ء .... الہ آباد

کو اصلاح کی نظر سے دیکھتے اور اس میں ضروری رڈوبدل کرتے تھے۔

حافظہ ومطالعہ : غالبؔ کا حافظہ بلا کا تھا اور ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ وہ کبھی گھر پر کتاب خرید کر نہیں رکھتے تھے بلکہ ہمیشہ کتاب داروں سے کرایہ پر کتاب منگوا کر پڑھتے اور واپس کر دیتے تھے اور کتاب کے تمام تر معنی ومطالب ان کے ذہن میں محفوظ ہو جاتے۔
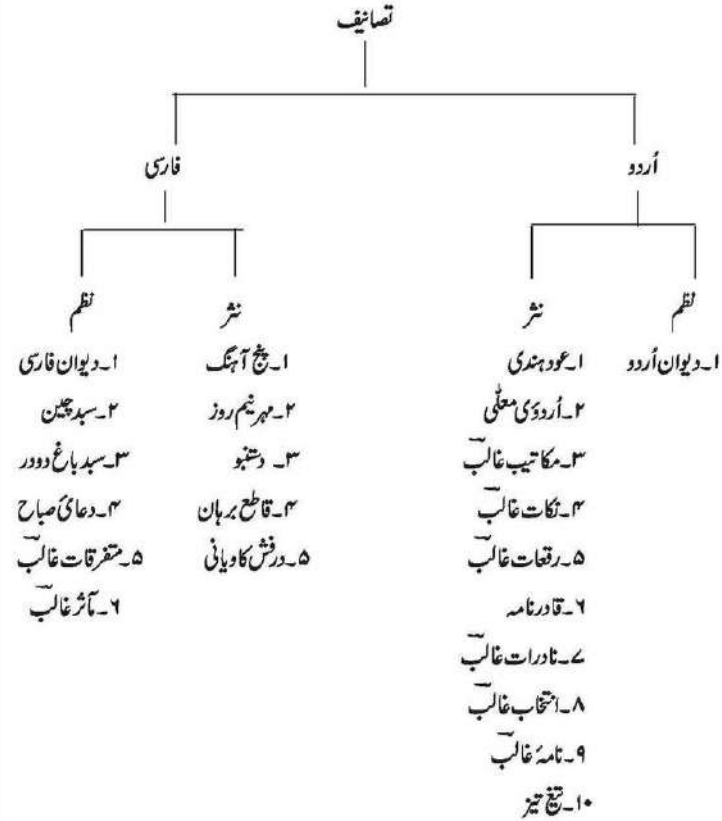
دیوان فارسی : غالب کی زندگی میں اس کے دو ایڈیشن شائع ہوئے۔

پہلا ایڈیشن	1845ء	506 صفحات	6672 اشعار	مطبع دار السلام دہلی	یہ دیوان ضیا الدین احمد خان کی تصحیح و ترتیب کے بعد شائع ہوا۔ آخر میں غلط نامہ ہے اور نیّر رخشاں کے تاریخ کے دو قطع ہیں۔ یہ اب کمیاب ہے۔
دوسرا ایڈیشن	1863ء	۔	10424 اشعار	منشی نولکشور	

غالب کا فارسی دیوان 1835ء میں ''میخانہ آرزو'' کے عنوان پر مرتب ہو چکا تھا لیکن دس سال بعد شائع ہوا۔

سبد چین : اس کے دو ایڈیشن شائع ہوئے ایک 1867ء میں غالب کی زندگی میں اور دوسرا 1938ء میں مکتبہ جامعہ دہلی کی طرف سے۔ اس میں مثنوی ''ابر گہر بار'' ہے جو (42) صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں (1098) اشعار ہیں۔

سبد باغ دو رو : یہ نسخہ دراصل سبد چین ہی کا بعد کا ایڈیشن ہے جو شائع نہ ہو سکا جس کو پروفیسر سید وزیر حسن عابدی صدر شعبہ فارسی و عربی دہلی یونیورسٹی نے شائع کیا اس کے پہلے حصے میں مثنوی ابر گہر بار اور دوسرے حصے میں چند نثریں شامل ہیں جو کلیات نثر میں موجود نہیں۔

دعای صباح : یہ کتاب حضرت علیؑ کی دعا الصباح کا منظوم ترجمہ ہے جو غالب نے اپنے بھانجے مرزا عباس بیگ اسسٹنٹ کمشنر پولیس لکھنؤ کی فرمائش پر لکھی اور یہ غالب کی زندگی میں مطبع نول کشور سے شائع ہوئی۔ اس کتاب میں (26) صفحات ہیں۔ کتاب میں

پہلے عربی دعا کی نثر ہے جس کے نیچے فارسی نثری ترجمہ ہے جو غالبؔ کا نہیں اور پھر غالبؔ کا (124) اشعار میں منظوم کردہ فارسی ترجمہ رکھا گیا ہے۔ اس کے علاوہ آخری دو صفحات میں امام زین العابدینؑ کی دعا کا سات شعر میں ترجمہ ہے۔ دعا صباح کا جدید ایڈیشن جسے مرحوم گیتا رضا نے ترتیب دے کر شائع کیا اس کتاب میں شامل ہے

متفرقات غالبؔ : مرحوم مسعود حسن ادیب کی ترتیب کردہ کتاب 1947ء میں ہندوستان پریس رام پور سے شائع ہوئی جس میں فارسی خطوط، کچھ نظمیں اور اُردو غزل شامل ہے جسے غالبؔ نے ایک قلمی بیاض میں کلکتہ کے قیام کے دوران لکھے تھے۔ اس میں مثنوی باد مخالف کے علاوہ مثنوی ظفر بھی شامل ہے جو غالبؔ نے دہلی میں تصنیف کی تھی۔ اس کتاب میں ادیبؔ مرحوم کا بسیط مقدمہ بھی شامل ہے۔

مآثر غالبؔ : اس کتاب میں غالبؔ کے (32) بتیس فارسی خطوط ہیں جو غالبؔ نے کلکتہ اور ڈھاکہ کے دوستوں کے نام لکھے تھے جنھیں قاضی عبدالودود نے حکیم حبیب الرحمن کے کتاب خانہ سے حاصل کر کے مفید حاشیوں اور بعض نادر اُردو فارسی تحریروں کے ساتھ شائع کیا۔ مآثر غالبؔ 1949ء میں علی گڑھ میگزین کے غالبؔ نمبر میں پہلے شائع ہو چکی ہے۔

پنج آہنگ : اگرچہ غالبؔ نے اس کتاب کو 1825ء میں تصنیف کیا وہ پہلی بار 1849ء میں مطبع سلطانی اور دوسری بار 1853ء میں مطبع دارالسلام دہلی سے شائع ہوئی۔ بقول غالبؔ اس مجموعہ کا کچھ حصہ ضائع ہو گیا۔ یہ کتاب (493) صفحات پر مشتمل ہے اور اس کے پانچ حصے ہیں جن میں القاب و آداب اور اُن سے متعلقہ مراتب، مصطلحات و لغات فارسی، مکاتب منتخب اشعار اور تقاریض وغیرہ شامل ہیں۔

مہر نیم روز : شاہ ظفرؔ کی خواہش پر غالبؔ تاریخ دنیا کے آغاز سے مغل حکمران عہد تک کے حالات جس کتاب میں لکھنا چاہتے تھے اُس کا نام پرتوستان تھا جس کا پہلا حصہ ''مہر نیم روز'' اور دوسرا حصہ ''ماہ نیم ماہ'' تجویز کیا تھا۔ مہر نیم روز (116) صفحات کی کتاب

1854ء میں فخر المطابع سے شائع ہوئی لیکن دوسرے حصہ کے لکھنے کی نوبت نہیں آئی اور 1857ء کے ہنگامہ میں خاندان تیمور کا خاتمہ ہو گیا۔

دستنبو : اس کتاب میں غالبؔ نے غدر کے حالات لکھے اور یہ التزام بھی کیا کہ تمام کتاب میں کوئی عربی لفظ نہ آنے پائے۔ غالبؔ نے غدر کے حالات اگست 1858ء تک لکھ کر کتاب ختم کر دی۔ اس (88) صفحات کی کتاب کو مطبع مفید خلایق نے 1858ء میں شائع کیا۔

قاطع برہان : غالبؔ نے برہان قاطع فارسی کی لغت جسے محمد حسین تبریزی ثم دکنی نے لکھا تھا اس کی غلطیوں کو نکال کر قاطع برہان کے نام سے 1862ء میں نول کشور سے شائع کروایا اس کتاب میں (97) صفحات ہیں۔

درفش کاویانی : قاطع برہان میں مزید اضافات اور مطالب جمع کر کے 1865ء میں غالبؔ نے اکمل المطابع سے شائع کیا۔ اس کتاب میں (154) صفحات ہیں۔

دیوان اُردو غالبؔ : یہ منتخب دیوان مرزا غالبؔ کی زندگی میں پانچ مرتبہ شائع ہوا اور آج بھی مسلسل شائع ہو رہا ہے۔ غالبؔ نے اپنے دیوان کا انتخاب خود کیا۔ پہلی بار مولوی سراج الدین احمد کی فرمائش پر "گل رعنا" کے نام سے اور دوسرا 1866ء میں نواب کلب علی خاں کی فرمائش پر جسے "انتخاب غالبؔ" کے نام سے امتیاز علی عرشی نے کتاب خانہ رامپور سے شائع کیا۔ غالبؔ نے جس دیوان سے یہ انتخاب کیا وہ بھی "نسخہ حمیدیہ" کے نام سے بھوپال سے شائع ہو چکا ہے۔ غالبؔ کی زندگی میں جو منتخب دیوان پانچ بار شائع ہوئے ان کی تفصیل یوں ہے :

ایڈیشن	سنہ طبع	تعداد شعر	مطبع	ملاحظات
پہلا	1841ء	1070	مطبع سید الاخبار۔ دہلی	صفحات 108۔ شروع میں غالبؔ کا فارسی دیباچہ اور آخر میں ضیا الدین احمد کی تقریظ ہے۔ اس کا ایک نسخہ رامپور لائبریری میں ہے۔

ملاحظات	مطبع	تعداد شعر	سنہ طبع	ایڈیشن
غالب کا فارسی دیباچہ اور نیر رخشاں کی تقریظ ہے۔	مطبع دار السلام۔ دہلی	1159	1847ء	دوسرا
صفحات 88 ۔ غالب کا فارسی دیباچہ اور نیر رخشاں کی تقریظ ہے۔		1796	1861ء	تیسرا
صفحات 104۔ غالب کا فارسی دیباچہ اور نیر رخشاں کی تقریظ ہے۔	مطبع نظامی۔ کانپور	1796	1862ء	چوتھا
صفحات 146۔ غالب کا فارسی دیباچہ اور نیر رخشان کی تقریظ ہے۔ اس کا ایک نسخہ 1994ء میں راقم نے نیویارک لائبریری میں دریافت کیا۔	مطبع منشی شیو نرائین۔ آگرہ	1795	1863ء	پانچواں

ان پانچ ایڈیشنوں کے علاوہ کوئی اور ایڈیشن غالب کی زندگی میں شائع نہ ہوا۔ غالب نے اپنے فارسی دیباچہ میں جو اس کتاب میں موجود ہے تاکید کی تھی کہ اگر کہیں میرے اشعار دستیاب ہوں تو اس دیوان کا جزو نہ کئے جائیں لیکن آج ہم دیکھتے ہیں کہ دیوان غالب میں اشعار کی تعداد 2500 اشعار کے لگ بھگ ہے یعنی تقریباً سات سو اشعار کا اضافہ کیا گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ غالب کی تاکید اور خواہش کا احترام کیوں نہیں ہوا؟

عود ہندی : مرزا غالب کا مجموعہ ہے جس میں غالب کے (137) خطوط کچھ تقریظیں اور نثری نمونے شامل ہیں۔ منشی ممتاز علی خان چودھری عبدالغفور سرور اور غلام غوث بیخبر کی مدد سے یہ مجموعہ جو (188) صفحات پر مشتمل ہے مرزا غالب کی زندگی میں 1868ء

کو مطبع مجتبائی میرٹھ سے شائع کیا جس میں منشی ممتاز کا دیباچہ، غلام مولا صاحب قلق کی تقریظ اور کچھ تاریخی قطعات ہیں۔ یہاں اس بات کا ذکر خارج از محل نہیں کہ غالب پہلے تمام خطوط فارسی میں لکھتے تھے لیکن 1849ء سے انھوں نے اُردو میں اس نئے طرز کی خطوط نگاری کی جو مکالمہ نگاری ہے۔ عودِ ہندی کا تاریخی قطعہ کا شعر یہ ہے۔

موسوم کیا جو مہرِ غالب سے سرور   تاریخ بھی اس کی "مہرِ غالب" لکھی

اُردوئے معلّٰی : مرزا غالب کے خطوط کا پہلا حصہ 464 صفحات پر مشتمل غالب کے انتقال کے بیس دن بعد شائع ہوا۔ قربان علی بیگ سالک نے تاریخ کہی

ہے یہی سال طبع سال وفات
"آج اون کا سخن تمام ہوا"

1285 ھجری

اس کا دوسرا ایڈیشن مطبع مجتبائی سے شائع ہوا جس میں حصہ اول اور دوم دونوں کو یکجا کر دیا گیا اور یہ کام حالی کی زیرِ نگرانی انجام پایا۔ اُردوئے معلّٰی کے مزید ایڈیشن کریمی پریس لاہور اور شیر محمد سرخوش نے بھی شائع کیے اور آج بھی مسلسل شائع ہوتے رہتے ہیں۔

مکاتیبِ غالب : غالب کے اُن خطوط کا مجموعہ ہے جو 1857ء سے 1865ء تک والیانِ رام پور نواب یوسف علی خاں اور نواب کلب علی خان اور بعض دوسرے صاحبان کو غالب لکھتے رہے ان (130) مکتوبات کو امتیاز علی خان عرشی نے یکجا کر کے دیباچہ کے ساتھ 1937ء میں شائع کیا اور اس جمع آوری میں عرشی نے ریاست کی طرف سے بھیجے گئے خطوط کی نقل بھی حاشیوں میں لگا دی۔

نکاتِ غالب : یہ بیس (20) صفحات پر مشتمل مختصر سا رسالہ ہے جو فارسی زبان کی صرف قواعد ہے جو اُردو میں لکھی گئی۔

رقعاتِ غالب : یہ سولہ صفحات پر مشتمل مختصر سا رسالہ ہے جس میں پنج آہنگ سے منتخب شدہ (15) پندرہ فارسی مکتوب ہیں۔

دونوں رسالے مطبع سراجی سے شائع ہوئے جو ماسٹر پیارے لال آشوب کی درخواست پر غالبؔ نے تشکیل دیئے اور پھر دوبارہ شائع نہ ہو سکے۔

قادر نامہ : یہ آٹھ صفحات کا مختصر رسالہ ہے جس میں (137) اشعار ہیں۔ یہ رسالہ غالبؔ نے عارف کے بیٹوں باقر علی اور حسین علی کی تعلیم کے لئے خالق باری اور آمد نامہ کی طرز پر لکھا جس میں اُردو اور فارسی ہم معنی لغات ہیں۔ اس کا پہلا شعر لفظ قادر سے شروع ہوتا ہے اس لئے اس کو "قادر نامہ" کہا گیا۔

قادر اللہ اور یزداں ہے خدا
ہے نبیؐ مرسل پیمبر رہنما

قادر نامہ 1864ء میں مجلس پریس دہلی سے شائع ہوا۔ اور اس کے مختلف ایڈیشن شائع ہوئے۔

نادرات غالبؔ : یہ غالبؔ کے اُن خطوط کا مجموعہ ہے جو غالبؔ نے منشی نبی بخش حقیرؔ اکبر آبادی کو لکھے تھے۔ ان (72) خطوط میں (69) خطوط غیر مطبوعہ تھے جنھیں آفاق حسین دہلوی نے 1947ء میں ادارہ نادرات کراچی کی جانب سے شائع کروایا۔

انتخاب غالبؔ : غالبؔ نے اس مختصر کتاب کو پنجاب کے کیمشنر میکلوڈ صاحب کی فرمائش پر مرتب کیا تھا اس (48) صفحات کی کتاب کے دو حصّے ہیں۔ پہلے حصّہ میں کچھ نثریں، خطوط، لطیفے، اور دوسرے حصّے میں منتخب اشعار ہیں۔ یہ کتاب پہلی بار 1943ء میں دین محمدی پریس لاہور سے شائع ہوئی۔

نامہ غالبؔ : غالبؔ نے 1865ء میں یہ سولہ (16) صفحہ کا خط مطبع محمدی دہلی سے چھپا کر تقسیم کروایا جس میں ساطع برہان جو غالبؔ کی قاطع برہان کے جواب میں لکھی گئی تھی اس کا جواب تھا۔ نامہ غالبؔ اب عودِ ھندی کا جزو بن گیا ہے۔

تیغ تیز : غالبؔ نے یہ (34) صفحات کا رسالہ قاطع برہان کے جواب میں احمد علی احمد کی کتاب مویّد برہان کے جواب میں لکھا جو 1867ء میں مطبع اکمل المطابع سے صرف ایک بار شائع ہوا۔

شجرہ غالب

(پردادا)

شہزادہ ترسم خان

(خاندان شاہی سمرقند)

(دادا)

قوقان بیگ

عبداللہ بیگ (والد)

نصراللہ بیگ (چچا)

اسداللہ خاں (وفات 1869)

یوسف مرزا خاں (وفات 1857)

(۷ اولادیں کوئی بھی پندرہ مہینے سے زیادہ زندہ نہ رہا)

☆ غالب کی ماں عزت النساء بیگم آگرے کے ممتاز رئیس خواجہ غلام حسین خاں کی صاحبزادی تھی۔

☆ غالب کی اہلیہ امراؤ بیگم نواب الٰہی بخش خاں برادر والی لوہارو کی صاحبزادی تھی۔ غالب کی پہلی برسی کے دن 1870ء فروری میں انتقال کر گئیں۔

☆ زین العابدین عارف غالب کی اہلیہ کی بہن بنیادی بیگم کے صاحبزادے تھے۔ دو شادیں کیں۔ دونوں بیویاں عارف کی زندگی میں انتقال کر گئیں۔ عارف نے بھی 1852ء میں انتقال کیا۔ عارف کی عمر 36 برس تھی۔

☆ باقر علی اور حسین علی عارف کے بیٹے تھے۔ حسین علی عارف کے مرنے کے بعد غالب کے گھر رہتے تھے۔
حسین علی خاں 1850ء میں پیدا ہوئے اور تیس (30) سال کی عمر میں 1880ء میں انتقال کر گئے۔
باقر علی خاں 1848ء میں پیدا ہوئے اور اٹھائیس (28) سالی کی عمر میں 1867ء میں انتقال کر گئے۔
باقر اُردو اور فارسی میں شعر کہتے تھے اور قربان علی سالک سے اصلاح لیتے تھے۔

مذہب : مرزا غالبؔ کے اجداد ماورالنہری تھے۔اُن کا مذہب حنفی تھا۔لیکن بقول غالبؔ

ع۔ہر کس کہ شد صاحب نظر دین بزرگاں خوش نکرد

اِس لئے غالبؔ کے مذہب کے بارے میں گفتگو ہوتی رہتی ہے۔اگرچہ غالبؔ کی ذات مذہبی بندشوں سے اونچی تھی لیکن تحقیق کا تقاضہ تمام زاویوں پر روشنی ڈالنا ہے چنانچہ یہاں ہم اپنا نظریہ دیئے بغیر لفظ بہ لفظ من وعن مشاہیر کے بیانات رقم کر کے قاری کو نتیجہ اخذ کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔

یہاں اس بات کا ذکر بھی خارج از محل نہیں کہ غالبیات کے اکثر ماہرین نے ان کے عقیدہ کے بارے میں سکوت اختیار کیا ہے جب کہ غالبؔ کے اشعار کی تنقید میں بال کی کھال نکالی ہے۔غالبؔ کی نجی زندگی پر تبصروں میں ولایتی شراب کے نام اور ان کے دام تک ملتے ہیں لیکن ان کے نعتیہ اور منقبتی کلام کے جام کا ذکر تک نہیں ملتا۔ غالبؔ کے عقیدے کا غالبؔ کی سوانح عمری لکھنے والوں کے جملوں کو سند بنا کر فیصلہ کیا جاتا ہے جبکہ خود غالبؔ کے کلام میں واضح طور پر ان مسائل پر گفتگو ہے اور جو ان کے دیوان میں موجود ہے اور جس کو راقم نے اس دیوان نعت ومنقبت میں یکجا کیا ہے۔ان اشعار کے مطالب ومعانی کو سمجھنے کے لئے افلاطون کی ذہانت اور ارسطو کی فطانت کی ضرورت نہیں بلکہ عقل سلیم کشادہ قلبی اور فیصلہ کن عقل کی ضرورت ہے۔

ا۔مولانا محمد حسین آزادؔ آب حیات میں لکھتے ہیں کہ ’’اہل رازاور تصنیفات سے بھی ثابت ہے کہ ان کا مذہب شیعہ تھا اور لطف یہ تھا کہ ظہور اس کا جوش محبت میں تھا نہ کہ تبرا اور تکرار میں۔

ب۔الطاف حسین حالیؔ یادگارِ غالبؔ میں لکھتے ہیں۔اگرچہ مرزا کا اصل مذہب صلح کُل تھا مگر زیادہ تر ان کا میلان طبع تشیع کی طرف پایا جاتا تھا اور جناب امیرؑ کو وہ رسولؐ خدا کے بعد تمام امت سے افضل جانتے تھے۔ایک بار مرحوم بہادر شاہ نے دربار میں کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ مرزا اسداللہ خاں غالبؔ شیعی المذہب ہیں۔مرزا کو بھی اطلاع ہوگئی چند رباعیاں لکھ کر حضور کو سنائیں جن میں تشیع اور رفض سے تحاشی

کی تھی۔۔۔۔لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ سب رباعیاں صرف بادشاہ کو خوش کرنے اور اہلِ دربار کو ہنسانے کے لئے لکھی گئی تھیں۔ کیوں کہ دربار میں ایک متنفس بھی ایسا نہ تھا جو مرزا کو شیعی یا کم از کم تفضیلی نہ جانتا ہو۔'' غالبؔ نے تمام عبادات و فرائض میں صرف دو چیزیں لے لی تھیں۔ ایک توحید وجودی اور دوسری نبیؐ اور آل نبی کی محبت اور اس کو وہ وسیلہ نجات سمجھتے تھے۔''

راقم نے حالیؔ کے وہ بیانیات جو غالبؔ کی تجہیز و تکفین کے سلسلہ میں ہیں ان کو اس لئے یہاں پیش نہیں کیئے تا کہ تکرار سے اجتناب ہو۔ حالیؔ کے وہ جملے میکش اکبر آبادی کے مضمون میں آگے صفحات میں ملیں گے۔

ج۔ عبدالباری آسیؔ شرح دیوان غالبؔ مطبوعہ 1930ء میں لکھتے ہیں۔'' مرزا اہل تشیع سے تھے مگر ان کا سارا خاندان سُنّی المذہب تھا اور وہ کسی سے تعصب نہیں رکھتے تھے چونکہ غالبؔ کے دوست اور عزیز سُنّی تھے لہٰذا ان کو کوئی مشکل سے سمجھتا تھا کہ یہ شیعہ ہیں۔''

د۔ امتیاز علی خاں عرشی دیوان غالبؔ مرتبہ عرشی میں لکھتے ہیں۔

ع۔ اولیں دور امامت طرب ایجاد بہار

ا۔ اولین دور امامت یعنی امام اول۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ میرزا صاحب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پہلا امام مانتے تھے۔ دوسرے قصیدے میں وصی ختم رسل کہا ہے۔ جس کا مطلب قائلین امامت کے نزدیک یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی امامت کی بھی وصیت فرمائی تھی ۔ چونکہ یہ دونوں قصیدے صفر 1238ھ (نومبر 1821ء) سے پہلے کے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب ابتدائے عمر ہی سے مسلک آبا سے منحرف ہو گئے تھے۔ ابھی تک اس تغیر عقائد کا حقیقی سبب معلوم نہ ہو سکا، سوائے اس خیال کے کہ نواب حسام الدین حیدر خاں بہادر کے بیٹوں سے، جو شیعی مذہب تھے ان کا لڑکپن سے بہت میل جول تھا۔ بعض قرینے ایسے بھی ہیں کہ ان کی ننھیال کو شیعی ہونا چاہئے (دیباچۂ مکاتیب غالبؔ، طبع چہارم صفحہ ۱۸، ۱۹۔

ھ۔جوشؔ ملسیانی شرح دیوان غالبؔ میں لکھتے ہیں۔" بوتراب حضرت علیؑ کا لقب ہے فرماتے ہیں اے غالبؔ دوست کے ہم نشین سے دوست کی بو آیا کرتی ہے۔اسی خیال سے میں حضرت علیؑ کی عبادت کرتا ہوں اور اسی عبادت کے ذریعہ خدا پرستی میں مشغول ہوں۔اگرچہ مرزا مذہبی خیالات کے آدمی نہ تھے۔نماز بھی نہیں پڑھتے تھے روزہ بھی نہیں رکھتے تھے مگر مذہبی عقیدہ کے لحاظ سے وہ اثنا عشری یعنی شیعہ ہیں"۔

و۔کالیداس گپتارضا دعای صباح میں لکھتے ہیں۔" غالبؔ علمی اور عملی پہلو سے نہ سہی مگر جذباتی طور پر کٹر شیعہ تھے۔"

ز۔مالک رام ذکر غالبؔ میں تفصیل سے غالبؔ کے مذہب پر بحث کرتے ہیں جس کا ہو بہو اقتباس یہ ہے :

"مرزا کے مذہب کا مسئلہ بھی ان مسائل میں سے ہے، جن پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ حالانکہ میری نظر میں ان کے عقائد سے متعلق کسی قسم کا شبہہ ہو ہی نہیں سکتا۔دراصل اس بارے میں اختلاف اس لئے پیدا ہوا کہ حکیم محمود خاں اور نواب ضیاء الدین احمد خاں نے مرزا کی تجہیز و تکفین، اہلِ تشیع کے طریقے پر نہیں ہونے دی۔اس سے بعض لوگوں نے فرض کرلیا کہ ان دونوں صاحبوں اور خاص کر نواب ضیاء الدین احمد خاں سے زیادہ کون ان کے معتقدات سے واقف ہوسکتا تھا اور جب انھوں نے تمام رسوم اہلِ تسنن کے عقیدے کے مطابق ادا کیں تو یقیناً انھیں معلوم ہوگا کہ مرزا دراصل اسی مسلک کے پیرو تھے اور شیعی نہیں تھے۔حالانکہ یہ سراسر مغالطہ ہے۔ جہاں تک اقرار باللسان کا تعلق ہے، مرزا ساری عمر کھلے بندوں اپنے شیعی ہونے کا اعلان کرتے رہے اور اس میں ان کے مخاطب سُنّی اور شیعہ دونوں فرقوں سے تعلق رکھنے والے بزرگ تھے"۔فرماتے ہیں :

"میں موحد خالص اور مومن کامل ہوں۔زبان سے لا الہ الا اللہ کہتا ہوں اور دل میں لاموجود الا اللہ، لامؤثر فی الوجود الا اللہ، سمجھے ہوئے ہوں۔انبیاء سب واجب تعظیم اور اپنے اپنے وقت میں مفترض الطاعت تھے۔محمدؐ علیہ السلام پر نبوت ختم ہوئی۔یہ

ختم المرسلین اور رحمتہ للعالمین ہیں۔ مقطع نبوت کا مطلع امامت۔ اور امامت نہ اجماعی بلکہ من اللہ ہے اور امام من اللہ علیؑ علیہ السّلام ہے ثم حسنؑ ثم حسینؑ ، اسی طرح تا مہدیؑ موعود علیہ السّلام۔

۶۔ بریں زیستم ہم بریں بگذرم

(بنام نواب علاء الدین احمد خاں۔ سنّی)

''غالبؔ، اثنا عشری حیدری''۔ (بنام غلام حسنین قدرؔ بلگرامی۔ شیعی)

''بندہ علیؑ ابن ابی طالبؑ، اسد اللہ المتخلص بغالبؔ''۔

(بنام محمد حسن ناخدائے شیرازی۔ شیعی)

''عطیہٗ حضرت بتوسط جناب سیف الحق پہنچا اور میں نے اس کو بے تکلف عطیہ مرتضوی سمجھا۔ علی مرتضیٰ علیہ التحیہ والثنا آپ کا دادا اور میرا آقا۔ خدا کا احسان ہے کہ میں احسان مند بھی ہوا تو اپنے خداوند کے پوتے کا۔'' (بنام میر غلام بابا خان بہادر۔ سنّی)

''میں علیؑ کا غلام اور اولادِ علیؑ کا خانہ زاد'' (بنام حکیم سیّد احمد حسین مودودی۔ سنّی)

''صاحب! بندہ اثنا عشری ہوں۔ ہر مطلب کے خاتمہ پر ۱۲ کا ہندسہ کرتا ہوں۔ خدا کرے کہ میرا بھی خاتمہ اسی عقیدے پر ہو۔ ہم تم ایک آقا کے غلام ہیں۔''

(بنام مرزا حاتم علی مہرؔ۔ شیعی)

''جانتے ہو کہ علیؑ کا بندہ ہوں۔ اس کی قسم کبھی جھوٹ نہیں کھاتا۔''

(بنام یوسف میرزا۔ شیعی)

''خدا کے بعد نبیؐ اور نبیؐ کے بعد امام۔ یہی ہے مذہب حق، والسّلام والاکرام، علیؑ علیؑ کیا کرو اور فارغ البال رہا کر'' (مجروحؔ۔ شیعی)

امامت من اللہ کا ثبوت انھوں نے ایک قصیدے میں یوں دینے کی کوشش کی ہے

حقا کہ لفظِ احمدؐ و لطفے کہ تحتِ اوست	گنجیست شائگاں و طلسمیست استوار
امّا پئے کشایشِ ایں معنوی طلسم	فطرت شگرف قاعدۂ کرد اختیار

باید نخست میم ز احمدؐ فرا گرفت	کاں میم اسمِ ذات نبیؐ راست پردہ دار
ہر گہ بہ یُمن معرفتِ ذاتِ احمدی	میم از میانہ رفت واحد گشت آشکار
بے پردہ بنگر از الف، اللہ جلوہ گر	وز حا و دال بشمر و دریاب ہشت و چار

12 = 4 + 8

اور وہ اس عقیدے پر بہت ابتدا سے قائم تھے۔ مثنوی ابرِ گہر بار غالباً **1845** میں مکمل ہو چکی تھی۔ اس کے منقبت کے باب میں لکھتے ہیں۔

کہ تا کینہ از مہر بشناختم	بکس غیر حیدرؑ نہ پرداختم
جوانی بریں در، بسر کردہ ام	شبے در خیالش سحر کردہ ام

یعنی میں نے جب سے ہوش سنبھالا اور کینہ اور محبت کے درمیان فرق کرنا سمجھا، اسی دن سے حضرت علیؑ کے سوائے کسی دوسرے سے سروکار نہیں رکھا اسی کے در پر جوانی کے ایام بسر کر دیئے اور اسی کی یاد میں راتیں گذار دیں۔ اور انھوں نے اس میں کوئی مبالغہ نہیں کیا۔ ان کے ابتدائی زمانے کے کلام میں جو نسخہ حمیدیہ میں چھپا ہے، اس طرح کے کئی شعر موجود ہیں۔

ہزار آفت و یک جانِ بے نوائے اسدؔ	خدا کے واسطے، اے شاہِ بیکساں، فریاد
جس جگہ ہے مسند آرا، جانشینِ مصطفےٰؐ	اس جگہ تختِ سلیماںؑ، نقشِ پائے مور ہے
اسدؔ، جہاں کہ علیؑ بر سرِ نوازش ہو	کشادِ عقدۂ دشوار، کار آساں ہے
کثرتِ اندوہ سے، حیران و مضطر ہے اسدؔ	یا علیؑ! وقتِ عنایات و دمِ تائید ہے
حرمتِ جانِ محمدؐ، یک نظر کن سوئے من	یا علیؑ، یا مرتضیٰؑ، یا ابوالحسنؑ، یا بوترابؑ

یہ بیانات پڑھنے کے بعد ناممکن ہے، کہ کوئی شخص انھیں شیعانِ علیؑ کے سوائے کسی

دوسرے گروہ میں شمار کر سکے۔ لیکن یہ بھی واقع ہے، کہ ان کی شیعیت صرف اسی حد تک ہے، کہ وہ حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ کو تمام دوسرے صحابہ پر ترجیح دیتے ہیں۔ مثلاً ایک جگہ انھوں نے باقی صحابۂ رسول کو ستاروں اور حضرت علیؑ کو چاند سے تشبیح دی ہے۔ لکھتے ہیں۔

شرطست کہ بہرِ ضبطِ آداب و رسوم　　خیزد بعد از نبیؐ ، امامِ معصومؑ
زاجماع چہ گوئی، بہ علیؑ باز گرائے　　مہ جائے نشینِ مہر باشد، نہ نجوم

اس کی تعبیر ہم دوسرے لفظوں میں یوں بھی کر سکتے ہیں، کہ ان کی شیعیت کا امتیازی نشان تبرا نہیں، بلکہ تولا ہے، یعنی وہ دوسرے صحابہ پر تبرا نہیں کرتے، بلکہ حضرت علیؑ سے اپنے تولا و محبت کا شدّت سے اظہار کرتے ہیں۔ اب یہ کوئی مخصوص شیعی عقیدہ نہیں، بلکہ تفضیلہ سُنّی بھی یہی مسلک رکھتے ہیں۔

پس مختصراً ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ خدا کی وحدانیت پر یقینِ کامل رکھتے ہیں، اور نجات کے لئے نبوت پر ایمان کو واجب سمجھتے ہیں۔ نبوت کے بعد امامتِ مرتضوی کے قائل ہیں اور اسی طرح بارہ اماموں پر اعتقاد رکھتے ہیں اور امامت کے من اللہ ہونے کے معتقد ہیں۔ وہ تمام صحابہ کا ادب کرتے ہیں۔ لیکن حضرت علیؑ کو سب دوسرے صحابہ پر ترجیح اور فضیلت دیتے ہیں۔ ان کے اپنے خیال میں یہ اثنا عشری شیعہ عقیدہ ہے۔ آپ چاہیں تو انھیں تفضیلی کہہ لیں۔'' (مالک رام۔ ذکرِ غالبؔ)

ج۔ میکشؔ اکبر آبادی: معتبر ماھنامہ شاعر کے غالبؔ نمبر **1969** میں میکشؔ اکبر آبادی کے مضمون ''مرزا غالبؔ کا مذہب'' کے اقتباسات یہاں پیش کئے جائے ہیں۔

(جناب افتخار امام صدیقی صاحب ایڈیٹر شاعر میرے شکریہ کے خاص مستحق ہیں کہ اسرع وقت میں اس مضمون کی فیکس کاپی پہنچا کر راقم پر لطف و عنایت کی)۔

مرزا غالبؔ کا مذہب کیا تھا؟ وہ شیعہ تھے یا سُنّی؟ یہ ایک سوال ہے جو ان کی زندگی میں بھی پیدا ہوا ان کی موت کے وقت بھی اور اُن کی وفات کے اتنے زمانے کے بعد بھی یہ سوال اتنا ہی محتاج جواب ہے جتنا اُن کی زندگی میں تھا۔ حالیؔ نے یادگارِ غالب

میں جو کچھ کہا ہے اس کی بنیاد حالؔی کا ذاتی علم اور قیاس ہے جو ایک حد تک صحیح مان لینے کے بعد بھی قطعی نہیں ہے۔

''مرزا کے جنازے پر جب کہ دلّی دروازے کے باہر نماز پڑھی گئی۔ راقم بھی موجود تھا اور شہر کے اکثر عمائد اور ممتاز لوگ جیسے نواب ضیاء الدین احمد خاں، نواب محمد مصطفےٰ خاں حکیم احسن اللہ خاں وغیرہم۔ اور بہت سے اہلِ سنّت اور امامیہ فرقوں کے لوگ جنازے کی مشایعت میں شریک تھے۔ سید صفدر سلطان نبیرۂ بخشی محمود خاں نے نواب نواب ضیاء الدین احمد خاں مرحوم سے کہا کہ مرزا صاحب شیعہ تھے۔ ہم کو اجازت ہو کہ ہم اپنے طریقے کے موافق اُن کی تجہیز و تکفین کریں مگر نواب صاحب نے نہیں مانا اور تمام مراسم اہلِ سُنّت کے موافق ادا کئے گئے۔ اس میں شک نہیں کہ نواب صاحب صاحب سے زیادہ اُن کے اصلی مذہبی خیالات سے کوئی شخص واقف نہیں ہو سکتا تھا۔ مگر ہمارے نزدیک بہتر ہوتا کہ شیعہ اور سُنّی دونوں مل کر یا علیحدہ علیحدہ اُن کے جنازے کی نماز پڑھتے اور جس طرح زندگی میں اُن کا برتاؤ شیعہ اور سُنّی دونوں کے ساتھ یکساں رہا تھا، اُسی طرح مرنے کے بعد بھی دونوں فرقے اُن کی حق گذاری میں شریک ہوتے''

اگر خواجہ حالؔی کا پہلا بیان تسلیم کر لیا جائے کہ ''دربار میں ایک متنفّس بھی ایسا نہ تھا جو مرزا کو شیعی یا کم سے کم تفضیلی نہ جانتا ہو'' تو ان کی تجہیز و تکفین کے وقت یہ اختلاف پیدا ہی نہیں ہونا چاہیئے تھا لیکن تجہیز و تکفین کے واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب سُنّی تھے کیونکہ بقول مولانا حالؔی نواب ضیاء الدین احمد خاں سے زیادہ مرزا کے اصلی مذہبی خیالات سے کوئی شخص واقف نہ تھا۔ ان عبارتوں سے ایک بات ضرور واضح ہو جاتی ہے کہ مرزا غالبؔ نہ ایسے شیعہ تھے جس میں شُبہ کی گنجائش نہ ہو اور نہ ایسے سُنّی تھے کہ اُن کو قطعیت کے ساتھ سُنّی کہہ دیا جائے۔ اس موقع پر ایک بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ مذہب کے معاملہ میں شیعہ اور سُنّی دونوں علیحدہ مزاج رکھتے ہیں۔ سُنّیوں کا مزاج یہ ہے کہ اگر کوئی شخص سُنّیوں کے پورے مذہب کے مطابق ہو اور اُس کے ساتھ حضرت علیؑ کی تعریف و توصیف کے ساتھ جناب امیر معاویہ کے

بارے میں اتنا مخلص نہ ہو تو اُس کو قطعیت کے ساتھ شیعہ کہہ دیا جاتا ہے اور اکثر شیعہ ہونے کے لئے صرف ''حُبِّ علیؑ'' ہی کافی سمجھی جاتی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ مرزا غالبؔ کوئی عالم یا مُجتہد نہ تھے جو عقائد و کلام کی جزئیات تک کے متعلق اپنا مسلک متعین یا ظاہر کرتے۔ پھر بھی انھوں نے مختلف مواقع پر جو اپنے عقائد بیان کئے ایک مرتبہ ان سب کا مجموعی طور سے مطالعہ ضروری ہے۔ یہ ضروری اقتباسات ''یادگارِ غالب'' اور اُن مکتوبات سے پیش کئے جاتے ہیں جو مرزا صاحب نے حضرت جی غمگینؔ دہلویؒ کو لکھے ہیں۔

''میں آدھا مسلمان کہ جس طرح قیدِ کیش و ملت سے آزاد ہوں، اُسی طرح بدنامی و رُسوائی کے خوف سے وارستہ ہوں''۔ ''لیکن اِس میں شک نہیں کہ میں مُوحّد ہوں، ہمیشہ تنہائی اور سکوت کے عالم میں یہ کلمات میری زبان پر جاری رہتے ہیں۔ ''لا الہ الا اللہ، لاموجود الا اللہ، لاموثر فی الوجود الا اللہ''

''دریے کے لونڈوں کو پڑھا کر مولوی مشہور ہونا اور رسائل ابو حنیفہ کو دیکھنا اور مسائلِ حیض و نفاس میں غوطہ مارنا اور ہے، عُرفاء کے کلام سے حقیقت حقہ وحدۃ وجود کو اپنے دلنشین کرنا اور ہے۔ مشرک وہ ہیں جو وجود کو واجب و ممکن میں مشترک جانتے ہیں۔ مشرک وہ ہیں جو مسلمہ کو نبوّت میں خاتم المرسلین کا شریک گردانتے ہیں، مشرک وہ ہیں جو نو مسلموں کو ابو الائمّہ کا ہمسر مانتے ہیں، دوزخ ان لوگوں کے واسطے ہیں۔ میں موّحدِ خالص اور مومنِ کامل ہوں۔ زبان سے لا الہ الا اللہ کہتا ہوں اور دل میں لاموجود الا اللہ، لاموثر فی الوجود الا اللہ سمجھا ہوا ہوں۔ انبیاء سب واجب التعظیم اور اپنے اپنے وقت میں سب مفترض الطاعت تھے۔ محمدؐ علیہ السلام پر نبوّت ختم ہوئی۔ یہ ختم المرسلین اور رحمۃ للعالمین ہیں۔ مقطع نبوّت کا مطلع امامت اور امامت نہ اجماعی بلکہ من اللہ ہے اور امام من اللہ علیؑ ہے ثم حسنؑ ثم حسینؑ۔ اسی طرح تا مہدی موعود علیہ السّلام ''بریں زیستم ہم بریں بگذرم'' ہاں اتنی بات اور ہے کہ اباعت اور زندقہ کو مردود اور شراب کو حرام اور اپنے کو عاصی سمجھتا ہوں۔''

مکتوبِ مرزا غالبؔ بنامِ حضرت جی غمگینؒ دہلوی: ''رُباعیوں کے بارے میں بات

شروع ہوتی ہے، یا اللہ میرا بیان پیر و مُرشد کے خلاف مزاج نہ ہو۔ تین رُباعیاں جو شروع میں رقم ہوئی ہیں ان کا مضمون یہ ہے کہ علیؑ خلیفہ تھے لیکن میرا یہ عقیدہ نہیں ہے۔ میں علیؑ کو امام سمجھتا ہوں اور دوسروں کو خلیفہ۔ خلافت، سلطنت اور ریاست کے ہم معنی ہے۔ عرب کی زبان میں ۔۔۔ اور حاکم کو خلیفہ کہتے ہیں۔ اگرچہ خلافت کے لُغوی معنی نیابت کے ہیں۔ غرض یہ کہ علیؑ نبیؐ کے بعد بلا فصل امام ہیں۔ امامت خدا کی طرف سے ہے اور علیؑ امام ہیں۔ ابوبکرؓ کی خلافت کے زمانے میں بھی عمرؓ کی خلافت کے زمانے میں بھی، عثمانؓ کی خلافت کے زمانے میں بھی۔ اور یہ جو مشہور ہے کہ عثمانؓ کے بعد علیؑ خلیفہ ہوئے غلط ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ امام برحق علیؑ مرتضٰی جب رسولؐ کے بعد امام ہوئے تو انہوں نے ابوبکرؓ صدیق کو خلیفہ کر کے حکومت کا کام اُن کے سپرد کر دیا تا کہ مسلمان خطروں سے محفوظ رہیں اور مسلمانوں پر فرمانروائی کریں۔ اس کے بعد عمرؓ کو پسند کیا اور اُن کے بعد عثمانؓ کو خلافت دی۔ ان تینوں نے اپنے کو سپرد کر دیا اور نبیؐ اور امامؑ کی اطاعت کی۔ عثمان کے بعد کوئی شخص حکومت کے قابل مسلمانوں میں نظر نہ آیا۔ جس شخص نے اس کی آرزو کی، وہ بھی اس کا اہل نہ تھا۔ مجبوراً امامِ وقت نے حکومت کا کام بھی خود ہی سنبھال لیا اور اہلِ اسلام کے جھگڑوں کو طے کرنے لگے۔ بادشاہ اگر قاضی کا کام کرنے لگے تو اُسے قاضی نہیں کہیں گے۔ علیؑ ہی امام ہیں اپنے عہد میں لیکن خلافت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد بنی اُمیہ کو منتقل ہوئی اور اُن سے آلِ عباس کو پہنچی۔ ان دونوں گروہوں نے خُلفائے ثلثہ کے برعکس بہت ظلم کئے اور خون بہائے "علیؑ اور اولادِ علیؑ کی امامت کو مٹایا اور ائمہؑ کو شہید کیا۔"

یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا ہے، اُس کا تعلق مرزا غالبؔ کے شیعہ اور سُنّی ہونے سے تھا۔ مولانا حالیؔ نے اُن کے متعلق جو لکھا ہے وہ بھی قابلِ توجہ ہے:

"مرزا اسلام کی حقیقت پر نہایت پختہ یقین رکھتے تھے اور توحید وجودی کو اسلام کا اصل اُصول اور رکن رکین جانتے تھے۔ اگرچہ وہ بظاہر اہلِ حال سے نہ تھے مگر توحید

وجودی اُن کی شاعری کا عنصر بن گئی تھی...... اُنہوں نے تمام عبادات اور فرائض و واجبات میں سے صرف دو چیزیں لے لی تھیں۔ ایک توحیدِ وجودی اور دوسرے نبیؐ اور اہلِ بیتِ نبیؐ کی محبت، اور اسی کو وہ وسیلۂ نجات سمجھتے تھے۔"

ط۔ عباداللہ فارقی غالبؔ کے مذہبی اور فکری میلانات میں لکھتے ہیں۔ "مرزا نہ شیعہ تھے نہ سُنّی ان کا مذہب عشق تھا جو محبت علیؑ ابن ابی طالبؑ میں جلوہ گر ہو گیا تھا۔ مرزا کبھی کبھی وفورِ جذبہ میں ایسی باتیں بھی کہہ جاتے۔

خیزد بعد از نبیؐ امام معصوم	شرط است کہ بہر ضبط آداب و رسوم
مہ جائے نشین مہر باشد نہ نجوم	از اجماع چہ گوئی بہ علیؑ باز گرائی

یعنی مذہب کے قیام اور ضبط کے لئے نبیؐ کے بعد امام کی ضرورت ہے اجماع کا کیا ذکر کرتے ہو آفتاب کا جانشین ماہتاب کو ہونا چاہیے نہ کہ ستاروں کو۔

ی۔ پروفیسر نذیر احمد غالبؔ کی فارسی قصیدہ نگاری میں لکھتے ہیں۔ "غالبؔ کے قصائد میں **13** مذہبی قصیدے ہیں جن میں ایک حمد باری میں، تین نعت میں، چار حضرت علیؑ کی منقبت میں، دو حضرت امام حسینؑ، ایک حضرت عباسؑ بن علیؑ، ایک حضرت امام مہدیؑ کی منقبت میں ہے۔ قابل توجہ امر یہ ہے کہ ائمہ اثنا عشر میں صرف تین اماموں کی منقبت لکھی گئی۔ حضرت امام حسنؑ اور آٹھ دوسرے ائمہ سے صرف نظر کرنا تعجب خیز امر ہے، معلوم نہیں اس رد و قبول کے پیچھے کوئی جذبہ کارفرما ہے کہ یہ محض اتفاقی امر ہے۔ موجودہ قصاید سے یہ بات پوری طرح واضح ہے کہ غالبؔ شیعی عقیدے کے حامل تھے اس عقیدے کا تقاضا ہے کہ ان کو صرف تین اماموں کی مدح پر بس نہ کرنا تھا۔

(نوٹ: غالبؔ نے پورے بارہ اماموں کے نام لے کر مدح اور دعا کی ہے جو اسی کتاب میں موجود ہے۔ راقم)

ک۔ آغا محمد سلطان مرزا: فلسفہ غالبؔ **1949**ء میں لکھتے ہیں۔ "غالبؔ کی روح پر ظلم ہوگا اگر ہم غالبؔ کے فلسفۂ حیات میں حُبِّ علیؑ کا تذکرہ نہ کریں رسولؐ و آل

رسولؐ کی محبت سے غالبؔ سرشار تھے۔ سب کی منقبت کہی ہے لیکن علیؑ کا عشق تو ان کے خون کے اندر سرایت کر گیا تھا۔ کہتے ہیں۔

غالبؔ ندیم دوست سے آتی ہے بوئے دوست | مشغول حق ہوں بندگی بوترابؑ میں

نفس نبیؐ خدائے نصیری امام خلق | آں منت عظیم کہ حق بر جہاں نہاد

شمعی ز آتش شجر طور بر فروخت | واں را بخلوت علی اللہیاں نہاد

آں حضرت کی معراج سے واپسی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

شب از بادۂ قدس ساغر گرفت | صبوحی ز دیدار حیدرؑ گرفت

دو ہمراز از باہمد گر راز گوئے | نشاں ہائے بینش بہم باز گو

آپ نے غور کیا ''صبوحی ہم از بادۂ دوش بود'' مست مئے حُبّ علیؑ اپنے شرابیوں کی اصطلاح میں بڑی بات کہہ گیا۔ بات وہی ہے اگر شجر میں کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ ''انی انا اللہ'' تو نہاں خانہ خلوت سے علیؑ کے لہجہ میں گفتگو ہونا کون سی ناممکن بات تھی۔ آخر گفتگو کے لئے کوئی لہجہ تو اختیار کرنا ہی تھا۔ وہ وہی لہجہ کیوں نہ ہو جو دونوں کو مرغوب ہے۔

ل۔ یوسف جمال انصاری، غالبؔ اور تصوف میں لکھتے ہیں۔ ''غالبؔ کے مذہبی عقائد کے متعلق قطعیت کے ساتھ کچھ کہنا ممکن نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ موحّد تھے اور بطور ایک مسلمان کے اثنا عشری طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ محمد ﷺ کو خاتم النبیین مانتے تھے۔ ائمہ معصومین کے قائل تھے۔ اس قسم کے عقائد راسخ العقیدہ اثنا عشری حضرات کے ہوتے ہیں۔ انھیں حُبّ علیؑ کی وہ دولت ملی تھی اور عشق حسینؑ کا وہ خزانہ ہاتھ آیا تھا اور جملہ عقلی حدود سے متجاوز ہو جاتے چنانچہ جذباتی اعتبار سے نصیری عقاید کی مماثلت بھی کلام غالبؔ میں جا بجا ملتی ہے۔

منصور فرقۂ علیؑ اللّٰہیاں منم　　　　آوازۂ انا اسد اللّٰہ بر آورم

اشارہ کیا جا چکا ہے کہ مذہبی عقیدے کے اعتبار سے غالبؔ اثنا عشری تھے لیکن شاعر کی نفسیات کچھ اس قسم کی ہوا کرتی ہے"۔

م۔ پروفیسر البرٹ تھائی لے اور پروفیسر انا ماری شمل، مرزا اسد اللہ غالبؔ میں لکھتے ہیں۔ "غالبؔ نے فارسی زبان میں قدیم انداز میں ستر (70) قصیدے لکھے ہیں۔ ان میں حمدیہ بھی ہیں نعتیہ بھی اور حضرت علیؑ کرم اللہ وجہ کی منقبت میں بھی۔ غالبؔ شیعی المذہب تھے حالانکہ ان کے خاندان کے دوسرے افراد مسلک اہل السنّت والجماعت کے پیرو تھے۔"

ن۔ پروفیسر الی ساندرابوسانی۔ غالبؔ کی فارسی شاعری میں لکھتے ہیں۔ "غالبؔ شیعہ تھے اور اپنے کلام میں اکثر شیعہ اماموں کی تعریف کرتے ہیں۔"

ص۔ حسرت موہانی تذکرہ الشعرا میں لکھتے ہیں۔ "کسی کو ان کے اصلی مذہب کی بابت سوا اس کے اور کچھ نہ معلوم ہوا کہ ان کو اہلبیتؑ رسالت سے بے انتہا عشق تھا اور بس۔ غالباً مرزا شیعہ تفضیلہ تھے۔"

خ۔ ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط "عظمتِ رسولؐ خطوط غالبؔ" میں لکھتے ہیں۔ "غالبؔ کو دہری رافضی، شیعہ، سنی، آدھا مسلمان جو کچھ کہا گیا ہو لیکن عشق رسولؐ سے ان کا قلب منور تھا اور روح بالیدہ"۔

ض۔ ادیب رائے پوری "غالبؔ کے فارسی کلام میں نعت" میں لکھتے ہیں۔ "اگرچہ غالبؔ نے اپنی عقیدت اور رسولؐ سے اپنی بے پناہ محبت کے اظہار میں لاتعداد اشعار نظم کی صورت اُردو اور فارسی میں کہے لیکن حُبِّ رسولؐ کا ایک ایسا نمونہ غالبؔ نے اپنی نثر میں چھوڑا ہے جو یقیناً اس کی نجات کا باعث بنے گا اور اہلِ جہاں کو حُبِّ رسولؐ کا درس بن کر زبان و بیاں کی تاریخ میں مہر و ماہ کی طرح روشن رہے گا"۔ نواب علاؤالدین احمد خاں علائی کو اپنے خط میں لکھتے ہیں۔ "اگر مجھ کو دوزخ میں ڈالیں گے تو میرا جلانا مقصود نہ ہوگا بلکہ دوزخ کا ایندھن ہوؤں گا اور دوزخ کی آنچ کو تیز

کروں گا تاکہ مشرکین اور منکرین نبوت مصطفویؐ اور امامت مرتضویؑ اس میں جلیں۔‘‘

شاگرد : غالبؔ کے شاگردوں کی تعداد زیادہ تھی۔ مالک رام نے تلامذۂ غالبؔ میں (175) سے زیادہ شاگردوں کے حالات کتابی شکل میں جمع کئے۔ اُردو کے چار عظیم شاعروں میں یعنی میرؔ، انیسؔ، اقبالؔ اور غالبؔ میں غالبؔ اس لئے بھی منفرد رہے کہ دوسرے تینوں شعرا کے شاگردوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ حالیؔ نے اس کثرت کو غالبؔ کی وسعت اخلاق اور عام رضا جوئی کی وجہ قرار دے کر لکھا کہ جو شخص اصلاح کے لئے ان کے پاس غزل بھیجتا تھا ممکن نہ تھا کہ وہ اس کے خط میں اُس کی غزل میں اصلاح دے کر نہ بھیجیں۔

یہ سچ ہے کہ ان کے شاگردوں میں ہر طبقہ کے لوگ شامل تھے۔ یوسف علی خاں ناظمؔ بیتابؔ اور توفیقؔ جیسے والیاں ریاست، ظفرؔ جیسا بادشاہ مغل، حالیؔ، شیفتہؔ، حقیرؔ اور عرشیؔ جیسے عالم فاضل تفتہؔ، ذکاؔ جیسے ملازمت پیشہ افراد کے علاوہ بہت سے معمولی پڑھے لکھے عام لوگ شامل تھے۔ ان کے ارشد تلامذہ میں حالیؔ، شیفتہؔ، نیّر رخشاںؔ، عارفؔ، سالکؔ، مجروحؔ، علائیؔ اور تفتہؔ وغیرہ شمار ہوتے تھے۔ غالبؔ کا طریقہ اصلاح آموزشانا اور صحت مندانہ تھا۔ جو شعر پسند آتا اُس پر صاد کی علامت لگاتے اور بعض اوقات شاگرد کا دل بڑھانے کے لئے تعریفی کلمات لکھ دیتے۔ اگر کسی لفظ کے بدل دینے سے شعر عمدہ اور بلند ہو جاتا تو شعر کے نیچے وہ لفظ لکھ دیتے۔ غالبؔ کی کوشش یہ ہوتی کہ شاعر کا خیال حتی الامکان وہی باقی رہے وہ صرف استادی دکھانے کے لئے لفظوں کی رد و بدل نہیں کرتے تھے جس سے مضمون میں ترقی نہ ہو۔ غالبؔ کے شاگردوں کو معلوم تھا کہ اصلاح کے لئے اچھے کاغذ پر خوش خط اشعار لکھیں جائیں تاکہ اشعار کے درمیان اصلاحی نکات رقم ہو سکے۔ چونکہ غالبؔ کا طرز بیاں منفرد تھا اس لئے ان کے ان تمام شاگردوں میں سے کوئی بھی شاگرد اُس جوہر نایاب کو پا نہ سکا اور غالبؔ نے بھی اپنا نقش بنانے کی کوشش نہ کی۔ غالبؔ کے خطوں میں شاگردوں کے لئے بہت سے اشارے ملتے ہیں۔ اصلاح سخن کے

ساتھ ساتھ وہ شاگردوں کے نجی اور شخصی معاملات میں بھی مدد کرتے تھے۔ غالبؔ نے استادی سے نہ اپنا سکّہ جمایا اور نہ سکّہ بنایا بلکہ سیکھنے والوں کو طریقوں پر سکھایا۔

ازدواجی زندگی : غالبؔ ہمیشہ مردانے مکان میں رہتے تھے دن میں دو چار بار زنانے میں جاتے ان کی اہلیہ خدمت گزاری میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتی تھی۔ اگرچہ وہ غالبؔ کے برعکس متقی پرہیزگار نماز روزہ کی پابند تھی لیکن ہر حال میں وہ غالبؔ کی پرستار تھیں۔ چنانچہ غالبؔ کے انتقال کے ایک سال بعد برسی کے دن اس دارِ فنا سے کوچ کر گئیں۔

آخری ایام : ناتوانی کے باعث چلنا پھرنا بند ہو گیا تھا۔ دن رات پلنگ پر پڑے رہتے۔ خطوں کے جواب یا خود لکھتے یا لکھواتے۔ مرنے سے چند روز قبل تھوڑی دیر کے لئے بے ہوش اور ہوش میں ہوتے۔ بقول حالیؔ مرنے سے دو دن قبل نواب علائی کو خط میں لکھوایا۔ ”میرا حال مجھ سے کیا پوچھتے ہو ایک آدھ روز میں میرے ہمسایوں سے پوچھنا“۔ آخری پہروں یہ شعر وردِ زباں تھا۔

دم واپسیں بر سر راہ ہے — عزیزو اب اللہ ہی اللہ ہے

تاریخ وفات : **15** فروری **1869** بروز شنبہ دوپہر ڈھلے انتقال کر گئے۔ یہ افسوس ناک خبر جنگل کی آگ کی طرح شہر میں پھیل گئی اور زیارت کے لئے لوگوں کا تانتا بندھ گیا۔

نماز جنازہ : دلّی دروازے کے باہر نماز پڑھی گئی۔ شہر کے ممتاز اور عمایدلوگ جو ہر گونہ مذہب و ملّت سے تعلق رکھتے تھے جلوس جنازہ میں شریک ہوئے۔

مدفن : حضرت نظام الدین اولیا کے مزار کے قریب اپنے خسر نواب الٰہی بخش خاں کے پہلو میں دفن ہوئے۔

تاریخ وفات : کئی تاریخیں کہی گئیں۔ مشہور تاریخ ”آہ غالبؔ بمرد“ جس میں دس بارہ آدمیوں کو توارد ہوا۔ قطعات کے علاوہ حالیؔ، مجروحؔ، تفتہؔ، اور سالکؔ نے اُردو اور فارسی میں غالبؔ پر مرثیہ لکھے۔

جدول

دیوان نعت و منقبت

کل اشعار دیوان نعت و منقبت

(2888)

کل اشعار دیوان نعت و منقبت (فارسی)

(2649)

کل اشعار دیوان نعت منقبت (اُردو)

(239)

جدول دیوانِ نعت و منقبت

شمارہ	موضوع صنف	زبان	ہیئت	در حال	مطلع	تعداد شعر	ملاحظات
1	حمد	فارسی	قصیدہ	باری تعالٰی	ای زوہم غیر غوغا در جہاں انداختہ گفتہ خود حرفی وخود را در گماں انداختہ	52	
2	حمد	فارسی	مثنوی	باری تعالٰی	سپاسی کز و نامہ نامی شود سخن در گزارش گرامی شود	114	مثنوی ابر گہربار کا دیباچہ ہے
3	مناجات	فارسی	مثنوی	باری تعالٰی	خدایا زبانی کہ بخشیدۂ بہ نیروئے جائیکہ بخشیدۂ	101	مثنوی ابر گہربار کا حصہ ہے
4	مناجات	فارسی	غزل	چودہ معصومینؑ	بہر ترویج نبیؐ حاکم ادیان و ملل کار فرمای نبوت ابداً ھم ز ازل	20	غالبؔ نے چودہ معصومینؑ کا نام لے کر مناجات کی اور اس کا نام فاتحہ کہا
5	مناجات	فارسی	غزل	چودہ معصومینؑ	بہر ترویج جناب ولی یوم الحساب ضامن تعمیر شارستان ولہای خراب	67	غالبؔ نے چودہ معصومینؑ کا نام لے کر مناجات کی اور اس کا نام فاتحہ کہا
6	نعت	فارسی	قصیدہ	حضور اکرم	آن بلبلم کہ در چمنستانِ شاخسار بود آشیان من شکن طرۂ بہار	101	
7	نعت	فارسی	قصیدہ	حضور اکرم	مرا طلیست بہ پس کوچۂ گرفتاری کشادہ روی ترا ز شاہدان بازاری	65	
8	نعت	فارسی	قصیدہ	حضور اکرم	کیستم تا بخروش آوردم بی ادبی قدسیاں پیش تو در موقف حاجت طلبی	16	خمسہ بر غزل قدسی

شمارہ	موضوع صنف	زبان	ہیئت	درحال	مطلع	تعداد شعر	ملاحظات
9	نعت	فارسی	غزل	حضورؐ اکرم	حق جلوہ گر ز طرز بیان محمدؐ ست ارے کلام حق بہ زبان محمدؐ ست	9	
10	نعت	فارسی	مثنوی	حضورؐ اکرم	بنام ایزد اے کلک قدسی صریر بہر جنبش از غیب نیرو پذیر	57	مثنوی ابر گہر بار کا حصہ ہے
11	نعت	فارسی	مثنوی	حضورؐ اکرم بیان معراج	ہمانا در اندیشۂ روزگار شبے بود سر جوش لیل و نہار	281	مثنوی ابر گہر بار کا حصہ ہے
12	نعت	فارسی	رباعی	حضورؐ اکرم	ع۔ شب چست سویدای دل اہل کمال	2	
13	نعت	فارسی	قطعہ	حضورؐ اکرم	ع۔ سہ تن ز پیمبران مرسل	2	
14	نعت	فارسی	قطعہ	حضورؐ اکرم	تا بود چار عید در عالم	2	
15	نعت	اُردو	فردیات	حضورؐ اکرم	اُرکاست میں ہے مثل ہیرے ہیں کیوں کام ہند واسطے جس شہؐ کے غالب گنبد بے در کھلا	5	
16	نعت بشمول منقبت	فارسی	قصیدہ	حضورؐ اکرم حضرت علیؑ	چون تازہ کنم در سخن آئین بیاں را آواز دھم شیوہ ربا ھم نفساں را	55	
17	نعت و منقبت	فارسی	مثنوی	حضورؐ اکرم حضرت علیؑ	بعد حمد ایزد و نعت رسولؐ می نگارم نکتۂ چند از اصول	129	
18	منقبت	فارسی	قصیدہ	حضرت علیؑ	خواھم کہ ھمچو نالہ ز دل سر بر آورم دود از خود و شرارہ ز آذر بر آورم	59	
19	منقبت	فارسی	قصیدہ	حضرت علیؑ	دوش آمد و بوسہ لبم بر دھان نہاد راز دھان خویش بلب درمیان نہاد	72	
20	منقبت	فارسی	قصیدہ	حضرت علیؑ	صبحی کہ در ھوای پرستاری وثن جنبد کلید بتکدہ در دست برھمن	45	
21	منقبت	فارسی	قصیدہ	حضرت علیؑ	نازم بہ گراں مایگی دل کہ ز سودا ھر قطرۂ خون یافتہ پرواز سویدا	110	

شمارہ	موضوع صنف	زبان	ہیئت	درحال	مطلع	تعداد شعر	ملاحقات
22	منقبت	فارسی	ترکیب بند	حضرت علیؑ	آں سحر خیزم کہ مہ را در شبستان دیدہ ام شب نشیناں را دریں گرد نہ پایان دیدہ ام	90	
23	منقبت	فارسی	مخمس	حضرت علیؑ	در مہد دستبرد بہ اژدر کند علی رفع نزاع باز و کبوتر کند علی	18	خمسہ بر غزل مولانا رومؔ
24	منقبت	فارسی	مثنوی	حضرت علیؑ	ہزار آفریں بر من و دینِ من کہ منعم پرستیست آئینِ من	128	مثنوی ابر گہر بار کا حصّہ ہے
25	قصیدہ	اُردو	قصیدہ	حضرت علیؑ	ساز یک ذرّہ نہیں فیضِ چمن سے بیکار سایۂ لالۂ بے داغ سویدائے بہار	110	
26	قصیدہ	اُردو	قصیدہ	حضرت علیؑ	دہر جز جلوۂ یکتائی معشوق نہیں ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خودبیں	67	
27	منقبت	فارسی	قصیدہ	امام حسینؑ	نگر مرا دل کافر بود شب میلاد کہ ظلمتش دھد از گوہل عصیاں باد	112	
28	منقبت	فارسی	قصیدہ	امام حسینؑ	ابر اشکبار و ما خجل از ناگریستن دارد تفاوت آب شدن تا گریستن	63	
29	قصیدہ	فارسی	قصیدہ	امام حسینؑ	بیا در کربلا تا آن ستم کش کارواں بینی کہ در وی آدمؑ آل عبا را ساربان بینی	62	
30	منقبت	فارسی	قصیدہ	امام مھدیؑ	ھست از تمیز گر بہ ھما استخوان دھد آئین دھر نیست کہ کس رائیاں دھد	77	
31	منقبت	فارسی	قصیدہ	حضرت عباسؑ	آوارۂ غربت نتواں دید صنم را خواہم کہ دگر بت کدہ سازند حرم را	50	
32	منقبت	فارسی	فردیات	حضرت علیؑ	منصور فرقۂ علی اللھیاں منم آوازہ ای انا اسد اللہ در افگنم	24	

شمارہ	موضوع صنف	زبان	ہیئت	درحال	مطلع	تعداد شعر	ملاحظات
33	منقبت	اُردو	فردیات	حضرت علیؑ	غالب ندیم دوست سے آتی ہے بوئے دوست مشغول حق ہوں بندگی بوترابؑ میں	20	
34	منقبت	فارسی	رباعی	حضرت علیؑ	ع۔ شرطیست کہ بہر ضبط آداب و رسوم	2	
35	منقبت	فارسی	رباعی	حضرت علیؑ	ع۔ بردل از دیدہ فتح بابیست ایں خواب	2	
36	منقبت	اُردو	قطعہ	معصومینؑ	فکر تاریخ سال میں مجھ کو	7	یہ غالبؔ نے تاریخ کہی
37	مرثیہ	فارسی	ترکیب بند	امام رضاؑ و سید العلما	زین خرابی کہ در جہان افتاد بگزر از خاک کاسمان افتاد	84	☆
38	ترجمہ دعای صباح	فارسی	مثنوی	دعاے حضرت علیؑ	ای خدا اے داورا کو برکشاد از درخشیدن زبان بامداد	120	غالبؔ نے منظوم ترجمہ حضرت علیؑ کی مشہور دعا صباح کا کیا
39	ترجمہ دعای امام سجادؑ	فارسی	غزل	دعا امام سجادؑ	یا الٰہی قلب من محجوب و تنگ عقل من مغلوب و نفس من چنگ		امام زین العابدینؑ کی دعا کا فارسی ترجمہ
40	مرثیہ	اُردو	مسدس	امام حسینؑ	ع۔ ہاں اے نفس باد سحر شعلہ فشاں ہو	9	
41	سلام	اُردو	غزل	امام حسینؑ	سلام اُسے کہ اگر بادشاہ کہیں اس کو تو پھر کہیں کہ کچھ اس کے سوا کہیں اس کو	21	
42	نوحہ	فارسی	غزل	امام حسینؑ	ای کج اندیشہ فلک حرمت دین بایستی علم شاہ نگوں شد نہ چنین بایستی	12	

☆ غالبؔ نے یہ مرثیہ سید العلما سید حسین فرزند سید دلدار علی غفران مآب کے انتقال پر لکھا اور تاریخ کہی۔ مرحوم نے 18 صفر کو انتقال کیا جو امام رضاؑ کی شہادت کی تاریخ ہے تو اس نسبت سے امام رضاؑ کا مرثیہ بھی لکھا

شمارہ	موضوع صنف	زبان	ہیئت	درحال	مطلع	تعداد شعر	ملاحظات
43	نوحہ	فارسی	غزل	آلِ عباؑ	شد صبح بدان شور کہ آفاق بہم زد ماناکہ ز خون ریزئی فاطمہؑ دم زد	11	
44	نوحہ	فارسی	غزل	امام حسینؑ	سرو چمن سروری افتاد ز پا ھای شد غرقہ بخون پیکر شاہ شہدا ھای	14	
45	نوحہ	فارسی	غزل	آلِ عباؑ	ای فلک شرم از ستم بر خاندان مصطفیؐ داشتی زین پیش سر بر آستان مصطفیؐ	11	
46	نوحہ	فارسی	غزل	شہدائے کربلا	وقتیست کہ در پیچ و خم نوحہ سرائی سوز و نفس نوحہ گر از تلخ نوائی	14	
47	حمد	فارسی	مثنوی	باری تعالیٰ	حکایت۔ شنیدم کہ شاہی دریں دیر تنگ ز پہلو بروں راند لشکر بجنگ (145) شعر	441	حکایت، مغنی نامہ اور ساقی نامہ نامکمل مثنوی ابر گہر بار کے حصے ہیں جن کو علیحدہ خانوں میں مشکل سے تقسیم کیا جا سکتا ہے
48	نعت	فارسی	مثنوی	حضورؐ اکرم	مغنی نامہ۔ مغنی دگر زخمہ بر تار زن گل از نغمۂ تر بدستار زن (140) شعر		
49	منقبت	فارسی	مثنوی	حضرت علیؑ	ساقی نامہ۔ بیا ساقی آئین جم تازہ کن طراز بساط کرم تازہ کن (156) شعر		

جدول دیوان نعت و منقبت

شمارہ	صنف	تعداد	تعداد شعر
1	حمد	2	166
2	مناجات	3	166
3	نعت	5	248
4	معراج نامہ	1	281
5	نعتیہ رباعی	1	2
6	نعتیہ قطعہ	2	4
7	نعتیہ اُردو مفرد اشعار	5	5
8	نعت و منقبت امام علیؑ	2	184
9	منقبت امام علیؑ فارسی	7	522
10	منقبت امام علیؑ اُردو	2	177
11	منقبت امام حسینؑ فارسی	3	237
12	منقبت امام مہدیؑ فارسی	1	77
13	منقبت حضرت عباسؑ فارسی	1	50
14	منقبتی فارسی مفرد اشعار	24	24
15	منقبتی اُردو مفرد اشعار	20	20
16	منقبتی رباعیات فارسی	2	4
17	منقبتی قطعہ اُردو	1	7
18	مرثیہ امام رضاؑ اور سید العلما	1	84
19	دعای صباح (ترجمہ)	1	120
20	دعای امام زین العابدینؑ (ترجمہ)	1	7
21	مرثیہ اُردو	1	9
22	سلام اُردو	1	21
23	نوحے فارسی	5	62
24	مثنوی ابرِ گہربار (حکایت)	1	145
25	مثنوی ابرِ گہربار (مغنی نامہ)	1	140
26	مثنوی ابرِ گہربار (ساقی نامہ)	1	156

جدول دیوان نعت و منقبت

کُل حمدیں = 2

کُل مناجاتیں = 3

کُل نعتیں = 8

کُل نعتیہ رباعیات = 1

کُل نعتیہ قطعات = 2

کُل نعتیہ مفرد اشعار = 5

کُل منقبتیں = 16

کُل منقبتی رباعیات = 2

کُل منقبتی قطعات = 1

کُل منقبتی مفرد اشعار = 44

کُل مرثیے = 2

کُل سلام = 1

کُل نوحے = 5

دعای صباح = 1

دعای امام زین العابدینؑ = 1

مثنوی ابرِ گہربار (حکایت) = 1

مثنوی ابرِ گہربار (مغنّی نامہ) = 1

مثنوی ابرِ گہربار (ساقی نامہ) = 1

کُل اشعار دیوان نعت و منقبت = 2888

غالبؔ اور ذوقؔ

(ادبی معرکہ یا ادبی مغالطہ)

اسے بھی زمانے کی ستم ظریفی ہی کہیے کہ گزشتہ ڈیڑھ سو سال سے اردو شاعری میں غالبؔ اور ذوقؔ کا موازنہ کیا جاتا ہے، یعنی ذوقؔ کو غالبؔ کے مقابل میں کھڑا کیا جاتا ہے اور غالبؔ و ذوقؔ کی باہمی چشمک، جو ہم عصر اور درباری اُردو شاعر ہونے کی وجہ سے پیدا ہوئی، اس کو دو عظیم شاعروں کی معرکہ آرائی سے موسوم کیا جاتا ہے۔ سوداؔ اور ضاحکؔ، انشاؔ اور مصحفیؔ، ناسخؔ اور آتشؔ، انیسؔ و دبیرؔ کی ادبی معرکہ آرائیاں مشہور ہیں اور ان کا موازنہ بڑی حد تک صحیح ہے کیونکہ یہ مقابلی شعرا ادبی میدان پر آج بھی ایک دوسرے کے ہم پلّہ اور ہم وزن نظر آتے ہیں۔ ذوقؔ کا کسی حد تک موازنہ ان کے استاد شاہ نصیرؔ سے تو کیا جا سکتا ہے لیکن غالبؔ سے ان کا موازنہ ایک وقتی ادبی سیاست اور بدعت، ادبی سنت میں تبدیل ہو گئی اور آج اس سے انکار، ادبی شریعت سے بغاوت تصور کیا جاتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میاں ابراہیم ذوقؔ اردو ادب کے اچھے شاعروں میں تھے جیسا کہ انھوں نے خود دعویٰ کیا تھا: ع۔ ہر فن میں ہوں طاق مجھے کیا نہیں آتا...... یقیناً بہادر شاہ ظفرؔ کے چار دیوانوں میں سے تین دیوانوں پر استاد ذوقؔ کا اثر اس قدر شدید ہے کہ بعض اوقات پڑھنے والے کو ذوقؔ کے کلام کا گمان ہونے لگتا ہے۔ قصیدہ نگاری میں مرزا سوداؔ کے بعد انھوں نے خاص مقام تو پیدا کیا لیکن غزل گوئی میں وہ کمال پیدا نہ کر سکے۔ مرحوم نیاز فتح پوری "دلّی اسکول کے چار شاعر" میں لکھتے ہیں : "ایسا نہیں کہ ذوقؔ نے غزلیں نہ کہی ہوں، کہیں اور بہت کہیں، لیکن معیاری غزل ان کے یہاں نہ ہونے کے برابر ہے۔ میرؔ کا انداز تو انھیں کیا نصیب ہوتا، میرؔ کے شاگردوں کی بھی ہمسری حاصل نہ ہو سکی۔"

غالبؔ اور ذوقؔ کا موازنہ حقیقت میں : ع۔ چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک کا مصداق بن جاتا ہے مزے کی بات یہ ہے کہ اس معرکہ میں غالبؔ کو حملہ آور اور فتنہ گر بتا کر ذوقؔ کو مظلوم اور متین دکھایا جاتا ہے۔ غالبؔ نابغہ روزگار، یکتائے فن، فریدِ عصر اور پیغمبرِ سخن تھے۔ خدائے سخن میر تقی میرؔ کے بعد وہ ملک سخن کے بے تاج بادشاہ تھے، چنانچہ ذوقؔ کا ملک الشعرا کا خطاب، خاقانیِ ہند کا لقب، شاعروں اور مشاعروں میں آؤ بھگت، قلعہ کے شہزادوں میں عزت، دربار میں استادی کا شرف اور دہلی کے گلی کوچوں میں استادِ ظفرؔ ہونے کی سعادت و معرفت، جو حقیقت میں غالبؔ کا حق تھا، اسے غالبؔ اپنی حق تلفی تصور کرتے تھے اور دربار میں رسائی کی رکاوٹ کو ذوقؔ کی

سیاست سمجھتے تھے۔ چونکہ غالبؔ ایک حساس عظیم آرٹسٹ تھے اس لیے ان زیادتیوں کا اظہار اپنی باریک بینی اور ندرت بیانی سے کبھی کبھار کردیتے۔ کیونکہ غالبؔ یک وتنہا تھے۔ ایک عصا پکڑ کر چلتے تھے جس پر بھی لوگوں نے اعتراض کیا تھا۔ غالبؔ کے ساتھ نہ شاہ تھا، نہ قلعہ اور نہ دربار، نہ شہزادے اور نہ ان شہزادوں کے ہوادار شودے اور شعبدہ باز جو دلّی کے کوچے گلیوں میں خبر رسانی اور سماجی ہراسانی میں مصروف تھے۔ حضرت ذوقؔ بڑی ہوشیاری سے پشت پردہ یہ تمام کام اپنے حاشیے سے لیا کرتے تھے اور غالبؔ زمانے کی نگاہ میں اس شعر کے معنی بن چکے تھے:

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

قدیم کہاوت ہے کہ مرنے والے کو نیک کام، عمدہ کتاب یا ایک اچھا فرزند ہمیشہ کے لئے زندہ کردیتا ہے لیکن محمد حسین آزادؔ کی وجہ سے اس کہاوت میں ایک اچھے شاگرد کا بھی اضافہ ہوگیا یعنی ایک اچھا مخلص شاگرد استاد کو زندگیِ جاودانہ دے سکتا ہے۔ ذوقؔ کے اکلوتے فرزند مرحوم خلیفہ اسماعیل وہ کام نہ کرسکے جو محمد حسین آزادؔ کرگئے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر محمد حسین آزادؔ نہ ہوتے تو آج ذوقؔ گمنام ہوکر بہادر شاہ ظفرؔ اور قلعہ کے شہزادوں کی بیاضوں میں بکھرے رہتے۔ غالبؔ کو حالیؔ ملے وہ بھی حالیؔ تھے اور انھوں نے بڑے نازک مقامات پر ہوشیاری کے ساتھ اپنے شانے خالی کیے۔ وہ اگرچہ گلشنِ غالبؔ کے مالی بن کر اپنے گلدستہ کو سجاتے رہے اور ''یادگارِ غالبؔ'' لکھ کر یادگارِ روزگار ہوگئے لیکن آزادؔ کی طرح پرواز نہ کرسکے۔ محمد حسین آزادؔ جن کے بارے میں شبلی نعمانی نے لکھا ہے کہ ''اگر وہ گپ بھی ہانک دے تو وحی معلوم ہوتی ہے''، اس آزادؔ نے ''دیوانِ ذوقؔ'' کو مقدمہ کے ساتھ مرتب کرنے کے علاوہ اپنی شاہکار تصنیف ''آبِ حیات'' میں باسٹھ (62) صفحات اپنے استاد بزرگوار پر تزئین کیے جب کہ خدائے سخن میر تقی میرؔ پر اٹھائیس (28)، مرزا غالبؔ پر سینتیس (37) اور میر انیسؔ پر صرف آٹھ صفحات سیاہ کیے۔ ''آبِ حیات'' میں ذوقؔ کی غزلوں کو آبِ حیات پلانے کی ناکام کوشش بھی کی گئی۔ ذوقؔ پر اردو نظم کا خاتمہ کیا کیونکہ ان کو ہرگز امید نہیں تھی کہ ایسا قادرِ کلام پھر ہندوستان میں پیدا ہوگا۔ استاد نصیرؔ کو شاگرد ذوقؔ سے حسد اور رشک کرتے ہوئے بتایا گیا۔ ذوقؔ کے حافظہ کو اس قدر قوی بتایا کہ انھیں وہ واقعات بھی یاد تھے جب کہ ان کی عمر ایک سال سے بھی کم تھی۔ پہلے دو شعر، جو حمد اور نعت کے ان کے دہن سے نکلے، وہ بالکل موزوں تھے۔ مومن خان مومنؔ سے تو ایک فی البدیہہ تاریخ منسوب ہے، لیکن آزادؔ نے استاد ذوقؔ سے کم از کم تین تاریخیں منسوب کیں۔ ذوقؔ کو کہیں صاحب نظر مؤرخ، کہیں تفسیر کبیر کا مفسّر، کبھی شیخ شبلی، کبھی بزید بسطامی،

کبھی ابوسعید ابوالخیر تو کہیں محی الدین عربی قلمبند کیا۔ " خاقانی ہند" کو خاقانی شیروان سے دو چند بتایا اور یہ بھی لکھا کہ استاد نے قصیدہ کو ایسی اونچی محراب پر سجایا کہ کسی کا ہاتھ اس تک نہیں پہنچا۔ بہر حال، شاگرد ہو تو ایسا جسے استاد کے منہ پر چیچک کے داغ بھی چمکدار، خوبصورت اور بھلے معلوم ہوتے ہوں۔ انھی کرشموں اور تعریفوں کو پڑھ کر نیاز فتح پوری نے کہا : " ذوقؔ کی شاعری ایک ایسا سیلاب تھا جو خس و خاشاک کا بڑا ڈھیر اپنے ساتھ لایا۔ پھر آزاد نے غوطہ لگا کر موتی ڈھونڈنے کی بھی کوشش کی لیکن وہاں تھا کیا جو ہاتھ آتا۔ جسے آزاد نے موتی سمجھا، وہ بھی خزف ریزہ ہی نکلا۔"

" ذوقؔ کے مداحین کی طرف سے ایک واقعہ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ جب غالبؔ نے ذوقؔ کا یہ شعر سنا :

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مرجائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

تو اپنا سارا دیوان اس شعر کے عوض دینے پر آمادہ ہو گئے، لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ غالبؔ کی غلط بخشی تھی ورنہ خود غالبؔ کے یہاں نہ جانے کتنے ایسے اشعار پائے جاتے ہیں جن میں ایک شعر ذوقؔ کے دیوان پر بھاری ہے۔"

غالبؔ کے شاگرد حالیؔ نے " یادگارِ غالبؔ" میں لکھا کہ شیخ ابراہیم ذوقؔ کی نسبت مشہور ہے کہ مرزا کو ان سے چشمک تھی۔" جب کہ صحیح بات یہ ہے کہ ذوقؔ اور غالبؔ میں باہمی معاصرانہ چشمک تھی۔ غالبؔ نے تمام زندگی بھر ذوقؔ کی طرح کسی کی ہجو میں ایک شعر بھی نہیں لکھا۔ یہ کہنا بھی غلط ہے کہ معاندانہ جذبات کی شدت غالبؔ میں تھی جب کہ ذوقؔ کے پاس یہ جذبہ کم تھا۔ ذوقؔ صرف اردو کے شاعر تھے لیکن غالبؔ فارسی اور اردو کے عظیم شاعر تھے۔ ان کا فارسی دیوان، جو اُردو دیوان سے چو گنا بڑا ہے، آج ہمارے دعویٰ کا زندہ ثبوت ہے۔ مشہور ہے کہ غالبؔ نے ایک اٹھارہ انیس اشعار کا فارسی قطعہ لکھا جس میں طنز اور اشارہ ذوقؔ پر کیا گیا۔ اس کے دو شعر اس طرح ہیں :

فارسی بیں تا بہ بینی نقش ہائے رنگ رنگ
بگزر از مجموعۂ اردو کہ بے رنگ من است
راست می گویم من و از راست سرنتوان کشید
ہرچہ در گفتار فخر تست آن ننگ من است

(ترجمہ......میری شاعری کے رنگ برنگ نقش دیکھنے کے لئے میرا فارسی کلام دیکھ! میرا اُردو کلام اس کے سامنے بے رنگ ہے۔ مجھے یہ حق بات کہتے ہوئے کوئی جھجک نہیں کہ جن چیزوں پر تجھے فخر ہے، وہ میرے لئے باعث

تنگ ہیں)۔

پروفیسر احتشام نے اپنے مضمون ذوقؔ وغالبؔ میں صحیح لکھا ہے کہ ''شعر احساس ہوتے ہیں۔ اگر انھیں ایک دوسرے سے شکایت ہو تو تعجب نہ ہونا چاہئے۔ ذوقؔ کے مرید اور شاگرد، غالبؔ کو جا بہ جا اعتراضات کا نشانہ بنایا کرتے تھے۔ معمولی معاصرانہ چشمک اور مسابقت کے جذبے کو ہوا دینے اور چنگاری بڑھا کر شعلے بنانے میں دربار کا ہاتھ زیادہ تھا۔ ذوقؔ ایک معمولی سپاہی کے اکلوتے بیٹے تھے جنھیں میر کاظم حسین بے قرارؔ نے پہلے شاہ نصیرؔ کی شاگردی اور پھر شاہ ظفرؔ کی استادی پر معمور کیا تھا۔ فلسفۂ تصوف اور حالاتِ حاضرہ سے بے خبر 19 سالہ ملک الشعرا قلعہ کی رنگ رنگیلیوں میں مشغول تھے اور بقول آزادؔ 36 برس کی عمر میں جملہ مہنیات سے توبہ کر لی اور اس کی تاریخ بھی کہی : ع۔ اے ذوقؔ! بگو سہ بار توبہ۔ اس زمانے ولی عہد، جو آگے چل کر بہادر شاہ ظفرؔ ہوئے، ان کے استاد ہوئے اور ماہانہ چار روپے تنخواہ مقرر ہوئی۔ ذوقؔ نے کبھی شہزادوں اور قلعہ کی حماقتوں کی تنقید نہ کی بلکہ ان کی عشقیہ شاعری، جو چوما چاٹی سے لبریز تھی، اس کے دست و بازو بنے رہے اور خود بھی اسی رنگ میں شعر کہنے لگے :

ماتھے پر ترے جھکے ہے جھومر کا پڑا چاند

لا بوسہ ، چڑھے چاند کا وعدہ تھا ، چڑھا چاند

اس کے برخلاف غالبؔ کا خاندان شاہی جاہ و منصب سے ہمیشہ سرفراز رہا۔ شمشیر کی جگہ جب قلم نے لی تو علم اور فضیلت کے میدان کے شہسوار بنے، اس لئے اس زمانے کے کئی مشہور عالم اور فاضل، جن میں فضل حق خیر آبادی، مولوی عبد القادر، مجتہد سید محمد، آرزدہؔ قابلِ ذکر ہیں، ان کے حلقۂ احباب میں شامل تھے۔ غالبؔ کو شعوری طور پر اپنے کمالِ فن کا شدت کے ساتھ احساس تھا، اسی لئے زمانے کی ناشناسی کا گلہ کرتے رہے۔ غالبؔ کی شاعری چونکہ اس دور اور اس ماحول میں ایک نیا تجربہ تھا اور وہ قدیم اور قدامت پسندی کے خلاف تھے، اس لئے اس ماحول میں اجنبی جانے گئے۔ چنانچہ نواب لوہارو مرزا علاؤالدین کو لکھا: ''مجھے اپنے ایمان کی قسم! میں نے اپنی نظم ونثر کی داد باندازہ بائیت نہیں پائی۔ آپ ہی کہا اور آپ ہی سمجھا''۔

پرانے استادوں کی زمینوں میں کشت کاری اور گلکاری ذوقؔ کا شوقین مشغلہ تھا، اس لئے غالبؔ نے کہا تھا :

تیشے بغیر مر نہ سکا کوہکن ، اسدؔ

سرگشتۂ خمارِ رسوم و قیود تھا

ہیں اہلِ خرد کس روشِ خاص پہ نازاں
پابستگیِ رسم و رہِ عام بہت ہے

اور کبھی اپنی تعلّی اور داخلی کیفیت کو یوں نبھایا :

طرزِ بیدلؔ میں ریختہ کہنا
اسد اللہ خاں قیامت ہے

مشکل ہے ز بس کلام میرا اے دل
سُن سُن کے اسے سخنورانِ کامل
آسان کہنے کی کرتے ہیں فرمائش
گویم مشکل و گر نہ گویم مشکل

غالبؔ کی مشکل اور معنی آفرین کلام کا مذاق اڑانا عام تھا۔ ان کی شاعری کو ''ڈیڑھ جز'' کی شاعری کہا جاتا اور ان میں درباری کی سیاسی چالیں شامل تھیں، جس کا اثر یہ ہوا کہ اس زمانے کے عالم اور فاضل افراد بھی غالبؔ کی مشکل گوئی کا مذاق اڑانا جائز سمجھتے تھے، چنانچہ اس سے بڑھ کر کیا کفرانِ سخن ہو کہ کسی فاضل سن رسیدہ دوست نے غالبؔ کے سامنے مہمل مصرعوں کو موزوں کر کے ان کے دیوان سے بتایا کر اس کا مذاق اڑانا چاہا۔ وہ شعر یہ ہے:

پہلے تو روغنِ گل بھینس کے انڈے سے نکال
پھر دوا جتنی ہے کل بھینس کے انڈے سے نکال

اسی دور کے کسی نامور شاعر نے غالبؔ پر طنز یہ لکھا :

ڈیڑھ جز پر بھی تو ہے مطلع و مقطع غائب
غالبؔ آسان نہیں صاحبِ دیواں ہونا

ذوقؔ کے دوست اور دربار شاہی سے وابستہ حکیم آغا جان عیشؔ نے بھی بھری محفل میں غالبؔ کی ادق بیانی کا مذاق اڑایا۔ یہاں زبانِ مرزا سے مراد میرزا سوداؔ اور ان کے قصیدوں کا تتبع کرنے والے ذوقؔ ہیں :

اگر اپنا کہا تم آپ ہی سمجھے تو کیا سمجھے
مزا کہنے کا جب ہے اک کہے اور دوسرا سمجھے
کلامِ میر سمجھے اور زبانِ میرزا سمجھے
مگر ان کا کہا یہ آپ سمجھے یا خدا سمجھے

یہ طنز و مزاح کے سامان بیشتر ذوقؔ کے حامیوں کی جانب سے غالبؔ کے لئے فراہم کیے جاتے تھے اور بعض اوقات خود حضرت ذوقؔ محرمانہ مسائل چھیڑ دیتے۔ اسی طرح کا ایک واقعہ ''لطائفِ شعرا'' میں مفتی انتظام اللہ نے لکھا ہے کہ ذوقؔ نے شہزادہ عالی کو مخاطب کر کے ایک نجی محفل میں یہ مقطع پڑھا، جس کو بعد میں محفل کے ایک شخص نے غالبؔ تک پہنچادیا :

سمجھ ہی میں آتی ہے کوئی بات ذوقؔ اس کی
کوئی جانے تو کیا جانے کوئی سمجھے تو کیا سمجھے

بات صرف یہاں تک نہیں رکی بلکہ اس دور کے مزاح گو شاعر عبدالرحمان، جو ہدہدؔ تخلص کرتے تھے اور جن کو بہادر شاہ ظفر نے طائر الاراکین، شہپر الملک، ہدہد الشعرا، منقار جنگ بہادر کے خطابات عطا ہوئے اور ماہانہ سات روپے مقرری دی گئی، انھوں نے بھی لوگوں کو ہنسانے کے لئے غالبؔ کے انداز پر مطلع کہا :

مرکز محور گردوں پہ لب آب نہیں
ناخن قوس و قزح شبہ مضراب نہیں

غالبؔ اس غم کو غلط کرنے اور کبھی لوگوں کو سمجھانے کے لئے کہہ دیتے :

سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپاہ گری
کچھ شاعری ہی ذریعۂ عزت نہیں مجھے

اور کبھی ذوقؔ پر یوں چوٹ کس دیتے :

بنا ہے شہ کا مصاحب ، پھرا ہے اتراتا
وگرنہ شہر میں غالبؔ کی آبرو کیا ہے

غالبیات سے واقف حضرات یہ جانتے ہیں کہ غالبؔ، میر تقی میرؔ کا بڑا احترام کرتے اور ان کے کلام کو مصحفِ

شاعری سمجھتے تھے :

غالبؔ! اپنا یہ عقیدہ ہے بقولِ ناسخؔ
آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ میرؔ نہیں

لیکن ذوقؔ میر کی زمینوں میں غالبؔ کی کوشش کو سعیِ بیہودہ سمجھتے تھے کیونکہ خود بری طرح اس تجربہ میں ناکام ہو چکے تھے، اسی لئے غالبؔ پر طنز کیا تھا :

نہ ہوا پر نہ ہوا میرؔ کا انداز نصیب
ذوقؔ ! یاروں نے بڑا زور غزل میں مارا

جب دربار میں غالبؔ نے شاہ ظفر کے سامنے یہ مقطع پڑھا :

یہ مسائلِ تصوف ، یہ ترا بیان غالبؔ
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

تو فوراً بہادر شاہ ظفر نے مسکرا کر کہا: اس وقت بھی ہم ایسا نہیں سمجھتے۔ اگرچہ محفل میں غالبؔ نے اس بات پر بات بنا کر اچھی طرح نبھایا اور پھر اپنے دعویٰ کا اظہار کیا لیکن بہر حال ذوقؔ نے غزل کے مقطع میں غالبؔ پر نیش زنی کی:

اے ذوقؔ ! بس نہ آپ کو صوفی جتائیے
معلوم ہے حقیقت ہُو حق جناب کی

پروفیسر احتشام حسین نے ان اشعار کی چوٹ غالبؔ پر بتائی ہے۔

1850ء میں جب بہادر شاہ ظفر کے مرشد کالے شاہ صاحب کی سفارش سے غالبؔ کی شاہی دربار میں رفت و آمد شروع ہوگئی انھیں تاریخ شاہانِ تیموری ''مہر نیمروز'' لکھنے کا موقع ملا اور ولی عہد شہزادہ فتح الملک کے استاد ہوئے تو ذوقؔ اور ان کے احباب کے حلقہ کو ناگوار گزرا کیونکہ بقول مؤلفِ ''غالب'' شیخ محمد اکرام: ذوقؔ اور ان کے معاونین مرزا کی کوششوں میں روڑے اٹکاتے تھے اور شاہی دربار میں غالبؔ کی رسائی کے حق میں نہیں تھے۔ دربار میں لوگ بادشاہ کا دل ان کی طرف سے مکدّر کیے ہوئے تھے۔ بہر حال، انھی دنوں، یعنی دسمبر **1851**ء میں مشہور ''سہرا'' کا واقعہ پیش آیا جب بہادر شاہ ظفر کی ملکہ زینت محل نے غالبؔ سے مرزا جوان بخت کی شادی پر سہرا لکھنے کی فرمائش کی تو غالبؔ نے **12** شعر کا خوبصورت سہرا لکھا اور اس کے مقطع میں تعلّی اور طنز سے کام لیا :

ہم سخن فہم ہیں غالبؔ کے طرفدار نہیں

دیکھیں اس سہرے سے کہدے کوئی بہتر سہرا

دربار اور قلعہ میں اس مقطع پر چوٹ اور چیلنج تصور کیا گیا، چنانچہ بہادرہ شاہ ظفرؔ نے استاد ذوقؔ سے کہا: مقطع پر نظر رکھتے ہوئے تم بھی ایک سہرا کہہ دو۔ ذوقؔ نے پندرہ اشعار کا سہرا لکھا اور مقطع میں غالبؔ کا جواب یوں دیا:

جس کو دعویٰ ہے سخن کا، یہ سنا دے اس کو

دیکھ! اس طرح سے کہتے ہیں سخن ور سہرا

دلّی کے گلی کوچوں میں دونوں سہروں کے شعر زبان زدِ عام ہوگئے۔ یہاں غالبؔ کا مقابلہ ظاہری طور پر ذوقؔ سے تھا لیکن پشت پردہ بہادر شاہ ظفرؔ تھے۔ عام لوگ اس کو غالبؔ کی زیادتی سمجھ رہے تھے چنانچہ حالات کو سازگار بنانے کے لئے غالبؔ نے بارہ شعر کا ایک قطعہ لکھا جس میں اپنی بات چیت کو کنایہ، رمز، ایما اور اشارے مین پیش کیا۔ عام قاری کے ذہن اس قطعہ کو غالبؔ کا معذرت نامہ خیال کرنے لگے لیکن بقولِ احتشام حسین ''یہ قطعہ غالبؔ کی قادر الکلامی، ذہانت اور معاملہ فہمی کا نادر نمونہ ہے۔ اس کا ہر شعر معنویت کا خزانہ اور ندرتِ ادا کا معجزہ ہے۔ یہ ایک نازک ترین مقام تھا جس میں خودداری اور مصلحت کی جنگ تھی اور غالبؔ اس سے بڑی خوبی سے عہدہ برآ ہوئے۔ اس قطعہ کے چند اشعار یہ ہیں :

استادِ شہ سے ہو مجھے پرخاش کا خیال

یہ تاب ، یہ مجال ، یہ طاقت نہیں مجھے

مقطع میں آ پڑی ہے سخن گسترانہ بات

مقصود اس سے قطعِ محبت نہیں مجھے

روئے سخن کسی کی طرف ہو تو روسیاہ

سودا نہیں ، جنوں نہیں ، وحشت نہیں مجھے

صادق ہوں اپنے قول میں غالبؔ ! خدا گواہ

کہتا ہوں کہ سچ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

واقعات یہ بتاتے ہیں کہ ذوقؔ اور غالبؔ میں کدورت بڑھتی گئی اور اکثر محافل اور مشاعروں میں دونوں کو

ایک مقام پر نہیں دیکھا گیا۔ غالبؔ اگرچہ دربار میں آیا جایا کرتے تھے لیکن وہ جانتے تھے کہ بہادر شاہ ظفرؔ ذوقؔ کے حامی ہیں۔ غالبؔ کو تمام عمر دلی کے دربار اور اس کے ماحول کے شعری مذاق سے گلہ رہا۔ غالبؔ نے ایک قصیدہ، جو بہادر شاہ ظفرؔ کے لئے لکھا تھا، اس میں ہلکے اشارے ذوقؔ پر نظر آتے ہیں۔ وہ یہ ہیں:

نے ہے ترانہ سنج نکیسا نوا بود
نے ہر سخن سرائے بہ سحبانؔ برابرست
نے ہر شتر سوار بہ صالح بود ہماں
نے ہر شباں بہ موسیٰؑ عمراں برابرست
نے ہر گنج یافت ز پرویز گوئی بود
نے ہر کہ باغ ساخت برضواں برابرست

(ترجمہ: ہر نغمہ نگار نکیسا نہیں اور ہر شاعر سحبانؔ کے برابر نہیں۔ ہر خزانہ داد پرویز نہیں اور ہر باغ، جو بنایا جائے، باغِ فردوس نہیں بن سکتا)۔

ان اشعار میں غالبؔ یہ بیان کرنا چاہتے تھے کہ میرے سمندِ تخیل کو دوسری سواریوں کے ساتھ ایک اصطبل میں نہ باندھا جائے، کیونکہ :

ع۔ کہتے ہیں کہ غالبؔ کا ہے انداز بیاں اور

غالبؔ غزل پر غالب ہوتے ہوئے بھی میرؔ سے مغلوب کیوں؟

میرؔ، آتشؔ، ناسخؔ، غالبؔ، اور آبادؔ کی ایک بحر میں ہم قافیہ ردیف غزلوں کا ریویو

ہمارے دور کے مشہور تنقید نگار پروفیسر آل احمد سرورؔ نے اپنے دو شعروں میں غزل کے فن پر بڑے پتہ کی بات کہی ہے :

غزل میں ذات بھی ہے اور کائنات بھی ہے
ہماری بات بھی ہے اور تمہاری بات بھی ہے
سرورؔ! اس کے اشارے داستانوں پر بھی بھاری ہیں
غزل میں جوہر ارباب فن کی آزمایش ہے

غزل جیسی صنفِ سخن، جس کو سخن کا سرتاج بھی کہا جا سکتا ہے، جاذبہ اور دافعہ کی حامل رہی ہے۔ بعض شعرا نے اسے غمِ جاناں اور غمِ دوراں جان کر کبھی دل سے دور نہیں کیا جنھیں یک فنا کہا گیا۔ البتہ غزل گو شعرا کی فہرست طولانی ہے اور بقول فراقؔ گورکھپوری کے تقریباً پچاس معروف غزل گو شعرا اُردو کے گیسوئے غزل کو سنوارتے رہے ہیں، لیکن ولیؔ، میرؔ، سوداؔ، انشاؔ، مصحفیؔ، آتشؔ، ناسخؔ، غالبؔ، جرأتؔ، مومنؔ، ذوقؔ، آبادؔ، مجروحؔ، امیرؔ، داغؔ، عزیزؔ، اکبرؔ، شادؔ، حسرتؔ، فانیؔ، اقبالؔ، یگانہؔ، اصغرؔ، جگرؔ، سیمابؔ، اثرؔ، اور کئی دیگر قابلِ ذکر ہیں۔ دوسری طرف اس کی ساخت، ذات اور ہیئت پر اعتراض کرنے والوں میں وحید الدین سلیم نے کہا کہ غزل کا شاعر قافیہ کا غلام ہوتا ہے۔ وہ خیال کے مطابق قافیہ نہیں لاتا بلکہ قافیہ کے مطابق خیال ڈھونڈتا ہے۔ عظمت اللہ خان نے فتویٰ دیا کہ اُردو شاعری کی ترقی کے لئے غزل کی گردن بے تکلف ماری جائے۔ کلیم الدین احمد نے غزل کو ''نیم وحشیانہ شاعری'' کہا۔ جوشؔ ملیح آبادی نے اس کو اظہارِ بیان کی پابندی کہی اور یہ درس پہلے انھوں نے نظم طباطبائی سے سیکھا۔ حالیؔ نے اس کو بے وقت کی راگنی کہا۔ اگرچہ حالیؔ غزل کے مخالف نہ تھے لیکن غزل میں معاملہ بندی اور اس میں داخل خارجی معاملات کے خلاف احتجاج کرتے تھے۔ میر تقی میرؔ غزل میں روا بعض شعرا کی ''چوما چاٹی'' سے بیزار اور حضرت غالبؔ کو ''تنگنائے غزل'' ناکافی معلوم ہوئی۔ ان تمام مسائل کو رکھتے ہوئے بھی غزل چونکہ رمز و کنایہ، تشبیہات واستعارات، واردات خارجی و داخلی سے لبریز تھی، اس لئے ہر زمان اور مکان میں گلشنِ شاعری کا گلِ

سر سبز بنی رہی، کیوں کہ غزل میں کہی گئی داستان بقولِ سیماب: ع۔ جو سنتا ہے اسی کی داستاں معلوم ہوتی ہے۔

ہم نے اس مضمون میں غالبؔ کی مشہور غزل: ''نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا'' کو منتخب کر کے اسی بحر، ردیف اور قافیہ میں کہی گئی چار متقدمین کی غزلوں سے مقایسہ کیا ہے جو ادب کے طالب علموں کے لئے دلچسپی کا باعث ہوگا۔ غالبؔ کی اس غزل میں، جو ان کے دیوان کی سب سے پہلی غزل قرار دی گئی ہے، صرف پانچ اشعار ہیں جن کے چھ مصرعوں میں قافیے تحریر، تصویر، شیر، شمشیر، تقریر اور زنجیر باندھے گئے ہیں۔ غالبؔ کے متقدمین میں اس بحر، ردیف اور قافیے میں ہمیں میرؔ، آتشؔ، ناسخؔ، اور مرزا مہدی خان آبادؔ کی غزلیں نظر آتی ہیں۔ اُردو کے دیگر عظیم شعرا سوداؔ، انشاؔ، مصحفیؔ، مومنؔ، ذوقؔ، اور اقبالؔ کے دواوین میں اسی بحر میں ہم ردیف و قافیہ غزلیں موجود نہیں۔

ایک ہی بحر میں ہم قافیہ اور ردیف اشعار کا مقایسہ اس لئے دلچسپ ہے کہ مختلف عظیم شعرا کی قوتِ تخیّل اور فنِ تغزّل کو کسی حد تک ایک ہی معیار پر تولا جا سکے۔ یہاں یہ اشکال بھی ہے کہ یہ غزلیں مختلف ادوار کی پیداوار ہیں اور متاخرین کے سامنے متقدمین کی غزلیں موجود تھیں، یعنی غالبؔ کے سامنے میرؔ کی غزل کے ۱۳ شعر، آتشؔ کے ۲۲ شعر، ناسخؔ کے ۲۴ شعر اور آبادؔ کے ۲۴ شعر موجود تھے۔ ایک ہی بحر میں ہم ردیف و قافیہ (۸۳) اشعار کا ہونا رحمت بھی ہے اور زحمت بھی ہے۔ رحمت، سمندِ تخیّل کو مہمیز کرنے کے لئے اور زحمت، توارد اور سرقہ کے الزام سے بری ہونے کے لئے۔ اس مضمون میں ہم نے مقایسہ کے لئے ان عظیم شعرا کے وہی اشعار نقل کئے ہیں جو غالبؔ کے قافیوں کے ہم قافیہ ہوں۔ اس مضمون میں ہم نے کسی بھی شعر کے محاسن پر بحث نہیں کی کیونکہ وہ سعد بن لندھور کی داستان ہو جاتی۔ شعر کا انتخاب ہمارا ذاتی فیصلہ ہے جو غلط بھی ہو سکتا ہے۔

ع۔ عقلِ معقول بفرمائگی بے خار کجاست۔

غالبؔ کا مطلع : نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا

کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

''تحریر'' اور ''تصور'' قافیوں پر میرؔ کی غزل میں ''تصویر'' پر صرف ایک شعر، خواجہ آتشؔ کی غزل میں ''تحریر'' پر ایک اور ''تصویر'' پر پانچ شعر، ناسخؔ کی غزل میں صرف ''تصویر'' پر آٹھ شعر اور آبادؔ کی غزل میں صرف ''تصویر'' پر تین شعر اس طرح ہیں :

میر تقی میر: سب کھلا باغ جہاں الاّ یہ حیران و خفا
جس کو دل سمجھے تھے ہم، سو غنچہ تھا تصویر کا

خواجہ آتش (۱) حال مستقبل بخوبی اس سے کرتے ہیں بیاں
زائچہ بھی نقل ہے پیشانی کی تحریر کا

(۲) رتبہ سونچا ہے خموشی سے یہ مجھ دلگیر کا
جو کوئی دیکھے اسے شک ہو گل تصویر کا

(۳) دے سکا بوسہ نہ اک وہ برق وش خیراتِ حسن
مالدار بے کرم بھی ابر ہے تصویر کا

(۴) کیسی کیسی صورتوں کے دل میں اپنے داغ ہیں
اس مرقع میں بھی ہے کیا کیا ورق تصویر کا

(۵) چاک ہوتا ہے کتاں مرے گریباں کی طرح
یہ بھی دیوانہ ہے آتش! چاند سی تصویر کا

(۶) عالم منطق مصوّر ہے تیری تصویر کا
متن کتاب "قطبی" ہے خط حاشیہ ہے "میر" کا

امام بخش ناسخ (۱)
سایہ گلبن پر اگر پڑ جائے مجھ دلگیر کا
ہو ہر ایک غنچہ میں عالم غنچۂ تصویر کا

(۲)
لاغر ایسا ہوں کہ میں اکثر ہوا سے اوڑھ گیا
میرے پیکر میں ہے عالم کاغذ تصویر کا

(۳)
شکل اُس کی ایسی ہے دلچسپ، گر پڑ جائے عکس
تا قیامت آئینہ میں شبہ ہو تصویر کا

(۴)
وہ تصور پیشہ ہوں گر ہو میری تربت پہ نخل
ہو ورق ہر برگ کی جا یار کی تصویر کا

(۵)
کون عالم کے مرقع میں سجا لے گا ثبات
رنگ اوڑ جاتا ہے کھنچتے ہی مری تصویر کا

(۶)
اے مصوّر ! سوزِ غم کی بھی رعایت چاہیے
خاک گلخن سے بنا گڑ وہ میری تصویر کا

(۷)
میری قسمت میں ہے بربادی عجب کیا ہے اگر
کاغذ بادی بنے کاغذ میری تصویر کا

(۸) لاغر ایسا ہوں کسی کو میں نظر آتا نہیں
چاہیے مانی ورق سادہ میری تصویر کا

مرزا مہدی آبادؔ(۱) دھیان ہے ہر دم مجھے اس چاند سی تصویر کا
سامنا ہے روز برقِ طور کی تنویر کا

(۲) چپ ہوا ہوں دیکھ کہ نقشہ بتِ بے پیر کا
منہ میرا گویا دہن ہے بلبل تصویر کا

(۳) چاند جس کا رکھ دیا ہے نام سب نے متفق
آسماں پر ہے یہ اک خاکہ تری تصویر کا

ردیف غزل کے پاؤں میں پائل کا حکم رکھتی ہے۔ ردیف سے غزل کے نغمہ اور آہنگ میں اضافہ ہوتا ہے۔ فارسی اور اُردو علمانے بڑے شاعر کے کمال پر بحث کرتے ہوئے ایک خاص نکتہ یہ پیش کیا ہے کہ بڑے شاعر کی نظر غزل کے قافیے پر نہیں بلکہ ردیف، وہ بھی ردیف کی **Joint** چولوں پر ہوتی ہے جو قافیہ کی چولوں کو **Joint** میں بٹھائی جاتی ہے۔ بڑا شاعر قافیہ کو ردیف میں ایسا کھپا دیتا ہے کہ ساخت اور معنی کے اعتبار سے ردیف کوئی اضافی چیز معلوم نہیں ہوتی۔ ہمارے اس مطلب کو واضح کرنے کے لئے میرؔ کا ایک شعر ردیف ''گیا'' میں پیش کیا جاتا ہے جس میں قافیہ ردیف میں گم ہوگیا اور ردیف سے پورے شعر کی شعریت حاصل ہوئی۔

کچھ نہ دیکھا پھر بجز یک شعلۂ پُر پیچ و تاب
شمع تک تو ہم نے دیکھا تھا کہ پروانہ گیا

بہر حال، خواجہ آتشؔ کے پاس شعر نمبر تین اور پانچ، ناسخؔ کے پاس شعر نمبر دو، پانچ اور سات اور آبادؔ کے شعر نمبر دو متوسط درجہ کے غزل کے شعر محسوب ہو سکتے ہیں اور باقی تمام اشعار، جن میں تری، مری تصویر کا غلبہ ہے، درحقیقت معاملہ بندی اور خارجی خیالات کے معمولی خیالات ہیں۔

میرؔ کا شعر ان تمام اشعار سے الگ اور عمدہ ہے جس میں میرؔ کا انداز ٹپک رہا ہے، پھر بھی غالبؔ کا مطلع طالع اور تابناک ہے جسکی روشنی نے میرؔ کے شعر کو بھی مدھم بنا دیا۔ ناسخؔ کے مصرع: ع۔ "میرے پیکر میں ہے عالم کاغذ تصویر کا......اور......ع۔ کاغذِ بادی بنے کاغذ میری تصویر کا" غالبؔ کے شعر کی تخلیق کے وقت پیش نظر ضرور رہے ہوں گے اور غالبؔ کو میرؔ کی نسبت سہولت حاصل رہی ہوگی۔ امام بخش ناسخؔ متولد ۱۷۷۲ء غالبؔ متولد ۱۷۹۷ء سے عمر میں ۲۲ سال بڑے تھے۔ ناسخؔ اور غالبؔ میں نہ صرف خط و کتابت کا رشتہ قائم تھا بلکہ غالبؔ نے ناسخؔ کو اپنا منتخب اُردو دیوان کا ایک قلمی نسخہ ۱۶ ربیع الاول ۱۲۵۰ ہجری کو ارسال کیا اور ناسخؔ نے بھی اپنا ایک قلمی نسخہ غالبؔ کو روانہ کیا تھا جو یقیناً غالبؔ کے مطالعہ میں رہا ہوگا۔ آتشؔ، ناسخؔ اور غالبؔ نہ صرف میرؔ کی استادی کو قبول کرتے تھے بلکہ اس کی تقلید اور پیروی کو اپنی معراج تصور کرتے تھے اور گاہے گاہے میرؔ کے تقدس کے گن گاتے تھے۔ اسی لئے آتشؔ نے کہا۔ ع۔ منہ کتاب "قطبی" ہے خط حاشیہ ہے "میرؔ" کا

ناسخؔ نے کہا:

شبہ ناسخؔ نہیں کچھ میرؔ کی استادی میں
آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ میرؔ نہیں

اور غالبؔ نے اس کی تائید کی :

غالبؔ اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخؔ
آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میرؔ نہیں

غالبؔ کی غزل کا دوسرا شعر :

کاو کاو سخت جانی ہائے تنہائی نہ پوچھ
صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا

اگر چہ تنہائی کا عشقیہ شاعری میں گھسا پٹا فرسودہ مضمون ہمیشہ نظر آتا ہے جس کو غالبؔ نے نئی زندگی عطا کی اور اس قافیے "شیر" میں آتشؔ کے دو اور ناسخؔ کا صرف ایک شعر ملتا ہے :

خواجہ آتشؔ — مثلِ شانہ دست رس اُس زلف پر ہوئے اگر
دعوت افعی کروں بھر کر پیالہ شیر کا

(۲) خود بیاں رخ کی صباحت کا کرائے شیریں دہن
قند کے کوزے سے جاری ہووے دریا شیر کا

امام بخش ناسخ ہے دلیلِ مرگِ انسان واقعی موے سفید
کوہکن کی موت تھی انجام جوی شیر کا

بہر حال، ان تینوں اشعار کے مضامین میں جدّت کم اور قافیہ پیمائی کی مشق زیادہ نظر آتی ہے۔ اسیرؔ لکھنوی کی بابت مشہور ہے کہ ہر قسم کے قافیے استعمال کرتے تھے۔ اسیرؔ تو قافیے کے اسیر مشہور ہو گئے لیکن ذوقؔ کو کیا کہیں کہ ایک قصیدہ میں ۶۲ قافیوں کو ایسا پیٹا کہ ان کی نکسیر بھی نہ پھوٹی۔ غالبؔ کا یہ شعر چونکہ جدید پیراہن پہن کر وارد ہوا تو مورد قبول اور نیا سمجھا گیا اور ممتاز رہا۔ غالبؔ کا تیسرا شعر سراپا اچھوتا اور آمد ہی آمد ہے :

جذبۂ بے اختیار شوق دیکھا چاہیے
سینۂ شمشیر سے باہر ہے دمِ شمشیر کا

اس قافیے "شمشیر" کے ذیل آتشؔ کے چار، ناسخؔ کے تین اور آبادؔ کے چھ اشعار پیش کیے جاتے ہیں۔ میرؔ کا بھی شعر اس قافیہ میں یوں ہے :

کیوں کہ نقاش ازل نے نقش ابرو کا کیا
کام ہے ایک تیرے منہ پر کھنچا خط شمشیر کا

خواجہ آتشؔ (۱) ہجر کے صدمے سے خوبیِ عشق کی ظاہر ہوئی
زخم کی ایذا سے جوہر کھل گیا شمشیر کا

(۲) نوش بے صرفہ کرے خون گنہگارانِ عشق
پھول سے رنگیں رہے پھلوا تیری شمشیر کا

(۳) روسیہ دشمن کا یوں پابوس سے کھینچے فگار
جیسے سہلٹ کی سپر پر زخم ہو شمشیر کا

(۴) روک منہ پر وار قاتل کے سپر کی طرح سے
مرد کے چہرے کا زیور زخم ہے شمشیر کا

ناسخ(۱) ناتوانوں سے پناہ ، اے ظالمو! مانگا کرو
دیکھ لو اک بال ہے بازو شکن شمشیر کا

(۲) کیا ہے کبر مدعی میری تواضع کے حضور
سرکشی دم میں مٹا دیتا ہے خم شمشیر کا

(۳) دوستوں کے سر کیے چن چن کے مقتل میں قلم
چشمِ بینا ہے ہر اک جوہر تری شمشیر کا

آباد(۱) خون ایسا گرم ہے مجھ عاشقِ دلگیر کا
بن گیا رشکِ شرر جوہر تری شمشیر کا

(۲) وار کیا کیا تُو نے ، اے قاتل! لگائے واہ واہ!
مان جائیں کیوں نہ ہم لوہا تری شمشیر کا

(۳) تشنۂ شوقِ شہادت کب سے ہوں سیراب کر!
مجھ کو پانی چاہیے قاتل تری شمشیر کا

(۴) مضطرب میرے تڑپنے نے اسے بھی کر دیا
دیدۂ بسمل بنا جوہر تری شمشیر کا

(۵) عشق ابرو جائے گا کیا مرے دم کے ساتھ ہی
مرگ ہے قبضے سے چھٹنا مرد کے شمشیر کا

خواجہ آتش کا شعر نمبر ۴ ناسخ کا شعر نمبر تین اور آباد کے شعر نمبر ۳، ۴، ۵، خوبصورت اور عمدہ اشعار ہیں۔ ''شمشیر'' کے قافیے پر اُردو شاعری اور خصوصی طور پر مرثیوں میں صدہا ایسے اشعار ہیں کہ کوئی بھی مضمون، جو شمشیر کی خصوصیت سے منسلک ہو، اس کینوس سے باہر نہیں رہ سکتا۔ اس کے باوجود حسنِ تعلیل، ایہام، تجنیس اور تلمیحات سے نئے مضمون تراشنا غزل گو شعرا کا ہنر سمجھا جاتا ہے۔ میر کے شعر میں غضب کی جمالیاتی مصوری پوشیدہ ہے لیکن پھر بھی غالب کا شعر لاجواب ہے۔ فارسی اور اُردو ادب میں اس مضمون اور اس پائے کا شاہکار شعر شاید ہی تخلیق ہوا ہو۔ ''جذبۂ بے اختیار شوق'' غالب کا انداز ہے۔ ''سینۂ شمشیر'' اور ''دمِ شمشیر'' اس شعر کے پیکر کی ساخت کی معجز بیانی ہے۔ اسی لئے تو ابوالکلام آزاد نے سچ کہا تھا کہ ''میر انیس کے مراثی اور غالب کی غزلیات اُردو ادب کی جانب سے دنیائے ادب کو تحفہ تصور کیے جائیں۔''

غالب کی غزل کا چوتھا شعر:

آگہی دامِ شنیدن جس قدر چاہے بچھائے
مدعا عنقا ہے اپنے عالمِ تقریر کا

اس طرز میں آتش کے پاس ایک اور آباد کے پاس دو اشعار ملتے ہیں:

آتش (۱) رتبۂ موسیٰ نماز پنجگانہ نے دیا
پانچ وقت اللہ سے موقع رہا تقریر کا

آبادؔ(۱) سب کرشمے بھول جائیں گر سنیں ترا بیان
ساحروں پر سحر چل جائے تری تقریر کا

(۲) جو تری صحبت میں بیٹھا آن کر گلچیں ہوا
پھول جھڑتے ہیں یہ عالم ہے تری تقریر کا

خواجہ آتشؔ کا شعر ان کی فکر تصوف اور ''فنافی اللہ'' فلسفہ کی گونج ہے۔ یہ خوبصورت اور مقبول شعر ہے۔ آبادؔ کے دونوں شعر حسن وعشق کی نوک جھونک اور لکھنوی تہذیب کی آوازِ بازگشت معلوم ہوتے ہوئے بھی غالبؔ کے شعر کے قریب بھی نہیں پہنچ سکتے اور اسی لئے ان اشعار کا مقایسہ شریعت ادب میں مکروہ ہوگا۔

غالبؔ کی غزل کا مقطع :

بس کہ ہوں غالبؔ اسیری میں بھی آتش زیر پا
موئے آتش دیدہ ہے حلقہ میری زنجیر کا

''زنجیر کے قافیے پر میرؔ کا ایک شعر آتشؔ کے دو شعر اور ناسخؔ کے چھ شعر پیش کئے جاتے ہیں :

میرؔ(۱) نالہ کش ہیں عہدِ پیری میں بھی تیرے در پہ ہم
قد خم گشتہ ہمارا حلقہ ہے زنجیر کا

خواجہ آتشؔ(۱) جس سے لپٹا، سوکھا مجنوں کی طرح سے وہ درخت
عشق پیچے پر مجھے ہوتا ہے شک زنجیر کا

(۲) غش کریں گے کودکاں، وحشت سے مجھ دیوانے کی
حلق بسمل ہے ہر اک حلقہ مری زنجیر کا

ناسخ (۱) وحشت دل ہوں میں دیوانہ تری تاثیر کا
چشم آہو بن گیا حلقہ ہر اک زنجیر کا

(۲) برسوں گزریں ہیں صدا باہر نکل سکتی نہیں
ہے ہمارا ضعفِ درباں خانۂ زنجیر کا

(۳) بن گیا بت جو لگا عشق بتاں میں مجکو سنگ
نالۂ ناقوس ہر نالہ ہوا زنجیر کا

(۴) گلشن کوی بتاں کا ہے جو زنداں میں خیال
نغمۂ بلبل ہے ہر نالہ مری زنجیر کا

(۵) اس خرابے میں بنایا جس نے گھر دیوانہ ہے
دیکھ ہر دروازے پر ناسخ نشاں زنجیر کا

آتش کا شعر نمبر ۲ اور ناسخ کے شعر نمبر ۳، ۴، ۵ عمدہ غزل کے شعر سمجھے جاتے ہیں۔ ناسخ کے اشعار میں زنجیر کی صدا جھنکار کو حلقِ بسمل، نالۂ ناقوس اور نغمۂ بلبل کی آواز سے مصرع ثانی میں ظاہر کیا گیا ہے اور مجبوری اور محصوری کو حلقہ سے تعبیر کیا گیا ہے، جب کہ میر :

نالہ کش ہیں عہدِ پیری میں بھی تیرے در پہ ہم
قد خم گشتہ ہمارا حلقہ ہے زنجیر کا

پہلے مصرع میں "نالہ کش" سے زنجیر کی جھنکار مراد ہے۔ اور "قد خم گشتہ" کی تشبیہ حلقۂ زنجیر سے دینا میر صاحب ہی کا حق ہے۔

میر کی آواز میں وہ تہیں ہیں، وہ خاموش گہرائیاں سموئی ہوئی ہیں، وہ ہمہ گیر اور دور رسی ہے وہ وزن ہے جو

دوسروں میں نہیں۔اس میں ہستی کے ساتھ ساتھ بستی کا ذکر ہے :

مجھ کو شاعر نہ کہو میرؔ کہ صاحب میں نے
درد دل لاکھوں کیے جمع تو دیوان ہوا

اسی لئے تو ان کے ہم عصر رفیع سوداؔ نے بھی میرؔ کی کہی غزلوں کی زمینوں پر غزلیں کہنا فخر جانا :

سوداؔ ! تُو اس زمیں میں غزل در غزل ہی لکھ
ہونا ہے تجھ کو میرؔ سے استاد کی طرف

مصحفیؔ نے ایک شعر پر میر کی داد حاصل کی تو اس کا ذکر اپنے دیوان میں کیا :

اکبر نے شاعری کا اکبر اعظم میرؔ ہی کو جانا :

میں ہوں کیا چیز کہ اس طرز پہ جاؤں اکبر
ناسخؔ و ذوقؔ بھی جب چل نہ سکے میرؔ کے ساتھ

اور حسرتؔ نے اپنے دل کی حسرت یوں بیان کی :

شعر مرے بھی ہیں پُردرد و لیکن حسرتؔ
میرؔ کا شیوہ گفتار کہاں سے لاؤں

یہی میرؔ کا شیوۂ گفتار لذتِ گفتار اور طرزِ گفتار ہے جو میرؔ کا انداز ہے، جس پر ابھی ناقدین، محققین اور شعرا کو بہت کچھ کرنا ہے :

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ
افسوس! تم کو میرؔ سے صحبت نہیں رہی

☆......☆......☆

غالب کے اشعار کے معنی خود غالب سے پوچھیے؟

یہ بھی زمانے کی ستم ظریفی تھی کہ عوام نے غالب کی زندگی میں ان کے کلام کے مقام و مرتبہ کا صحیح اندازہ نہیں لگایا۔لوگوں نے نہ صرف ان کی علمی اور ادبی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھایا بلکہ ان کے کلام کا مذاق بھی اڑایا۔ مشہور ہے کہ غالب کے ایک آشنا عبدالقادر رامپوری نے جن کا لال قلعہ سے بھی تعلق تھا، ایک دن غالب سے کہا: آپ کا یہ شعر سمجھ میں نہیں آتا:

پہلے تو روغنِ گُل بھینس کے انڈے سے نکال

پھر دوا جتنی ہے کل بھینس کے انڈے سے نکال

مرزا غالب نے یہ سن کر کہا کہ یہ شعر میرا نہیں لیکن عبدالقادر نے مذاق کرتے ہوئے کہا کہ میں نے آپ ہی کے دیوان میں دیکھا ہے۔یعنی وہ طنز کر کے یہ بتانا چاہتے تھے کہ غالب کا دیوان ایسے مہمل اشعار سے بھرا پڑا ہے۔اسی لئے تو غالب نے نواب علاؤالدین احمد کو لکھا: ''مجھے اپنے ایمان کی قسم! میں نے اپنی نظم ونثر کی داد باندازۂ بایست پائی نہیں۔آپ ہی کہا اور آپ ہی سمجھا''۔یہ حقیقت ہے کہ غالب کے کلام کا موضوع فلسفہ ہے اور ان کی شاعری کے بدن پر الفاظ کا جامہ اتنا باریک اور تنگ ہے کہ صاحبِ نظر کو اس کا عریاں بدن نظر آسکا ہے لیکن اسے دیکھنے کی تاب ہر شخص میں نہیں۔بعض نقاد اسے کیفِ شراب، یعنی نشہ کا حاصل سے موسوم کرتے ہیں جو غالب سے زیادتی ہے، جب کہ یہ انتہائی بلند فکری ہے۔اسی لئے تو خود غالب نے کہا تھا :

مشکل ہے ز بس کلام میرا ، اے دل!

سن سن کے اُسے سخن وران کامل

آسان کہنے کی کرتے ہیں فرمائش

گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

کبھی غالب نے اپنے دل کو یوں بھی تسلی دی:

نہ ستائش کی تمنا ، نہ صلے کی پروا

گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنی ، نہ سہی

اور کبھی یہ سوچ کر خوش ہوگئے :

ع۔خوش ہوں کہ میری بات سمجھنی محال ہے

غالبؔ عبدالقادر شاکر کو خط میں لکھتے ہیں: ''نظم ونثر کی قلمرو کا انتظام ایزد دانا وتوانا کی عنایت واعانت سے خوب ہو چکا ہے۔ اگر اس نے چاہا تو قیامت تک میرا نام ونشان باقی رہے گا۔''

اسی لئے تو غالبؔ کا کلام ہندوستان کی الہامی کتاب بن گیا اور بجنوری کو کہنا پڑا: ہندوستان کی الہامی کتابیں دو ہیں: مقدس وید اور دیوانِ غالبؔ۔ اردو ادب میں کئی مستند شرحیں غالبؔ کے کلام پر لکھی گئیں۔ شارحین نے ان کے تقریباً سارے اردو دیوان پر تنقید وتبصرہ کیا ہے جو بڑی حد تک غالبؔ کے اشعار کو سمجھنے میں مددگار ثابت ہوسکتا ہے۔ غالبؔ نے خود اپنے خطوط میں بعض اشعار کے معنی بتائے ہیں جن کو اس مضمون میں پیش کیا جارہا ہے۔

غالبؔ کے اردو دیوان کی پہلی غزل کا پہلا شعر :

نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

کو بعض ناقدوں نے کیف شراب کا ماحصل سمجھ کر بے معنی قرار دیا جو غالبؔ کے ساتھ ناانصافی ہے۔ اس شعر میں اگر کاغذی پیرہن کو سمجھا جائے تو شعر سمجھ میں آسکتا ہے۔ غالبؔ نے عبدالرزاق شاکر کو لکھا: ''ایران میں رسم ہے کہ دادخواہ کاغذ کے کپڑے پہن کر حاکم کے سامنے جاتا ہے، جیسے مشعل دن کو جلانا یا خون آلودہ کپڑا بانس پر لٹکا کرلے جانا۔ پس شاعر خیال کرتا ہے کہ نقش کسی کی شوخیٔ تحریر کا فریادی ہے کہ جو صورت تصویر ہے، اس کا پیرہن کاغذی ہے، یعنی ہستی اگر چہ مثلِ تصاویر اعتبارِ محض ہو، موجب رنج وملال وآزار ہے۔''

شوق ہر رنگ رقیب سروساماں نکلا
قیس، تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا

کے بارے میں عبدالرزاق شاکر کو لکھتے ہیں: '' رقیب بہ معنی مخالف۔ شوق، سروسامان کا دشمن ہے۔ دلیل یہ ہے کہ قیس، جو زندگی میں ننگا پڑا پھرتا تھا، تصویر کے پردے میں بھی ننگا ہی رہا۔ لطف یہ ہے کہ مجنوں کی تصویر بانتن عریاں ہی کھنچتی ہے، جہاں کھنچتی ہے۔''

اسی غزل کے دوسرے شعر:

زخم نے داد نہ دی تنگیٔ دل کی ، یارب!
تیر بھی سینۂ بسمل سے پُر افشاں نکلا

کے متعلق لکھتے ہیں: یہ ایک بات میں نے اپنی طبیعت سے نکالی ہے، جیسا کہ اس شعر میں ہے

نہیں ذریعہ راحت جراحت پیکاں　　　　وہ زخم تیغ ہے جس کو کہ دلکشا کہیے

یعنی زخم، تیر کی توہین، بہ سبب ایک رخنہ ہونے کے اور تلوار کے زخم کی تحسین، بہ سبب ایک طاق سے کھل جانے کے۔ زخم نے داد نہ دی تنگیِ دل کی، یعنی زائل نہ کیا تنگی کو۔ پُر اَفشاں بہ معنی بے تاب اور یہ لفظ تیر کے مناسب حال ہے۔ معنی یہ کہ تیر تنگیِ دل کی داد کیا دیتا، وہ تو خود ضیقِ مقام سے گھبرا کر پرافشاں اور سراسیمہ نکل گیا۔

سبزہ خط سے ترا کاکل سرکش نہ دبا

یہ زمرد بھی حریفِ دم افعی نہ ہوا

کے بارے میں چودھری عبدالغفور کے خط میں لکھتے ہیں: ''قبولِ دعا، وقتِ طلوع منجملہ مضامینِ شعری ہے۔ جیسے کتان کا پرتوِ ماہ میں پھٹ جانا اور زمرد سے افعی کا اندھا ہو جانا۔''

ہر بنِ مو سے دم ذکر نہ ٹپکے خوناب

حمزہ کا قصہ ہوا، عشق کا چرچا نہ ہوا

قصۂ حمزہ کے بارے میں نواب کلب علی خان کو لکھتے ہیں: ''داستانِ حمزہ قصۂ موضوع ہے۔ شاہ عباس ثانی کے عہد میں ایران کے صاحب طبعوں نے اس کو تالیف کیا ہے۔ ہندوستان میں امیر حمزہ کی داستان اس کو کہتے ہیں اور ایران میں ''رموزِ حمزہ'' اس کا نام ہے۔ دو سو کئی برس اس کی تالیف کو ہوئے۔ اب تک مشہور ہے اور ہمیشہ رہے گا۔''

عبدالجمیل جنوںؔ کو اس غزل کا مطلع:

قطرۂ مے بس کہ حیرت سے نفس پرور ہوا

خطِ جامِ مے سراسر رشتۂ گوہر ہوا

میں لکھتے ہیں: اس مطلع میں خیال ہے دقیق مگر کوہ کندن وکاہ بیرون آوردن، یعنی لطف زیادہ نہیں۔ قطرہ ٹپکنے میں بے اختیار ہے بقدر یک مژہ برہم ذوق ثبات وقرار ہے۔ حیرت ازالہ حرکت کرتی ہے۔ قطرۂ مے افراطِ حیرت سے ٹپکنا بھول گیا۔ برابر برابر بوند بن جوت ہم کورہ گئیں تو پیالہ کا خط اس تاگے کے بن گیا جس میں موتی پروتے ہوں''۔

یک الف بیش نہیں صیقل آئینہ سوز

چاک کرتا ہوں میں جب سے کہ گریباں سمجھا

اس شعر کی شرح غالب نے ماسٹر پیارے لال کو اس طرح لکھی: ''پہلے یہ سمجھنا چاہیے کہ آئینہ عبارت فولاد کے آئینے سے ہے، ورنہ جلی آئینوں میں جوہر کہاں اور اس کو صیقل کون کرتا ہے۔ فولاد کی جس چیز کو صیقل کرو گے، بے شبہ پہلے ایک لکیر پڑے گی اس کو الف صیقل کہتے ہیں۔ جب یہ مقدمہ معلوم ہوا تو اب اس مفہوم کو سمجھیے۔ مصرع:

چاک کرتا ہوں میں جب سے گریباں سمجھا

یعنی ابتدائی سنِ تمیز سے مشقِ جنون ہے۔ اب تک کمالِ فن حاصل نہیں ہوا۔ آئینہ تمام صاف نہیں ہو گیا بس ایک لکیر صیقل جو ہے، سو ہے۔ چاک کی صورت الف کی سی ہوتی ہے اور چاک جیب آثار جنوں میں سے ہے۔''

شاکر کو لکھتے ہیں: ع۔

ایک شمع ہے دلیل سحر، سو خموش ہے

یہ خبر ہے۔ پہلا مصرع: ع۔

ظلمت کدے میں میرے شب غم کا جوش ہے

یہ مبتدا ہے۔ شب غم کا جوش یعنی اندھیرا ہی اندھیرا ہے

ظلمت غلیظ، سحر ناپید، گویا خلق ہی نہیں ہوئی۔ ہاں! ایک دلیل صبح کی بود پر ہے، یعنی بجھی ہوئی شمع۔ اس راہ سے کہ شمع و چراغ صبح کو بجھا یا کرتے ہیں۔ لطف اس مضمون کا یہ ہے کہ جس شے کو دلیلِ صبح ٹھہرایا جائے، وہ خود ایک سبب ہے منجملہ اسباب تاریکی کے۔ پس دیکھا جائے جس گھر میں علامت صبح موید ظلمت ہوگی، وہ گھر کتنا تاریک ہوگا۔

عبدالجمیل جنوں کو شعر:

ملنا ترا اگر نہیں آساں تو سہل ہے

دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں

کے بارے میں لکھتے ہیں ''اگر تیرا ملنا آسان نہیں تو یہ امر مجھ پر آسان ہے۔ خیر، تیرا ملنا آسان نہیں، نہ سہی۔ نہ ہم مل سکیں گے نہ کوئی اور مل سکے گا۔ مشکل تو یہ ہے کہ وہی تیرا ملنا دشوار بھی نہیں، یعنی جس سے تو چاہتا ہے،

مل بھی سکتا ہے۔ ہجر کو ہم نے سہل سمجھ لیا تھا مگر رشک کو اپنے اوپر آسان نہیں کر سکتے۔"

حسن اور اس پہ حسنِ ظن ، رہ گئی بوالہوس کی شرم
اپنے پہ اعتماد ہے اور کو آزمائے کیوں

جنوں کو لکھتے ہیں: "مولوی صاحب! کیا لطیف معنی ہیں۔ داد دینا حسن عارض اور حسن ظن، دو صفتیں محبوب میں جمع ہیں، یعنی صورت اچھی ہے اور گمان اس کا صحیح ہے کبھی خطا نہیں کرتا اور یہ گمان اس کو بہ نسبت اپنے سے ہے کہ میرا مارا کبھی بچتا نہیں اور میرا تیر غمزہ خطا نہیں کرتا۔ پس، جب اس کو اپنے پر ایسا بھروسہ ہے تو رقیب کا امتحان کیوں کرے اس حسنِ ظن نے رقیب کی شرم رکھ لی ورنہ یہاں معشوق نے مغالطہ کیا تھا کہ رقیب صادق نہیں، ہوس ناک آدمی تھا۔ اگر اس پر امتحان درمیان آتا تو حقیقت کھل جائے۔"

غالب نے اس غزل کے تینوں اشعار کی تشریح عبدالرزاق شاکر کے خط میں یوں لکھی :

کارگاہِ ہستی میں لالۂ داغ ساماں ہے
برق خرمن راحت خونِ گرم دہقاں ہے
غنچہ تاشگفتن ہا برگ عافیت معلوم
باوجود دل جوئی خواب گل پریشاں ہے
ہم سے رنج بے تابی کس طرح اٹھایا جائے
داغ پشت دست عجز شعلۂ خس بدنداں ہے

مثلِ انجم انجمن وہ شخص کہ داغ جس کا سرمایہ وسامان ہو۔ موجودیت لالہ کی منحصر نمایشِ داغ پر ہے ورنہ رنگ تو اور پھولوں کا بھی لال ہوتا ہے۔ بعد اس کے یہ سمجھ لیجئے کہ پھول کا درخت یا غلّہ جو کچھ بویا جاتا ہے، دہقان کو جوتنے بونے، پانی دینے میں مشقت کرنی پڑتی ہے۔ مزارع کا وہ لہو جو کشت کار میں گرم ہوا ہے، وہی لالہ کی راحت کے خرمن کا برق ہے۔ حاصل موجودیت داغ اور داغ مخالفِ راحت اور صورتِ رنج۔

غنچہ تاشگفتن: کلی جب نئی نکلے بہ صورت قلب صنوبری نظر آئے اور جب تک پھول بنے برگِ عافیت معلوم۔ یہاں معلوم بہ معنی معدوم ہے اور برگِ عافیت بہ معنی مایۂ آرام۔

مصرع: برگ عیشی بہ گور خویش فرست...... برگ اور سرو برگ بہ معنی ساز وسامان ہے۔

خوابِ گل، شخصیت گل، بااعتبار خموشی و برجاماندگی پریشانی ظاہر ہے، یعنی شگفتگی وہی پھولوں کی پنکھڑیوں کا بکھرا ہوا

ہونا۔ غنچہ بہ صورت دل جمع ہے۔ باوصف جمعیت دل گل کو خواب پریشاں نصیب ہے۔" "ہم سے رنج بے تابی الخ
پشت دست۔ صورت عجز اور خس بدنداں وکاہ بدنداں گرفتن بھی اظہار عجز ہے۔ پس جس عالم میں کہ داغ نے پشتِ
دست زمین پر رکھ دی ہو اور شعلہ نے تنکا دانتوں میں لیا ہو، ہم سے رنج واضطراب کا تحمل کس طرح ہو۔"
• ۳۰ جون ۱۸۶۴ء کو عبدالجمیل جنوں کو :

تجھ سے تو کچھ کلام نہیں لیکن اے ندیم!
میرا سلام کہیو! اگر نامہ بر ملے

کی تشریح کرتے ہوئے غالب نے فرمایا: "یہ مضمون کچھ آغاز چاہتا ہے۔ یعنی شاعر کو ایک قاصد کی
ضرورت ہے مگر کہے گا کہ یہ قاصد کہیں معشوق پر عاشق نہ ہو جائے۔ ایک دوست عاشق کا، ایک شخص کو لایا اور اس
نے عاشق سے کہا کہ یہ آدمی وضعدار اور معتمد علیہ ہے۔ میں ضامن ہوں کہ یہ ایسی حرکت نہ کرے گا۔ خیر اس کے
ہاتھ خط بھیجا گیا۔ قضارا عاشق کا گماں سچ ہوا۔ قاصد مکتوب الیہ کو دیکھ کر والہ وشیفتہ ہو گیا۔ کیا خط، کیسا جواب۔
دیوانہ بن، کپڑے پھاڑ، جنگل کو چل دیا۔ اب عاشق اس واقعہ کے بعد ندیم سے کہتا ہے کہ غیب داں تو خدا ہے۔ کس
کے باطن کی کس کو کیا خبر۔ اے ندیم! تجھ سے کچھ کلام نہیں لیکن نامہ بر کہیں مل جائے تو اس کو میرا سلام کہو کہ کیوں
صاحب! تم کیا کیا دعویٰ عاشق نہ ہونے کے کر گئے تھے اور انجام کار کیا ہوا۔"

کوئی دن گر زندگانی اور ہے
اپنے جی میں ہم نے ٹھانی اور ہے

جنوں کو اس شعر کا مطلب یوں لکھتے ہیں: "اس میں کوئی اشکال نہیں۔ جو لفظ ہیں، وہی معنی ہیں۔ شاعر اپنا
قصد کیوں بتائے کہ میں کیا کروں گا۔ مبہم کہتا ہوں کہ کچھ کروں گا۔ خدا جانے شہر میں یا نواح شہر میں تکیہ بنا کر فقیر ہو
کر بیٹھ رہے یا دیس چھوڑ کر پردیس چلا جائے۔"
عبدالرزاق شاکر کو شعر:

متقابل ہے مقابل میرا
رک گیا دیکھ روانی میری

کے بارے میں لکھتے ہیں: "تقابل اور تضاد کو کون نہ جانے گا۔ نور وظلمت، شادی وغم، راحت ورنج، وجود و
عدم۔ لفظ مقابل اسی مصرع میں بہ معنی مرجع ہے، جیسے حریف کہ بہ معنی دوست بھی مستعمل ہے۔ مفہوم شعر یہ کہ ہم

اور دوست از روئے خوے وعادت ضد ہم دگر ہیں۔ وہ میری روانی کو دیکھ کر رک گیا۔

موت کی راہ نہ دیکھوں کہ بن آئے نہ رہے
تم کو چاہوں کہ نہ آؤ تو بُلائے نہ بنے

اس شعر کے بارے میں منشی نبی بخش حقیر کو لکھتے ہیں: ''بھائی! مجھ کو تم سے بڑا تعجب ہے کہ اس بیت کے معنی میں تم کو تامل رہا۔ اس میں دو استفہام آپڑے ہیں کہ وہ بہ طریقۂ طعن وتعریض سے کیے گئے ہیں۔ موت کی راہ نہ دیکھوں۔ کیوں نہ دیکھوں؟ میں تو دیکھوں گا کہ بن آئے نہ رہے کیونکہ موت کی شان میں سے یہ بات ہے، ایک دن آئے ہی گی۔ انتظار ضائع نہ جائے گا۔ تم کو چاہوں؟ کیا خوب! کیوں چاہوں کہ نہ آؤ تو بلائے نہ بنے، یعنی اگر تم آپ سے آئے تو آئے اور اگر نہ آئے تو پھر کیا مجال کہ کوئی تم کو بلا سکے، گویا یہ عاجز معشوق سے کہتا ہے کہ اب میں تم کو چھوڑ کر اپنی موت کا عاشق ہوا ہوں۔ اس میں خوبی یہ ہے کہ بن بلائے، بغیر آئے نہیں رہتی۔ تم کو کیوں چاہوں کہ اگر نہ آؤ تو تم کو بلا نہ سکوں''

یہ اُردو ادب کی خوش نصیبی ہے کہ غالبؔ نے بعض اشعار کی تشریح کر کے ثابت کر دیا کہ ان کے اشعار تخیل کے آسمانوں پر پرواز کرتے ہیں۔ اردو ادب کے دوسرے عظیم شعرا یعنی میر تقی میرؔ، میر انیسؔ اور علامہ اقبالؔ کے یہاں ایک دو ایسی روایتیں ہیں لیکن دقیق تشریح نظر نہیں آتی۔

علامہ اقبالؔ نے مرزا غالبؔ کی شان میں بہت صحیح کہا ہے:

فکرِ انساں کو تری ہستی سے یہ روشن ہوا
ہے، پر مرغ تصور کی رسائی تا کجا

غالبؔ کے ان اشعار پر ابنِ شقیق کا قول صادق آتا ہے:

فـــاِذَا قِیْـــلَ اَطـــمـــع الـنَّـــاسَ طُـرًّا
وَاِذا ریـمَ اعـجَـز الـمُـعـجـزِیـنـاً

یعنی جب پڑھا جائے تو ہر شخص کو یہ خیال ہو کہ میں بھی ایسا کہہ سکتا ہوں لیکن جب کہنے کا ارادہ کیا جائے تو معجز بیان بھی عاجز ہو جائیں۔

☆......☆......☆

پوچھتے ہیں وہ کہ غالبؔ کون ہے؟

نجم الدولہ دبیر الملک، نظام جنگ مرزا اسد اللہ خان بہادر غالبؔ سے کون واقف نہیں۔ 1797ء میں آگرہ (اکبر آباد) میں پیدا ہوئے۔ 73 سال عمر پائی اور 1869ء میں دہلی میں دفن ہوئے۔ خاندانی نسب، افراسیاب بادشاہِ توران سے ملتا تھا، حسب مغلیہ تھا اور کسب صدیوں سے سپاہ گری تھا۔ خود فرماتے ہیں۔

غالبؔ از خاکِ پاک تورانیم
لاجرم در نسب فرہ مندیم

سو پشت سے ہے پیشہ آبا سپہ گری
کچھ شاعری ، ذریعہ عزت نہیں ، مجھے

آپ کے دادا، سمر قند سے شاہ عالم کے زمانے میں دہلی آئے اور جاگیر و مقام حاصل کیا۔ آپ کے والد عبداللہ بیگ خان، دہلی میں طوائف الملوکی کے ہنگامے کے بعد پہلے لکھنؤ گئے اور نواب آصف الدولہ کے دربار سے منسلک ہوئے، پھر حیدر آباد دکن گئے اور نظام علی خان بہادر کی سرکار میں شامل ہوئے۔ چند سال بعد وطن لوٹے اور راجہ بختاور سنگھ کی ملازمت اختیار کی اور کسی معرکے میں مارے گئے۔ اس وقت غالبؔ کی عمر پانچ سال تھی، چنانچہ شفیق چچا نصر اللہ بیگ خان نے سرپرستی کی، لیکن چار سال بعد وہ بھی رخصت ہو گئے۔ ابھی تک غالبؔ کی زندگی عیش و راحت میں گذر رہی تھی۔ چچا کے انتقال پر لاکھوں روپوں کی جائیداد اور جاگیر کے وارث ہوئے، لیکن زمنے کی نیرنگیوں نے اس وسیلے کو چھین لیا، چنانچہ معمولی گذارے پر گذر ہونے گی۔ 1827 میں کلکتہ پہنچ کر استغاثہ کیا اور دو سال بعد ناکام واپس ہوئے۔ اودھ کے بادشاہ واجد علی شاہ نے سالانہ 500 روپے کا وظیفہ مقرر کیا تھا، جو دو سال بعد سلطنت کے ختم ہونے پر ختم ہو گیا۔ دہلی کے شاہ ظفر نے سات سال تک معمولی مدد کی۔ آخر میں رامپور کے نواب نے ایک سو روپے کا ماہانہ مقرر کیا۔ قصہ مختصر، غالبؔ کو ملکِ سخن کی حکومت اور مضامین کی دولت پر قناعت کر کے غریبی کی زندگی بسر کرنی پڑی۔ چونکہ طبیعت بلا کی شوخ تھی، ہر غم کو ہنس کر غلط کر دیتے۔ کبھی دل کو یہ کہہ کر بہلا لیا۔

مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پہ کہ آساں ہو گئیں

اور کبھی شعر میں رازِ درون کو یوں بیرون کر دیا:

مے سے غرض نشاط ہے ، کس رو سیاہ کو
یک گونہ بے خودی ، مجھے دن رات چاہئے

نو دس برس کی عمر میں شاعری شروع کی۔13 برس کی عمر میں نواب الٰہی بخش کی بیٹی امراؤ بیگم، جن کی عمر 11 سال تھی، شادی کی، جو آخری عمر تک غالبؔ کے گلے کا ہار بنی رہی۔ چنانچہ غالبؔ اپنے شاگرد امراؤ سنگھ کی دوسری بیوی کے مرنے پر کہتے ہیں: "اللہ اللہ! ایک وہ ہیں کہ دو بار بیڑیاں کٹ چکی ہیں اور ایک ہم کہ اوپر پچاس برس سے جو پھانسی کا پھندا گلے میں پڑا ہے، نہ تو پھندا ہی ٹوٹتا ہے، نہ دم ہی نکلتا ہے۔" غالبؔ کے ہاں سات بچے پیدا ہوئے، لیکن سب ایک دو سال جی کر مر گئے۔ غالبؔ نے فارسی و عربی کی ابتدائی تعلیم آگرے کے ایک جگت ممتاز استاد محمد معظم سے حاصل کی۔ ایک ایرانی شخص عبد الصمد سے، جو دو سال غالبؔ کے ساتھ رہا، فارسی زبان، اصطلاحات اور محاورات سیکھے۔ مرزا غالبؔ نے پہلے اپنا تخلص اسدؔ رکھا جو نام کی نسبت اسد اللہ سے تھا، لیکن جب کسی مشاعرے میں یہ معلوم ہوا کہ ایک معمولی شاعر کا تخلص بھی اسدؔ ہے تو فوراً اسی دن 1828ء میں حضرت علیؓ کے لقب اسد اللہ غالب کی مناسبت سے تخلص غالبؔ اختیار کیا، کیوں کہ بقول محمد حسین آزادؔ، غالبؔ عوام الناس کے ساتھ مشترک حال ہونے کو نہایت مکروہ سمجھتے تھے۔

غالبؔ کا اصلی جوہر انفرادیت تھا۔ وہ ایک منفرد شخصیت اور خصوصیت کے مالک تھے۔ جس زمانے میں ہر شخص اردو پر سر دھنتا تھا، اس وقت وہ فارسی کی قلمیں لگا رہے تھے۔ جس دور میں شعرا اپنے کو اردو شاعر کہتے ہوئے اتراتے تھے، غالبؔ اردو سے کتراتے اور فارسی نظم و نثر کو اپنا فخر سمجھتے تھے۔ جہاں لوگ درباری مدح و ثنا کو مایۂ افتخار سمجھتے تھے، غالبؔ اسے سایۂ ننگ و عار جانتے تھے۔ جہاں سلیس اور آسان لفظوں میں شعر کہنا صنعت سمجھا جاتا، وہاں غالبؔ ندرتِ خیال اور مشکل بیان کو ترجیح دیتے تھے۔ خود کہتے ہیں:

مشکل ہے زبس کلام مرا اے دل!
سن سن کے اسے سخنورانِ کامل
آسان کہنے کی کرتے ہیں فرمائش
"گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل"

غالبؔ کے ہم عصر اردو پن پر سراہ رہے تھے، تو غالبؔ فارسی زدگی پر ناز کر رہے تھے۔ انفرادیت، لباس اور حلیے میں بھی ملحوظ رکھی۔ خود لکھتے ہیں۔" یہ یاد رکھیے، اس بھونڈے شہر (یعنی دہلی میں) ایک وردی عام ہے۔ ملا، حافظ، بساطی، پنچہ بند، دھوبی، سقہ، بھٹیارہ، جولاہا، منہ پر داڑھی اور سر پر لامبے بال، لیکن میں نے جس دن داڑھی رکھی اسی دن اپنا سر منڈوایا۔" اسی طرح غالبؔ، عام لوگوں سے جدا لمبی سیاہ پوستین کی ٹوپی پہنتے تھے اور ہزاروں کے مجمع میں فوراً شناخت کیے جاتے تھے۔ ۱۲۷۷ ہجری میں جب دہلی میں شدید وبا (ہیضہ) پھیلی اور ہزاروں لوگ مر گئے، تو اس کا حال اپنے شاگرد میر مہدی مجروحؔ کے خط میں لکھتے ہیں:" میں نے وبائے عام میں مرنا اپنے لئے لائق نہ سمجھا۔ واقعی اس میں میری کسرِ شان تھی۔" یعنی غالبؔ، عوام کے ساتھ مرنا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ اردو ادب کے چار عظیم شعرا میں میر تقیؔ، میر انیسؔ اور علامہ اقبالؔ نے اپنے اپنے دور میں کسی نہ کسی کو اپنا استاد بنایا اور اپنے ابتدائی دور میں ان سے فیض حاصل کیا، لیکن مرزا غالبؔ وہ تنہا عظیم شاعر ہیں، جنھوں نے کبھی شاگرد کی حیثیت سے کسی کے سامنے اپنا زانو خم نہیں کیا۔ علمائے ادب اور محققین نے اشارات کیے ہیں کہ مرزا غالبؔ بعض اوقات علم عروض و قواعد و نحو میں مصطفیٰ خان شیفتہ سے مشاورت کرتے تھے، لیکن بہر حال کسی کے کبھی بھی شاگرد نہ رہے۔

یہ بھی عجیب ہے کہ غالبؔ نے اپنے کو ہمیشہ فارسی کا شاعر جانا، لیکن آج سارے جہان میں غالبؔ کی پہچان، آن بان سب اردو شاعری اور نثر سے باقی ہے۔ غالبؔ اپنی فارسی شاعری پر فخر کرتے اور اسی کی وجہ سے زندہ و جاوید رہنے کی امید رکھتے تھے:

غالبؔ اگر این فن سخن، دیں بودے
آں دیں را کتابِ ایزدی، ایں بودے

یعنی اگر شاعری دین ہوتا تو میرا دیوان اس کی آسمانی کتاب ہوتا۔ کہیں کہتے ہیں۔

کوکبم را در عدم، اوجِ قبولی بودہ است
شہرت شعرم بہ گیتی بعد من خواہد شدن

یعنی میرا ستارہ میرے مرنے کے بعد چمکے گا اور میری شاعری کی شہرت دنیا میں میرے بعد ہوگی۔ غالبؔ نے پہلے عبد القادر بیدلؔ کے رنگ تخیل میں شعر کہنا شروع کیا:

اسدؔ ہر جا سخن نے طرح باغ تازہ ڈالی ہے
مجھے رنگ بہارِ ایجادی بیدلؔ پسند آیا

طرزِ بیدلؔ میں ریختہ کہنا
اسد اللہ خاں قیامت ہے

پچیس سال کی عمر تک غالبؔ پر بیدلؔ کی نازک خیالی اور مشکل پسندی سوار رہی ہے اور غالبؔ اس امتحان میں کوئی خاص امتیاز پیدا نہ کرسکے، چنانچہ بعض دوستوں جن میں مفتی صدرالدین قابل ذکر ہیں ان کی نصیحتوں پر عمل کرکے اپنے رنگ کو بدلا اور پھر فصاحت و بلاغت، سلاست و روانی، بیان اور مضمون آفرینی کی جولانیاں دکھانے لگے اور زمانے میں ابھرنے لگے، لیکن ابھی بھی ان کی زبان پر نعرہ وہی تھا:

فارسی بین تا بہ بینی نقشہائے رنگ رنگ
بگزر از مجموعہ اردو کہ بے رنگ من است

یعنی اگر نقش رنگی دیکھنا ہے تو فارسی کلام دیکھو، کیوں کہ اردو کا میرا مجموعہ بے رنگ ہے۔

ناظم ہروی نے ایک نظم میں مشاہیر شعرائے فارسی کی نام بنام مدح کی ہے اور انھیں استاد فن ٹھہرایا:

ز خسروؔ چوں بہ جامیؔ رسید
ز جامیؔ سخن را تمامی رسید

غالبؔ نے فارسی سخن تمام کو غلط قرار دیتے ہوئے فرمایا:

ز جامیؔ بہ عرفیؔ و طالبؔ رسید
ز عرفیؔ و طالبؔ بہ غالبؔ رسید

یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ جہاں بھی مقطع میں غالبؔ نے اپنے نام کو استعمال کیا ہے، وہ شعر قدرتی طور پر بلند، مشہور اور معروف ہوا۔ چند مقطعے ملاحظہ کیجئے۔

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالبؔ
شرم تم کو مگر نہیں آتی

یہ مسائل تصوف ، یہ ترا بیان غالبؔ
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

آتے ہیں غیب سے ، یہ مضامیں خیال میں
غالبؔ صریر خامہ نوائے سروش ہے

پانی سے، سگ گزیدہ ڈرے جس طرح اسدؔ
ڈرتا ہوں آئینہ سے ، کہ مردم گزیدہ ہوں

غالبؔ ! ندیم دوست سے آتی ہے بوے دوست
مشغول حق ہوں بندگی بوترابؑ میں

غمِ ہستی کا اسدؔ کس سے ہو ، جز مرگ علاج
شمع ہر رنگ میں جلتی ہے ، سحر ہونے تک

کچھ تو پڑھیے کہ لوگ کہتے ہیں
آج غالبؔ غزل سرا نہ ہوا

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت ، لیکن
دل کے خوش رکھنے کو ، غالبؔ یہ خیال اچھا ہے

ہائے اس چار گرہ کپڑے کی قسمت ، غالبؔ
جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا

حقیقت یہ ہے کہ بغیر لطیفے کے، بیان غالبؔ ناتمام ہے۔ ایک دن مرزا صاحب کے ایک رشید شاگرد نے کہا کہ حضرت! میں آج امیر خسروؔ کی قبر پر گیا تھا۔ مزار پر کھرنی کا درخت ہے۔ اس کی کھرنیاں دل کھول کر کھائیں۔ کھرنیوں کا کھانا تھا فصاحت و بلاغت کا دروازہ کھل گیا۔ دیکھیے تو، میں کتنا فصیح ہو گیا ہوں۔ مرزا نے کہا: ارے میاں! تین کوس کیوں گئے، میرے پچھواڑے میں جو پیپل کا درخت ہے، اگر اس کی پیپلیاں کھا لیتے تو تمھارے چودہ طبق روشن ہو جاتے۔

آخر میں غالبؔ ہی سے مدد لیتے ہوئے ہم بھی یہی کہتے ہیں :

پوچھتے ہیں وہ کہ غالبؔ کون ہے
کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا؟

☆......☆......☆

نیویارک لائبریری میں دیوانِ غالبؔ کا نایاب نسخہ

جولائی ۱۹۹۸ء میں راقم نے دیوان غالبؔ کے نایاب نسخہ کو نیویارک سنٹرل لائبریری میں دریافت کیا جو ۱۸۶۳ء میں آگرہ کے مطبع مفید خلائق سے شائع کیا گیا تھا۔ یہ نسخہ نمبر ۹۱۲۰ ۵۷ ۱ اس لائبریری میں ایک مقوّی کے ڈبے میں ۱۹۳۲ء سے محفوظ ہے اور اس ۶۶ سال کے عرصے میں کسی شخص نے اسے نہیں کھولا، کیوں کہ یہ کاٹیلاگ کی غلطی سے ہندوستانی ادب کے زمرے میں شامل نہ تھا۔ اس دیوان کے پہلے صفحہ پر پنسل کی پھیکی تحریر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ ۱۸۶۳ء میں آگرہ میں خریدا گیا۔ اندرونی صفحہ پر مسٹر ٹراوس نے دستخط کر کے ۴ دسمبر ۱۹۳۰ء تاریخ لکھی ہے۔

نیویارک لائبریری نے اس پر ۱۹۳۲ء کی مہر لگا کر محفوظ کیا تھا۔ ''دیوان غالبؔ'' کا یہ نسخہ اچھی حالت میں محفوظ ہے۔ یہ بڑی جلد کی کتاب کی صورت میں ۱۴۸ صفحات پر مشتمل ہے اور ہر صفحہ پر پندرہ سطریں لکھی گئیں ہیں۔ اس دیوان میں کل ۱۷۹۵ اشعار ہیں۔ دیوان آیت ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' سے شروع ہو کر اس بیت پر تمام ہوتا ہے۔

نگویم تا نباشد نغز غالبؔ
چہ غم گر ہست اشعار من اندک

(ترجمہ: غالبؔ عمدہ اور عالی اشعار کے سوا نہیں کہتا۔ اسے غم نہیں اگر اشعار بہت کم ہیں)

غالبؔ کا اُردو دیوان ان کی زندگی میں یعنی 1869ء تک پانچ مرتبہ شائع ہوا۔ غالبؔ کا دیوان پہلی مرتبہ اکتوبر ۱۸۴۱ء میں دہلی میں سر سید احمد خان کے بھائی سید محمد خان کے چھاپہ خانے میں مطبع سید الاخبار کے لیتھوگرافک پریس سے چھپا تھا۔ اس دیوان میں ۱۰۸ صفحات اور ہر صفحہ پر پندرہ سطریں ہیں اور اس میں کل ۱۰۹۵ اشعار ہیں۔ اُردو کا دوسرا ایڈیشن مئی ۱۸۴۷ء میں منشی نور الدین احمد لکھنوی کے مطبع دار السلام، حوض قاضی، دہلی سے چھپا۔ اس میں اشعار کی تعداد 1159 ہے۔ اس کا تیسرا ایڈیشن مطبع احمدی، دہلی سے جولائی ۱۸۶۱ء میں شائع ہوا جس میں ۸۸ صفحات اور ۱۷۹۶ اشعار ہیں۔ یہ ایڈیشن محمد حسین خان تحسین کی زیرِ نگرانی شائع ہوا۔ دیوان چوتھی بار ۱۸۶۲ء میں محمد عبد الرحمن خان کی زیرِ نگرانی مطبع نظامی، کانپور سے شائع ہوا۔ اس میں ۱۰۴ صفحات اور ۱۷۹۶ اشعار ہیں۔ ۱۸۶۰ء میں آگرہ کے مطبع مفید خلائق کے مالک منشی شیو نرائین نے غالبؔ کو خط لکھا

کہ آپ گھر کا مطبع چھوڑ کر باہر کیوں چھپوا رہے ہیں۔ چنانچہ غالبؔ نے انھیں دیوان شائع کرنے کی اجازت دی اور ۱۸۶۳ء میں یہ دیوان شائع ہوا جو نیویارک کی لائبریری میں موجود ہے۔ منشی صاحب دیوان میں غالبؔ کی تصویر چھاپنا چاہتے تھے، چنانچہ غالبؔ نے اپنی قلمی تصویر ان کی نذر کی تھی لیکن یہ تصویر دیوان میں نہیں چھپی۔ یہ دیوان غالبؔ کی زندگی کا آخری ایڈیشن ہے۔ اس دیوان کے آغاز میں غالبؔ نے ۲۲ سطروں میں فارسی میں مقدمہ لکھا، جس میں تاکید کرتے ہیں کہ اگر سخن سرایان کچھ پراگندہ اشعار، جو اس دیوان میں نہیں، دریافت کریں تو اسے دیوان کا جزو نہ بنائیں۔ غالبؔ کہتے ہیں:

''امید کہ سخن سرایان سخنور ستای پراگندہ ابیاتی را کہ خارج ازیں اوراق یابند از آثار رگ کلک این نامہ سیاہ نشاسند۔''

لیکن افسوس کہ دیوان مرتب کرنے والوں نے اس پر عمل نہ کیا اور اب جدید اڈیشنوں میں ۱۵۹۰ اشعار ایسے ملتے ہیں، جو اصلی دیوان میں شامل نہیں۔ یہ بھی زمانے کی ستم ظریفی ہے۔ ان اشعار کو باقیات کا جزو ہونا چاہیے تھا۔ غالبؔ نے اپنے مقدمہ کو اس طرح ختم کیا ہے۔ ''نقاش کے بہ اسداللہ خان موسوم بہ میرزا نوشہ معروف و بہ غالبؔ متخلص ست۔ چناں چہ کہ اکبرآبادی مولد و دہلوی مسکن ست۔ فرجام کار نجفی مدفن نزباد۔''

(ترجمہ: ''یہ نقاش اسداللہ خان کے نام سے موسوم، مرزا نوشہ کے نام سے معروف اور غالبؔ تخلص کرتا ہے، چنانچہ یہ متولدِ اکبرآباد اور مقیمِ دہلی ہے اور نجفِ اشرف میں دفن اس کا خاتمہ کار ہوگا)۔''

مرزا غالبؔ کی خواہش تھی کہ انھیں نجفِ اشرف میں دفن کیا جائے۔ عرفیؔ شیرازی کی طرح انھوں نے اپنے فارسی قصیدے میں لکھا:

چو عرفیؔ سرو برگ نازم کجا
با دعویٔ زبان درازم کجا
من ایں کار برخود گرفتم بہ چشم
بہ مژگان گر او رفت، رفتم بہ چشم

یعنی عرفیؔ شیرازی کی طرح میں ناز نہیں کر سکتا اور اس کی طرح زبان دانی کا دعویٰ بھی نہیں کر سکتا۔ میں نے نجف جانے کے لئے آنکھوں سے کام لیا ہے۔ عرفیؔ پلکوں کے بل گیا تھا، میں آنکھوں کے بل جاؤں گا۔

یہاں غالب، عرفی کی غزل کے مشہور شعر کی طرف اشارہ کر رہے ہیں:

بہ کاوش مژہ از گور تا نجف بروم　　　　اگر بہ ہند بہ خاکم کنند اگر بہ تتار

اس دیوان کے آخر میں نواب ضیاء الدین احمد خان نیّر درخشاں کی تقریظ ہے جو غالب کی بیوی کے چچا زاد بھائی تھے۔ وہ غالب کو اپنا استاد مانتے تھے اور اُردو فارسی میں شعر کہتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ صرف مطبع نظامی کے ایڈیشن کو چھوڑ کر ان دیوانوں میں ایک بھی ایسا نہیں جسے ہم کتابت اور ظاہری شکل وصورت سے تسلی بخش کہہ سکیں، چنانچہ ہمیشہ غالب نے اس حسرت کا اظہار کیا کہ ''کاش کہ میرا دیوان ایک مرتبہ تو حسن واہتمام سے چھپ جاتا۔''

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔

اگرچہ بیسویں صدی میں ''دیوانِ غالب'' کے متعدد عمدہ، دیدہ زیب اور قیمتی ایڈیشن شائع ہوئے لیکن اس میں اشعار کا اضافہ کیا گیا، جس کے لئے غالب نے منع کیا تھا۔

☆......☆......☆

غالب کی حمد

یہ سچ ہے کہ برصغیر میں حمد یہ ادب پر بہت کم تحقیقی اور تنقیدی کام ہوا۔ جب کہ برصغیر کے فارسی اور اُردو شعری کلام میں حمدوں کی کمی نہیں تھی۔ شاعری کو دین اور دنیا کے خانوں میں تقسیم کرکے دینوی شاعری کو شعرستان سے جلاوطن کرنے کی سازش ایک حد تک کامیاب ثابت ہوئی اگرچہ اس سازش میں دانستہ اور نادانستہ وہ شعرا اور تنقید نگار بھی شامل رہے جنھوں نے خود دینی شاعری کی نشو نما کی تھی۔ اگر انصاف اور تعصب کے بغیر عالمی ادب کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہر بڑی زبان کا شعری شاہکار کا مآخذ دینی یا عقیدتی سرچشمہ ہے تو پھر فارسی اور اُردو ادب کے ساتھ یہ برتاؤ کیوں روا رکھا گیا۔ اُردو مرثیہ جو ادب عالیہ کا عظیم سرمایہ ہے جس نے گلشن اُردو میں رنگ برنگی پھول کھلائے زبان و بیان کو خارجی اور داخلی واردات سے مالا مال کر دیا آج کسمپرسی کا شکار ہے۔ نعت اگرچہ گزشتہ چند دہائیوں سے ارتقا کی منازل پر گامزن نظر آرہی ہے لیکن اس کے لئے ابھی ادب عالیہ میں کوئی عالی مقام اِس لئے حاصل نہ ہوسکا کہ اس کو انیسؔ و دبیرؔ جیسے معمار نہ مل سکے بلکہ اس کے برخلاف مولویت کے خشک اور سخت پہرے اس کے موضوعات اور زبان پر بٹھا دیئے گئے اور شاعر کو ان پر سختی سے عمل کرنے کہ تنبیہ بھی کی گئی۔ رہا حمد کا مسئلہ وہ تو تصوف برائے شعر گفتن کی طرح صرف مجموعہ کلام کی پہلی سطروں پر بطور رسم تزئین کے ہو کر رہ گیا۔ اِسے اُردو ادب کی خوش بختی کہیے کہ اِدھر دس بارہ سال سے حمدوں کے مجموعہ اور حمدوں پر ادبی تحقیقی اور تنقیدی کتابیں اور مقالات منظر عام پر نظر آرہے ہیں۔ شاعری جذبات کی نمائش گری ہے محاکات کی روشنی اور خیالات کی بارش جب ذہن کے لق و دق صحرا پر آندھی بن کر ٹوٹتی ہے اور سیلاب کی تیز روانی کے مانند اشعار دل و دماغ سے بہنے لگتے ہیں تو اس میں سچائی اور صداقت کا زور ہوتا ہے اور اسی کو فطری اپج یا آمد کہتے ہیں جو اکتسابی شاعری سے بالکل مختلف ہوتی ہے چنانچہ دینی شاعری جس کا مبدا ماوا اور ملجا حمد ہے شاعری کی دوسری صنفوں اور قسموں سے اس لئے بھی جدا اور ممتاز ہے کہ اس میں بے تکلفی اور بے ساختگی ہے۔ یہاں حمد نگار عجز و انکساری کا پیکر ہے۔ وہ اپنے خالق حقیقی کی بارگاہ میں کُھلے دل سے اپنے دلی جذبات کو پیش کرتا ہے۔ اُس کے قلم سے نکلا ہوا ہر ہر حرف اس کے دل کی ترجمانی کرتا ہے یہاں عبد اور معبود کے درمیان حائل پردے ہٹ جاتے ہیں اور راز و نیاز کی منزلوں میں بندہ تکلفات سے برطرف ہو جاتا ہے اور معرفت

الٰہی کے بیکراں دریا میں غوطہ زن ہو کر عبادت عظمیٰ میں محو ہو جاتا ہے۔ اس شاعری میں اُسے داد و تحسین کی فکر نہیں

رہتی بلکہ بخشش وفا کی آرزو جس پر وہ مطمئن اور مسرور نظر آتا ہے۔ اِسی لئے حمد، مناجات اور دعا کو علیحدہ علیحدہ خانوں میں نہیں رکھا جا سکتا شاعر کے طرز بیان اور جذبوں کے اظہار سے اشعار مختلف شکلیں اختیار کر کے زبان وبیان کی محدودیت کا اعلان کرتے ہیں چنانچہ شاعر اگر دریا سے آب رحمت کو پوری طرح سینچ نہ سکے تو پھر بھی اپنی استطاعت کے مطابق اپنے ساغر قرطاس میں اتنا کھینچ لینے کی کوشش کرتا ہے کہ اُس کی تشنگی کسی حد تک کم ہو جائے۔ اِسی لئے برگزیدہ ہستیوں کی حمدیں جو ہمارے درمیان دعاؤں کی صورت میں موجود ہیں ان کی عالی ظرفی، وسیع قلبی اور معرفت کی بلندی کا پتہ دیتی ہیں۔ اگرچہ دعا، حمد اور مناجات کا گلدستہ ہے جس میں دعا کرنے والے کا مشاہدہ آفاق اور عرفان نفس شامل ہے اور اسی معرفت نفس و آفاق کی تاکید بھی آیات اور احادیث میں نظر آتی ہے۔

روایت ہے کہ حضرت آدمؑ نے جو پہلا کلمہ اپنی زبان سے ادا کیا وہ ''الحمد اللہ'' تھا اور اسی کلمہ کی نسبت سے قرآنی سورہ فاتحہ کو سورہ حمد بھی کہتے ہیں۔ حمد دراصل اسمائے باری تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس و توصیف ہے چونکہ اسمائے خداوندی میں صرف اللہ اسم ذات ہے اور باقی تمام نام اسم صفات ہیں اور تمام تعریف و ثنا اسم ذات میں نمایاں ہے۔ اِس لئے اسمِ اللہ سب سے مکمل اور سب سے عالی حمد ہے جس طرح محمدؐ الرسول اللہ سب سے مکمل اور سب سے عالی نعت ہے۔ اگرچہ اسم ذات کی توصیف ممکن نہیں اِس لئے حمد نگار اس کے باطنی جوہر جس کا اساس شکر اور تسلیم ہے اس کو اپنی عجز اور بندگی کے ساتھ ادا کرتا ہے۔

جیسا کہ اوپر بیان ہوا کہ لفظ حمد پہلی بار حضرت آدمؑ نے زبان سے دہرا کر پہلی حمد کہی اور قرآنی آیات کے بموجب ہر زمان و مکان میں تمام مخلوق حمد و ثنا میں مشغول رہے لیکن اگر حمد یہ تاریخ کا ادبی تحقیقی جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ دور رسالتمآبؐ میں حمد و نعت و منقبت ایک ہی سلسلہ نظم کا حصہ ہوتی تھیں جیسا کہ حضرت کعبؓ بن مالک اور حسانؓ بن ثابت کے اشعار سے ظاہر ہے۔

جناب رشید وارثی حمد کی تاریخ پر مبادیات حمد میں لکھتے ہیں۔ ''حضور اکرم کا زمانہ امت مسلمہ کے لئے تنازع للبقا اور معرفۂ حق و باطل اور اقامت دین کا دور تھا۔ لہٰذا وہ اپنی تمام صلاحیتوں کو جہاد پیہم اور اجتہاد مسلسل کے لئے بروئے کار لانے پر مجبور تھے۔ (رہا نعت گوئی کا معاملہ تو یہ اس دور کی اہم ترین ضرورت تھی تا کہ منافقوں اور مرتدین کے فتنوں سے عامتہ المسلمین کی حفاظت کی جا سکے) اور چونکہ تقریباً تمام مذاہب کے پیروکار وجود باری تعالیٰ کے قائل تھے۔ لہٰذا حمد نگاری کی اس دور میں بھی ضرورت محسوس نہ کی گئی۔ البتہ خلافت راشدہ کے آخری دور میں جب رسول ﷺ کے خلیفۂ برحق امیر المومنین حضرت علیؑ کرم اللہ وجہ کے خلاف حضرت معاویہ بن سفیانؓ

نے علم بغاوت بلند کر کے شام میں ملوکیت کی بنیاد رکھی تو مسلمانوں کے اخلاقی رویّہ پر اس کے بڑے منفی اثرات مرتب ہوئے اور وہ زر و مال کی ہوس میں جائز ناجائز اور حق و ناحق میں تفریق کو بھی فراموش کرنے لگے۔ اس اخلاقی زوال کے ساتھ بعض مسلمانوں کے عقائد و اعمال میں بھی بگاڑ پیدا ہونے لگا۔ اس پُر آشوب صورتحال میں ایک خلیفہ راشد کی حیثیت سے باب مدینۂ علم و حکمت حضرت علیؓ ابن ابی طالبؑ کرم اللہ تعالیٰ وجہ الکریم نے اقامت دین اور امر بالمعروف کی ذمہ داریاں انجام دیتے ہوئے جو فصیح و بلیغ خطبات دیئے اور جو پند و نصائح پر مبنی اشعار کہے ان میں حمد باری تعالیٰ، صفات باری تعالیٰ اور دعا و مناجات کے اعلیٰ ترین شواہد ملتے ہیں۔ یہ شواہد علم الٰہیات کے نقش اول کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ''المرتضیٰ'' میں بقول سید ابوالحسن علی ندوی رحمتہ اللہ علیہ کہ '' حضرت علیؓ کرم اللہ وجہ الکریم کی بلاغت نہ صرف اپنے زمانہ کی حد تک بلکہ ادب و بلاغت کے بین الاقوامی ریکارڈ اور تاریخ ادب کے مختلف ادوار کے لحاظ سے بھی ایک جداگانہ شان رکھتی ہے۔''

جہاں تک تنقیدی تقاضوں کا تعلق ہے حمد کے مضمون اور قلبی واردات پر گفتگو انفرادی اور subjective حیثیت رکھتی ہے اس پر پابندیاں حمد کے ارتقا میں مزاحمت کا باعث ہو سکتی ہیں۔ نعت کے بیان میں بھی پابندیاں مشکلات کا باعث اور ترقی کی راہ میں رکاوٹ پیش کر رہی ہیں۔ فنی مسائل کا جائزہ جائز ہے اور بہر حال حمد نعت اور منقبت چونکہ شاعری ہے اس لئے شاعری کے فنی اصولوں سے مستثنیٰ نہیں رہ سکتیں۔

ان نکات کی روشنی میں جب ہم غالبؔ کی حمدوں کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں سخت تعجب ہوتا ہے کہ اُردو و فارسی کے اس عظیم شاعر کی حمدوں کے بارے میں کوئی خاطر خواہ تحقیقی و تنقیدی کام تو ایک طرف اس عمدہ کلام سے عوام نہیں بلکہ خواص بھی نا آشنا ہیں۔ چونکہ مضمون کی طوالت ہمیں اجازت نہیں دیتی اس لئے غالبؔ کی دو فارسی حمدوں میں ہم ایک پر تفصیلی اور دوسری پر اجمالی گفتگو کریں گے۔

غالبؔ کے فارسی اور اُردو کلام میں حمدیہ مفرد اشعار کی کمی نہیں جو زیادہ تر شوخ اور طنزیہ ہیں اور صنعت ایہام و ابداع سے ان کے ظاہری معنی اور باطنی تصوّفی معانی میں فرق ہے لیکن سب میں کمال ربوبیت اور تحقیر بندگی نمایاں ہے۔ اس مضمون میں ہم نے ان اشعار پر گفتگو اس لئے بھی نہیں کی کہ دیوان غالبؔ پر لکھی گئی تیس (30) سے زیادہ شرحیں معرفت کے مضامین پر روشنی ڈالنے کے لئے کافی ہیں۔ ہم جن دو فارسی حمدوں کا ذکر کر رہے ہیں اُن میں ایک حمد جو دیوان فارسی میں قصیدہ اوّل حمد باری عز اسمہ کے عنوان پر نظر آتی ہے۔ اس حمد میں باون (52) اشعار ہیں۔ اس کا مطلع ہے :

یا خموشی ساخت پندارم بامید قبول
گفته خود حرفی و خود را در گماں انداختہ

غالبؔ نے اس حمد میں اپنے خاص طرز میں پہلے مشاہدہ آفاق کی گفتگو کی ہے اور تخلیق عالم کا خوبصورت تذکرہ کیا ہے تخلیق اشرف المخلوقات اور اس کے لئے عالم ایجاد میں یہ بزم آرائیاں باعث امتنان وشکر قرار دے کر اپنے بے مائیگی اور انکساری کا اقرار کیا ہے۔ غالبؔ اپنی معجز بیانی اور معنی آفرینی کو خدا کی دین بتا کر کہتے ہیں۔

دجلہ در ساغر معنی طرازاں ریختہ
رشحہ در کاسۂ دریا وکاں اندایختہ

غالبؔ کو جو آتش بیانی عطا ہوئی اُس نے اپنے قلم سے دنیا کو آتش زار بنا دیا۔ غالبؔ کی ہڈیوں کے اندر جو تو نے بانسری کی طرح کھوکھلی نالی رکھی اُس نے اس کی نغمگی سے توحید کے نغمہ کا شور برپا کیا۔ غالبؔ جو ایک بے بس ترک ہے اُس نے اپنی حمد میں خود کو فنا فی اللہ کر دیا۔ یہ وہ بلبل بے بضاعت ہے کہ جس نے شاخ طوبیٰ پر اپنا آشیاں بنالیا ہے۔ یہاں یہ ذکر بھی بے محل نہیں کہ علامہ اقبالؔ نے انہیں مضامین کو دوسرے لفظوں میں اپنے کلام میں پیش کیا ہے۔

سوخت عالم را صریر کلک من غالبؔ منم
کاتش از بانگ نی اند ر نسیاں انداختہ
می سرایم نغمۂ توحید و شور ایں نوا
چوں نیم سوراخھا در استخواں انداختہ
زانکہ ایں ترک تباہ اندیشہ در عنوان حمد
حرفی از فقر و فنا اندر میاں انداختہ
ایں گرانجاں عندلیب بے نوا کاندر خیال
شاخ طوبیٰ را ز بار آشیاں انداختہ

غالبؔ کی دوسری فارسی حمد جو (114) اشعار پر مشتمل ہے ان کی معرف مثنوی ’’ابر گہر بار‘‘ کے آغاز میں نظر آتی ہے۔ اس حمد کا حُسن یہ ہے اس میں مشاہدہ حق کی گفتگو بغیر بادہ وساغر کے مکمل کی گئی ہے۔ حمد میں مشاہدہ عالم اور مشاہدہ آدمؑ کا تجربہ اور تجزیہ ہے۔ مثنوی ابر گہر بار کا سرنامہ سخن یہ حمد اس مطلع سے طلوع ہوتی ہے۔

سپاسی کز و نامہ نامی شود
سخن در گذارش گرامی شود

یعنی وہ حمد کہ جس سے تحریر کی آبرو بڑھ جاتی ہے اور بات بیان میں وقعت پاتی ہے۔اس مطلع کے بعد مسلسل آٹھ اشعار میں غالبؔ ہر شعر کے آغاز میں ''سپاسے''یعنی وہ حمد کہہ کر یوں مضمون باندھتے ہیں۔

وہ حمد کہ جس سے بیان کی ابتدا ہوتی ہے،
جس سے کلام یوں ''نمودار'' ہوجاتا ہے جیسے رخسار سے خط۔
وہ حمد کہ جیسے ہی لبوں پر آئی،
رُوح کو اس نغمے سے راحت ملی۔
وہ حمد جو صاحبِ عقل اور ذی شعور انسان
خود کو شیطان کے شر سے محفوظ رکھنے کے لئے کرتا ہے۔
وہ حمد جسے غیب کے فرشتے
اپنی دُعا اور حمد میں بار بار دہراتے ہیں۔
وہ حمد کہ جسے سنتے ہی عشق الٰہی کے دیوانے،
قلم کی آواز پر دل دے دیتے ہیں۔
وہ حمد کہ جس کے ساتھ استغفار ہو،
جو دل سے نکلے اور دل پر اثر کرے۔
وہ حمد کہ جو دل کے جوش کی شدّت سے،
فکر سے غفلت کو دُور کردے۔
وہ حمد کہ جس سے ''وحدت'' کا جلوہ نظر آئے اور دُوئی مٹ جائے،
دل کو روشن کرنے والی اور بصیرت بڑھانے والی حمد۔

پھر فوراً گریز کر کے کہتے ہیں۔ہاں! حمد صرف اُسی خدا کی شایانِ شان ہے جو نفس کی تربیت کر کے حق بینی عطا کرتا ہے۔یہ غالبؔ کی جدّت ہے کہ مثنوی میں بطور تشبیب یا چہرہ (نو) اشعار لکھ کر گریز کیا اور پھر اسی مضمون کو

اسمائے صفاتی اوراسم ذات سے جوڑ کر دس بارہ شعر نام گرامی اللہ کا اثر اور تاثیر سے سجائے۔

متاع اثر بسکہ ارزاں دھد

مسیحا بداں مردہ را جاں دھد

چونکہ اسی نام کا اثر بہت ہے اِسی اسم سے حضرت عیسیٰؑ مردے کو زندہ کر دیتے ہیں۔

بود نام پاکش ز بس دل نشیں

تراشند پاکانش از دل نگیں

چونکہ اس کا پاکیزہ نام دل میں جگہ کرنے والا ہے اِس لئے پاکیزہ لوگ اس نام کے لئے اپنے دل کو نگینہ بناتے ہیں۔

بنامی کہ گم گشتہ بُردن درو

ز پہنّے نہ گنجد شمردن درو

اس کے ایسے نام کے ساتھ کہ جس کو لینا ممکن نہ ہو اور جس کے تعدّد کی گنجائش نہ ہو۔

یہاں اس شعر میں غالبؔ نے دریا کو کوزے میں بند کیا یعنی خدا احد ہے اور یہ واحد عددی نہیں اس مطلب کو امجدؔ حیدرآبادی نے اپنی رباعی میں یوں نظم کیا جو وحدت الوجود کا مضمون ہے۔

ذرّے ذرّے میں ہے خدائی دیکھو | ہر بت میں شان کبریائی دیکھو
اعداد تمام مختلف ہیں باہم | ہر ایک میں ہے مگر اکائی دیکھو

پھر غالبؔ قرآنی آیات کی ترجمانی کرتے ہوئے مشاہدہ عالم کی دعوت دیتے ہیں جس کی تاکید کی گئی ہے۔

بیندیش کایں چرخ و پرویں کراست

چنیں پردۂ ساز رنگیں کراست

تو سوچو یہ آسمان اور ستارے کس کے ہیں۔ اور ساز کا ایسا رنگین پردہ کس نے بنایا ہے۔

بیندیش کایں روزگار از کجاست

نمود طلسم بہار از کجاست

ذرا سوچو کہ یہ بدلتا ہوا زمانہ کہاں سے آیا اور بہار کا یہ جادو کدھر سے رنگ لایا۔

غالبؔ نے پھر عقل کی داستان چھیڑی عقل کی اہمیت دکھا کر اس کو بھی اصل کی خبر سے بے خبر بتایا اور وجدان اور احساس اور جذبہ کو عقل کا امام بتایا۔

خرد کز جہانیست پیشش خبر
نباشد ز عنواں خویشش خبر

یہی عقل جس کو خبروں کا ایک جہاں حاصل ہے اس کو اپنی اصل کی خبر نہیں۔

آگے چل کر کہتے ہیں۔ عقل جو اس کا عرفان چاہتی ہے تو اس عرفان کے ظہور سے عقل کی آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں۔

ان مطالب کے بعد خدا کی رحمت اور محبت جو مومن اور کافر پر اس دنیا میں یکساں ہے اور سب اس کی پناہ میں ہیں بڑے خوبصورت انداز میں بیان کرتے ہیں۔ اُس کی رحمت کے دروازے کھلے ہیں۔

مناجاتیاں پیش وی در نماز
خراباتیاں را بد و چشم باز

نماز میں دعا مانگنے والے اس کے سامنے سر بہ سجدہ ہیں، اور جو میخانہ کے رسیا ہیں وہ بھی اس کی طرف آنکھیں کھلی رکھتے ہیں۔

اگر کافر انند ز نہاریش
وگر مومناں در پرستاریش

اگر کافر ہیں تب بھی اس کی پناہ چاہتے ہیں اور مومن ہیں تو اس کی عبادت میں لگے ہوئے ہیں۔

پھر غالبؔ توحید پر ایک عظیم شعر کہتے ہیں۔

چوں ایں جملہ را گفتۂ عالم اوست
بہ گفت آنچہ ہرگز نیابید ہم اوست

یعنی جس طرح یہ سب کی سب جن کو تم نے عالم کہا اس کی ذات احد ہیں اُسی طرح وہ چیزیں جو ہیں اور بیان میں نہیں آسکتیں وہ بھی اس کی ذات میں ہیں۔

چوں ایں جا رسیدم ھمایوں سروش
بمن بانگ برزد کہ غالبؔ خموش

جب میں اس شعر پر پہنچا تو مبارک فرشتے نے مجھے پکارا کہ غالبؔ بس اب چپ ہو جاؤ۔

بپاشید در لرزہ بندم ز بند
تپاں ھمچو بر روے آتش سپند

مجھے کپکپی چڑھ گئی اور جوڑ جوڑ ٹوٹنے لگا بدن ایسا تپا جیسے آگ پر رائی کے سیاہ دانے۔

یہ تھا غالبؔ کا اندازِ بیان اور حمد کا سفر جس میں تمام لوازمات بندگی اور تمام کمالات ربوبیات کو حق المقدور اچھوتے انداز میں پیش کیا گیا۔ اس کی برصغیر نہیں بلکہ دنیا کے عربی فارسی اور اُردو ادب میں مثال نہیں۔

☆......☆......☆

حمد

ای ز وهم غیر غوغا در جهان انداخته
گفته خود حرفی و خود را در گمان انداخته

دیده بیرون و درون از خویشتن پروانگهی
پردۂ رسم پرستش درمیان انداخته

ای اساس عالم و اعیان به پیوند الف
همچنان بر صورت علم و عیان انداخته

نقش بر خاتم ز حرف بی صدا انگیخته
شور در عالم ز حسن بے نشان انداخته

چرخ را در قالب ابداع در واریخته
خاک را بر نطع پیدائی ستان انداخته

عاشقان در موقف دار و رسن وا داشته
غازیان در معرض تیغ و سنان انداخته

رنگها در طبع ارباب قیاس آمیخته
نکته ها در خاطر اهل بیان انداخته

آنچنان شمعی براه شیروان افروخته
اینچنین گنجی بجیب بیدلان انداخته

با چنین هنگامه در وحدت نمی گنجد دوئی
مرده را از خویش دریا بر کران انداخته

رایغی کش پویهٔ دشت خیالت در دلست
وهم در شبگیر دستش بر عنان انداخته

کاتبی کش نشهٔ وصف جلالت در سر است
لرزه در تحریر کلکش از بنان انداخته

نردبانی بسته با دیوار کاخی در نظر
انتعاشی در نهاد این و آن انداخته

رفته هر کس تا قدم گاهی و زانجا خویش را
پایه پایه از فراز نردبان انداخته

ای به نزهتگاه تسلیم رسولؐ حق شناس
ز آتش نمرود طرح گلستان انداخته

دی بہ رستاخیز تار و مار قوم ناسپاس
جان اژدر در تن چوب شبان اندختہ

ہر کجا سرہنگ حکمت در سیاستگاہ قہر
قرعۂ عرض شکوہ قہرمان انداختہ

در بروت نحس اصغر چنگ سفاکی زدہ
در گلوی سعد اکبر طیلسان انداختہ

از تو در ہنگامہ بازی خوردگان تار و پود
رقعہ رقعہ از پلاس و پرنیان انداختہ

وز تو در بازار سودا پیشگان ہست و بود
بے متاع آوازۂ سود و زیان انداختہ

دادہ در توحیدم آئین غزل گفتن بیاد
ای ہم از گفتار بندم بر زبان انداختہ

بر رخ چون ماہ برقع از کتان انداختہ
در نہفتن پردہ از راز نہان انداختہ

گشته با چشم بتانش نقش مطرحی درست
هـر کـرا دردت ببستـر نـاتوان انداختـه

شحنۀ عشقت کرا بنشانده بر نطع قصاص
بـر کـنـار نطع فـرش ارغـوان انداختـه

تـا بـود عـاشـق بـزنـدان عدم دایم اسیر
در نهـادش شـور سـودای دهـان انداختـه

تـا بـود شـاهـد بـه آزار دل عـاشق حریص
در دلـش ذوق سـمـاع الامـان انـداختـه

غم چو گیرد سخت نتوان شکوه از دلدار کرد
بهـر آسـانـی اسـاس آسـمـان انداختـه

گـل چـو مـاند دیر گردد بر دلش بازار سرد
بهر تـجـدیـد طـرب طـرح خزان انداختـه

گلخن افروزان داغت هشت گلشن را چو خص
در گـزار نـالـۀ آتـش فشـان انـداختـه

جاده پیمایان راحت نُه فلک را چون جرس
در گلوی ناقه های کاروان انداخته

آتشی از روی گلهای بهار افروخته
شعلهٔ در جان مرغ صبح خوان انداخته

دجلهٔ در ساغر معنی طرازان ریخته
رشحهٔ در کاسهٔ دریا و کان انداخته

سر به تیغ از دوش جانبازان سبک برداشته
بار بر دلهای نامردان گران انداخته

جز بدین آب آتش زردشت نتوان سرد کرد
کعبه را جوی بهشت از ناودان انداخته

جز بدین الماس نتوان اینچنین دُردانه سفت
رخنه از اسلام در کیش مغان انداخته

چشم را بخشیده چونان گردشی کارباب هوش
بر زمین دانند طرح آسمان انداخته

داده ابرو را بدینسان جنبشی کامل قیاس
در تن شمشیر پندارند جان انداخته

ای ز شرم خاکساران تو از شهپر هما
چون گلیم کهنه ظل را بر کران انداخته

ذوق تمکین گدایان تو گنج شاه را
از دل رنجور و چشم پاسبان انداخته

تا درین صورت ز چشم دشمنان پنهان بود
دوست را اندر طلسم امتحان انداخته

تا علاج خستگی آسایش دیگر دهد
خارها در ره گذار میهمان انداخته

ای عمل را داده فرجام مکافات عمل
گرچه دانا شرح آن را بر زبان انداخته

تند خویان را بداغ ناشکیبی سوخته
نام جویان را ببند دودمان انداخته

آنکـه وصفت را ز خود بینی بگفتن داده ساز
بـر سـمـنـد شعله خس بر گستوان انداخته

سوخت عالم را صریر کلک من غالبؔ منم
کـاتـش از بـانگ نـی اندر نیستان انداخته

رقص خس بر شعله زانسان سر خوشم دارد که من
دانـم انـدر بـاده سـاقـی زعـفـران انداخـتـه

میسـرایـم نـغـمـهٔ تـوحـیـد و شـور این نوا
چـون نیـم سـوراخهـا در استخوان انداخته

زانکه این ترک تباه اندیشه در عنوان حمد
حـرفـی از فـقـر و فـنـا اندر میان انداختـه

تا شناسد حد خود زین سرزنش خود را به قهر
در تـمـنـای بهشت جـاودان انـداخـتـه

ایـن گـرانجان عندلیب بینوا کاندر خیال
شـاخ طـوبـیٰ را ز بـار آشیـان انـداخـتـه

ز ابلهی سنجد که رضوان در هوای مقدمش
طرح جشنی تازه در باغ جنان انداخته

نیستش سرمایهٔ کردار تا مزدی بود
چشم بر رسم عطا و ارمغان انداخته

با خموشی ساخت پندارم بامید قبول
گفته خود حرفی و خود را در گمان انداخته

یا اسد اللہ الغالبؑ
مثنوی ناتمام موسوم بہ
''ابرِ گہر بار''

سپاسے کزونامہ نامی شود
سخن در گذارش گرامی شود

سپاسے کہ آغاز گفتار زوست
سخن چوں خط از رخ نمودار زوست

سپاسے کہ تا لب ازو کام یافت
روانہا بداں رامش آرام یافت

سپاسے کہ فرزانۂ دم شناس
بداں خویش رادارد از دیو پاس

سپاسے کہ فرُخ سروشانِ راز
براں زمزم آباد گویند باز

سپاسے کہ شوریدگانِ اَلَست
دہندش ببانگِ قلم دل زدست

وہ حمد کہ جس سے تحریر کی آبرو بڑھ جاتی ہے،
اور بات بیان میں وقعت پاتی ہے۔

وہ حمد کہ جس سے بیان کی ابتدا ہوتی ہے
جس سے کلام یوں ''نمودار'' ہو جاتا ہے جیسے رخسار سے خط۔

وہ حمد کہ جیسے ہی لبوں پر آئی
رُوح کو اس نغمے سے راحت ملی۔

وہ حمد جو صاحبِ عقل اور ذی شعور انسان
خود کو شیطان کے شر سے محفوظ رکھنے کے لئے کرتا ہے۔

وہ حمد جسے غیب کے فرشتے
اپنی دُعا میں بار بار دُہراتے ہیں۔

وہ حمد کہ جسے سنتے ہی عشقِ الٰہی کے دیوانے
قلم کی آواز پر دل دے دیتے ہیں۔

سپاسے بپوزش در آمیختہ
زدل جستہ و با دل آویختہ

سپاسے ز بسیاریٔ جوش دل
ز اندیشہ پیوند غفلت گسل

سپاسے دُوئی سوزِ کثرت رُبائی
سپاسے دل افروز بینش فزائی

خدارا سزد کز دروں پروری
بدیں شیوہ بخشد شناساوری

خدائے کہ زانگونہ روزی دھد
کہ ہم روزی وہم دوروزی دھد

بنامے کہ گم گشتہ بُردن درو
ز پرّے نہ گنجد شمردن درو

کسے راکہ باشد بر انگشتری
زَند گردِ او حلقہ دیو و پری

وہ حمد کہ جس کے ساتھ استغفار ہو،
جو دل سے نکلے اور دل پر اثر کرے

وہ حمد کہ جو دل کے جوش کی شدّت سے،
فکر سے غفلت کو دُور کردے۔

وہ حمد کہ جس سے ''وحدت'' کا جلوہ نظر آئے اور دُوئی مٹ جائے ،
دل کو روشن کرنے والی اور بصیرت بڑھانے والی حمد۔

اس خدا کے شایانِ شان ہے، جو باطن (نفس) کی پرورش یا تربیت
سے حق بینی عطا کرتا ہے (یا یہ کہ اس شیوۂ حمد میں قدرت بخشتا ہے)

وہ خدا جو اس طرح روزی دیتا ہے،
کہ رزق بھی ملے اور تندرستی بھی۔

اس کے ایسے نام کے ساتھ (حمد) کہ جس کو لینا ممکن نہ ہو
جس کے (ہمہ اوست ہونے کے سبب) تعدّد کی گنجائش نہ ہو۔

وہ نام جس کی انگوٹھی پر کندہ ہو ، شیطان اور پری سب اس کے
گرد حلقہ باندھ لیتے (اور اس کے حکم کی اطاعت کرتے) ہیں۔

متاعِ اثر بسکہ ارزاں دہد
مسیحا بداں مردہ را جاں دہد

رضا داد کاید بَبُردن ہمے
دہد تن بہ بندِ شمردن ہمے

نباشد اگر بخششِ عام او
کرا زہرۂ بُردنِ نام او

بفرخندگی ہر کہ نامش گرفت
ہما از ہوا راہ دامش گرفت

بود نام پاکش ز بس دل نشیں
تراشند پاکانش از دل نگیں

بدل ہر کہ سوزندہ داغش نہاد
پری رخ بہ پیشِ چراغش نہاد

بود سوزِ داغش ز بس دل پسند
سوایدا سزد بر جمالش سپند

چونکہ اس نام کا اثر بہت ہے،
اسی اسم سے حضرت عیسیٰؑ مُردے کو زندہ کر دیتے ہیں۔

اس نے اجازت دی ہے کہ اس کا نام لیا جائے،
اور وہ اسی پر راضی ہوا ہے کہ اور اشیا کے ساتھ وہ شمار میں آئے۔

اگر اس کا کرم عام نہ ہوتا تو،
کس کی مجال تھی کہ وہ نام زبان پر لا سکتا۔

جو شخص بھی اس کا نام لے اس کو اتنی برکت نصیب ہوتی ہے،
کہ ہما (جیسا مبارک پرندہ) فضا چھوڑ کر اس کے جال میں آ پڑتا ہے۔

چونکہ اس کا پاکیزہ نام دل میں جگہ کرنے والا ہے ، اس لئے پاکیزہ
لوگ اس نام کے لئے اپنے دل کو نگینہ بناتے ہیں۔

جو شخص بھی اپنے دل میں اس کا جلتا ہوا داغِ عشق رکھ لے ، اس
کے چراغ کے سامنے پری اپنا چہرہ رکھ دیتی ہے (یعنی پری اس
کے تابع ہوجاتی ہے)

اس کی محبت کے داغ کی جلن ایسی دل پسند ہوتی ہے کہ (نظرِ بد
سے بچانے کے لئے) اس داغ کے جمال پر سویدائے دل کو سپند کیا جائے۔

رضا جوئے ہر دل کہ درویش ہست
ہوا خواہ ہر رُخ کہ گردیش ہست

نہ رنجد ز انبوہ خواہندگان
نیاید ستوہ از پناہندگان

خَرَد جنسِ ہستی فرشندگاں
دہد مُزد بے ہودہ کوشندگان

رباید دل امّا ز دلدادگاں
کشد ناز لیکن ز افتادگاں

زبادی کہ بر دل وَزَد در نہفت
زباں را بہ پیداد رآرد بگفت

نگہ را کہ بیروں نہ باشد ز چشم
دہد بالِ پیدائی مہر و خشم

دل و دست باہم دگر دوختہ
دریں کیسہ کردار اندوختہ

وہ ہر اُس دل کی خوشی چاہتا ہے جس میں اس کا درد ہو ،
اور ہر اُس چہرے کو پسند کرتا ہے جس پر اس کا گرد و غبار ہو۔

سائلوں کے ہجوم سے وہ اُکتاتا نہیں اور
پناہ مانگنے والوں سے پریشان نہیں ہوتا۔

جو لوگ اپنی جان بیچنا چاہتے ہیں (یعنی فنا فی الحق ہونے والے)
اُن کا خریدار ہے۔ بے جا محنت (غلط عبادت) کرنے والوں کو
بھی ان کی محنت کا صلہ دیتا ہے۔

دل انھیں کا لیتا ہے جو اُسے دل دینے پر تلے ہوں،
ناز انھیں کے اٹھاتا ہے جو گرے ہوئے ہیں۔

باطن میں جو کچھ دل پر گزرتا ہے ،
زبان کے لئے گفتار سے اس کر ظہور میں لاتا ہے۔

وہ نگاہ جو آنکھ کے اندر ہی رہتی ہے،
اسی نگاہ کو محبت اور غصّہ ظاہر کرنے کی قوت بخشتا ہے۔

(انسان کے)دل اور ہاتھ کو ایک دوسرے سے یوں سی دیا ہے
(یعنی دل کے ارادے کا تابع عمل ہے) کہ اس تھیلی میں ''کردار'' کو جمع
کیا ہے۔ (یعنی انسان اپنے عمل کا ذمہ دار ہے)

روان و خرد باهم آمیختہ
ازیں پردہ گفتار انگیختہ

نہ زیں سو گہرہا شمردن تواں
نہ راہ اندریں پردہ بُردن تواں

نگاہے بگردندہ کاخِ بلند
کش اندازہ چوں ست و آثار چند

زرخشانیٔ گونۂ لاژوَرد
نمَد گونہ گوں رنگش از ہر نورد

بہریک نمودش دو صد رنگ در
بہریک نَو ردش صد آہنگ در

اگر جلوہ روشن ور آواز خوش
خم رنگ خوش پردۂ ساز خوش

بیندیش کایں چرخ و پرویں کراست
چنیں پردۂ ساز رنگیں کراست

جان اور عقل میں ربط اس طرح بٹھایا کہ (ساز کے) اس پردے
سے کلام کی صدا بلند ہوتی ہے (یعنی بہ سبب عقل گفتگو پیدا ہوتی ہے)

نہ پروے کے اس طرف سے موتی گنے جا سکتے ہیں(یعنی جان و عقل
سے جو سخن ہائے نغز ظاہر ہوتے ہیں نہ ان کا شمار ہو سکتا ہے) اور نہ
اس عقل و جان کے ربط کی حقیقت کو پہچانا جا سکتا ہے۔

اس گھومتے ہوئے بلند محل (آسمان) کی طرف ایک نگاہ ڈالو
دیکھو تو اس کی وسعت کتنی ہے اور کس قدر آثار ہیں۔

لاجوردی رنگ کے رخسار کی چمک سے،
طرح طرح کے رنگ اس کی ہر گردش سے نمودار ہوتے ہیں۔

اس کے ایک ایک رُوپ میں دو سو رنگوں کی نیرنگی ہے،
اور ہر گردش میں سیکڑوں (آواز کے) تناسب پوشیدہ ہیں۔

اگر منظرِ کائنات روشن ہے ، آواز خوش گوار ہے ، رنگ کا خم اور
ساز کا پردہ خوب اور دل نشیں ہے۔

تو سوچو کہ یہ آسمان اور ستارے کس کے ہیں،
اور ساز کا ایسا رنگین پردہ کس نے بنایا ہے۔

نگاھے ببازی گہ روزگار
ز بازی گرانش یکے نو بھار

کہ چوں سیمیا در نمود آورد
اثرھا ز بالا فرود آورد

کشاید ھوا پرنیانی بنفش
شود شاخ گل کاویانی درفش

شود باغ صحرائے محشر ز سرو
پردنامہ ھر سو ز بالِ تَدرو

بحالیکہ عریاں بود پیکرش
دمد چشمِ نرگس ز فرقِ سرش

چمن خلد و کوثر شود آبگیر
خیاباں ز جوشِ سمن جُوئے شیر

بیندیش کایں روزگار از کجاست
نمودِ طلسم بھار از کجاست

کھیل تماشے کے اس اکھاڑے یعنی زمانے پر نظر ڈالو،
اس کے بازی گروں میں ایک نو بہار بھی ہے

(بہار کا موسم تماشا دکھاتا ہے تو) سیمیا (جادو کے تماشوں) کی
طرح رنگا رنگی ظاہر ہوتی ہے، اور اوپر سے اثرات اُتر آتے ہیں۔

ہوا ریشمی بنفشہ کھول دیتی ہے اور، گلاب کی شاخ پر دُرفشِ
کاویانی (ایرانی شاہوں کا پرچم) لہرانے لگتا ہے۔

سَروں کے درختوں کی قطار سے باغ(یوں لگتا ہے جیسے) قیامت
کا میدان ہے اور، بٹیروں کے پرنامہ (اعمال) کی طرح اڑے پھرتے ہیں۔

چونکہ نرگس کا جسم برہنہ ہے،
تو سر سے اس کی آنکھ اُبھر آئی ہے۔

باغ، جنّت کا باغ معلوم ہوتا ہے ، تالاب حوضِ کوثر بن جاتا ہے ،
اور چمیلی کی کثرت سے کیاریاں دُودھ کی نہر نظر آتی ہیں۔

ذرا سوچو کہ یہ (بدلتا ہوا) زمانہ کہاں سے آیا،
اور بہار کا یہ جادو کدھر سے رنگ لایا۔

به نیروئے نُه چرخ برهم زدن
نشاید ز دانست او دم زدن

گروهے به بند گهر یافتن
فروبسته دل در زمیں کافتن

یکے را دم تیشه برکاں نخورد
یکے ره بنایاب گوهر نبرد

بدانش ترا دیده ور کرده اند
چراغے دریں بزم بر کرده اند

خرد کز جهانیست پیشش خبر
نباشد ز عنوانِ خویشش خبر

نه بیند جُزیں هیچ بینندهٔ
که مارا بود آفرینندهٔ

که اندازهٔ آفرینش بدوست
دمِ دانش و دادِ بینش بدوست

ایسی قوت سے بھی جو نو آسمانوں کو برہم کردے،
یہ ممکن نہیں کہ اس (طلسمِ بہار) کی حقیقت کو پہونچ سکیں۔

لوگوں کا ایک گروہ ہے کہ جواہرات کی تلاش میں لگا ہوا ہے اور
زمین کی کھدائی کی دُھن میں ہے۔

کسی ایک کے تیشے کی دھار کان تک نہیں پہنچی،
اور کسی نے یہ نایاب گوہر نہ پایا۔

تمہیں عقل دے کر صاحبِ نظر بنایا گیا ہے،
یہ ایک چراغ ہے جو اس محفل میں اُجالا کر رہا ہے۔

یہی عقل جس کو خبروں کا ایک جہان حاصل ہے (یعنی بے شمار ،
اخبار) اس کو اپنی اصل کی خبر نہیں ہے۔

کسی صاحبِ نظر کی نگاہ اس کے سوا اور نہیں دیکھتی کہ
ہمارا کوئی نہ کوئی پیدا کرنے والا ضرور ہے۔

جسے (دنیا) کی پیدائش کا صحیح اندازہ ہے،
اور ہم کو عقل اور بصیرت کا بہرہ اسی سے ملا ہے۔

جہاں داورِ دانش آموزگاہ
بہ خور روشنائی دہ روزگار

کشایندۂ گوہر آگیں پرند
ز پرویں بہ پہنائے آں نقشبند

نگارندۂ پیکرِ آب و گل
شمارندۂ گوہرِ جان و دل

بگردش در آرندۂ نُہ سپہر
بگردوں بر آرندۂ ماہ و مہر

رواں را بدانست سرمایہ ساز
زباں را بہ گفتار پیرایہ ساز

بہ شاہی نشانندۂ خسرواں
ز رہزن رہانندۂ رہرواں

بہ دانش بہ اندیشِ فرزانگاں
بہ مستی نگہدارِ دیوانگاں

جہاں کا حاکم اور عقل سکھانے والا،
اور دُنیا کو سورج کے ذریعۂ روشنی دینے والا کوئی ہے۔

موتیوں سے بھرے ہوئے پرند (آسمان) کو کھول دینے والا (حرکت کے لئے) اور ثریّا سے اس کی سطح پر نقش و نگار بنانے والا۔

پانی ، مٹی کی مورت بنانے والا،
اور جان و دل کے موتی کی قدر کا اندازہ کرنے والا۔

نو آسمانوں کو گردش دینے والا،
اور ان پر چاند ستارے نکالنے والا۔

رُوح کو سوجھ بوجھ سے مالا مال کرنے والا،
اور زبان کو کلام کا زیور بخشنے والا۔

بادشاہوں کو (تختِ) شاہی پر بٹھانے والا،
اور لوٹنے والوں سے مسافروں کو بچانے والا۔

عقل کے ذریعے عقل مندوں کی بھلائی کرنے والا،
اور مستی کے عالم میں دیوانوں پر نظر رکھنے والا۔

شناسا گرِ راز دانان براست
توانا کنِ ناتوانان بخواست

جگر راز خونابه آشام ده
نفس را به بیتابی آرام ده

بَهر دم ز آواز پیوند بخش
بهر پیکر از دل جگر بند بخش

هم از سر خوشی شور درمی فگن
هم از ناله جاں در تنِ نی فگن

رواں را به دانش گهر زائے دار
جہاں را بدستور بر پائے دار

شناسندگاں را بخود رہنمائے
ہراسندگاں را غم از دل ربائے

نفسہا بسودائے او نالہ خیز
جگرہا بہ صحرائے او ریز ریز

جو لوگ رازداں ہیں (نکتے) کی بات سمجھتے ہیں اُن کو راہِ راست
سے روشناس کرنے والا ، اور کمزوروں کو مطلوبہ طاقت دینے والا۔

لہو دے کر جگر کی پیاس بجھانے والا
اور سانس کو (آمدورفت کی بے قراری سے) راحت بخشنے والا۔

ہرسانس کو آواز کے ساتھ ربط دینے والا، اور ہر ایک جسم کو دل
دے کر سب سے عزیز شے (جگر بند) عطا کرنے والا۔

شراب میں ، مستی سے شورش پیدا کرنے والا،
اور بانسری کے بدن میں نالۂ سرود سے جان ڈالنے والا۔

جان کو عقل دے کر اس قابل کرنے والا کہ وہ موتی اگلے،
اور دنیا کے نظام کو قائم رکھنے والا۔

جو پہچاننے والے ہیں ان کو اپنی جانب راستہ دکھانے والا ،
اور ڈرنے والوں سے ڈر کا غم دُور کرنے والا۔

وہی ہے جس کی دھن میں سانسوں سے فریاد اٹھتی ہے،
اور اسی صحرا میں جگر ٹکڑے ہوتے ہیں۔

رگِ ابر را اشکباری ازوست
دمِ برق را بیقراری ازوست

زبانهائے خاموش گویائے او
نہاں ھائے اندیشہ پیدائے او

بگویائی از وے زبانِ فصیح
خورد زلّۂ زاچ سورِ مسیح

بجُنبش ازو نال کلک دبیر
نماید بَمردُم رگِ جانِ تیر

خرد را کہ جوید شناسائیش
نگہ خیرہ در برق پیدائیش

دوئی بے کن مردۂ در رَھش
خودی دادگر شحنۂ در گھش

گر از جاں سپارانِ نازش کسیست
ور از پردہ دارانِ رازش کسیست

بادل کی رگ سے آنسو ٹپکتا ہے تو اس کی بدولت،
اور بجلی میں بے چینی بھری ہے تو اس کے سبب۔

خاموش زبانیں (زبانِ حال سے) اس کے وجود کی شاہد ہیں ،
اور خیال میں چھپی ہوئی باتیں اس پر ظاہر ہیں۔

اس کی ذات سے فصیح زبان ، گفتار میں
ولادتِ مسیح کے جشن کی دعوت سے ٹکڑے چنتی ہے۔

انشا پرداز کا قلم اپنی حرکت میں اسی کی ذات سے
لوگوں کو عطارد کی رگِ جاں دکھاتا ہے۔

عقل جو اس کا عرفان چاہتی ہے تو،
اس عرفان کے ظہور سے عقل کی آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں۔

اس کی راہ میں دوئی (کا وجود نہیں وہ) بے کفن مُردہ ہے اور خودی
اس کی درگاہ کا منصف پاسبان ہے (کہ جو اپنی ذات کو پہچانا وہ اس کی بارگاہ
میں پہنچایا جاتا ہے)۔

اگر کوئی اس کے ناز پر جان دینے والا ہے،
اور اگر کسی نے اس کے راز کی پردہ داری کی۔

مرآں را پلارک رگِ گردنے
مرایں را روانِ مُجرّدتنے

ز گرمی که باشد به هنگامه اش
ز تیزی که دارد قط خامه اش

زبانهائے افسردگاں آتشیں
منشهائے سنگیں دلاں نازنیں

زهے هستی محض و عینِ وجود
که نازد بیکتائیش هست و بود

ز شاخا به کز قلزمے سردهد
بهر تشنه آشام دیگر دهد

بیک باده بخشد ز پیمانۂ
بهر ذرّه رقصِ جُداگانۂ

جهانے ز طوفاں بغرقاب در
هنوزش هماں چیں بگرداب در

تو گردن کی رگ اس کے لئے تلوار بن گئی (تلوار کی دھار پر زندگی
کاٹ دی) اور اس کی جان جسم سے مستغنی ہو گئی۔

اس کے ہنگامے میں اتنی شدید گرمی ہے،
اور اس کے قلم کے قط میں وہ تیزی ہے کہ

بجھے ہوئے لوگوں کو زبانیں آگ اگلنے لگتی ہیں ، اور پتھر جیسے دل والوں
کی فطرت بدل کر نازک ہو جاتی ہے۔ خلاصہ : جس کی لو اس سے لگی ہو
اس کی ماہیت بدل جاتی ہے، افسردگی آگ میں اور پتھر موم میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

اس ہستی مطلق کا کیا کہنا جو عین وجود ہے،
جو کچھ ہے ، جو کچھ تھا ، (سارا عالم) اس کی یکتائی پر ناز کرتا ہے۔

وہ اس نہر سے جو (اس کے وجود کے) سمندر سے کٹ کر نکلی ہے
ہر یک پیاسے کی پیاس الگ الگ بجھا دیتا ہے۔

ایک ہی شراب سے ایک ایسا پیمانہ دیتا ہے کہ،
ہر ذرّہ اس کی مستی میں انوکھا رقص کرتا ہے۔

ایک عالم طوفان میں ڈوبا جا رہا ہے پھر بھی ، بھنور کی صورت میں
اس کے ماتھے کا بل وہی موجود ہے (یعنی مزید غرقابی کا طالب ہے)۔

گروہے زمستی بغوغا دروں
ہنوزش ہماں مَی بہ مینا دروں

اسیرش زبندے کہ برپائے اوست
سگالد کہ بر تختِ چیں جائے اوست

شہیدش بخویش از طرب بہرہ مند
بجز چشم زخمش نباشد گزند

زبانگے کہ خیزد زخونِ دردلش
بداں تار مانند رگِ بسملش

کہ چوں خواہدش رغبت انگیز تر
مغنّی کند زخمہ را تیز تر

شبستانیانش زمے غازہ جوئے
بیابانیانش زخور تازہ روئے

گرانمایگاں غرقِ کوثر ازو
خساں خستۂ موجِ ساغر ازو

ایک گروہ مستی میں شور مچائے جا رہا ہے،
جام شراب ویسے ہی بوتل میں بھری ہے۔

جو شخص اس کی (محبت کی) قید میں ہے ، وہ اس بیڑی پر
ایسا فخر کرتا ہے گویا سلطنتِ چین کے تخت پر جلوہ افروز ہو۔

جو اس پر قربان ہو گیا وہ اپنی جگہ ایسا خوش ہے کہ
نظرِ بد کے سوا کوئی تکلیف اُسے نہیں پہنچ سکتی۔

اس (شہید) کے دل میں جو آواز خون سے اٹھتی ہے
اس کی وجہ سے رگِ بسمل ایسے تار کی مانند ہوجاتی ہے کہ

اسے تڑپنے پر زیادہ راغب کرنا چاہتا ہے تو،
مغنّی (خدا) زخمہ تیز کردیتا ہے ۔ (مضراب ساز پر تیز چلاتا ہے)

جو لوگ اس کے شبستانی ہیں (یاد کی خلوت میں رات بسر کرتے ہیں)
اُن کے چہروں پر شراب کا آب و رنگ ہے اور جو اس کے بیابانی
ہیں (جنگلوں میں مارے مارے پھرتے ہیں)ان کے چہرے آفتاب سے
دمک رہے ہیں۔

جن کے مرتبے بلند ہیں وہ اس کی بدولت حوضِ کوثر میں غرق ہیں ،
اور جو کم درجے کے لوگ ہیں، وہ پیالے کی موج سے ہی ہلاک ہو رہے ہیں۔

مناجاتیاں پیش وے در نماز
خراباتیاں را بد و چشم باز

اگر کافرانند زنہاریش
وگر مومناں در پرستاریش

ھُوَالحق سرایانِ او غیب جوئے
اَناالحق نوایانِ او تلخ گوئے

رہش راز جانہا غبارے بلند
غمش راز خالِ عروساں سپند

نہ تنہا خوشے ناز پروردِ اوست
کہ غم نیز دل را رہ آوردِ اوست

اگر شادکامے شکر می خورد
وگر نامرادے جگر می خورد

نماز میں دعا مانگنے والے اس کے سامنے سر بہ سجدہ ہیں
اور جو میخانے کے رسیا ہیں وہ بھی اس کی طرف آنکھیں کھلی رکھتے ہیں۔

اگر ''کافر'' ہیں تب بھی اس کی پناہ چاہتے ہیں،
اور ''مومن'' ہیں تو اس کی عبادت میں لگے ہیں۔

جنھوں نے کہا کہ بس وہی حق ہے، انھوں نے غیب کے راز کی تلاش کی،
اور جنھوں نے نعرہ لگایا کہ میں حق ہوں (خدا کو اپنی ''ذات'' پایا)
وہ ایک تلخ (سچّی) بات کہہ گئے۔

اس کی راہ میں جانوں کا غبار اٹا ہوا ہے (یعنی اس کی راہ میں اس قدر جانیں
قربان ہوئی ہیں کہ راہ جانوں کے غبار سے بھر گئی ہے)
اور اس کے غم (الفت) پر دلہنوں کے چہرے کے تل، رائی کے کالے
دانوں کی جگہ جلتے ہیں۔

صرف خوشی ہی اس کی چہیتی نہیں
بلکہ دل کو غم کو سوغات بھی اسی نے دی ہے۔

اگر کوئی بامراد آدمی شکر کھاتا ہے (زندگی کے مزے لیتا ہے)
اور اگر کوئی نامراد اپنا لہو پی رہا ہے۔

نہ آں نشاطے بہ پیوندِ اوست
کہ ایں ہم بہ ہستی نشاں مندِ اوست

ز آئین نگاراں بہ ہنگامہ در
رقم گشتہ نامش بہر نامہ در

لغت زاں شود تازی و پہلوئے
کہ بالد سخن چوں پزیرد نوے

سخن گر بصد پردہ دمساز گشت
چناں کامد از وے بوئے باز گشت

بہر لب کہ جوئی نوائے ازوست
بہر سر کہ بینی ہوائے ازوست

اگر دیو ساریست بیہوش و ہنگ
کہ ہموارہ پیکر تراشد ز سنگ

بہ بت سجدہ زاں رو روا داشتہ
کہ بت را خداوند پنداشتہ

تو نہ صرف اوّل الذکر کا نشاط خدا کے علاقہ سے ہے
بلکہ یہ دوسرا بھی اپنے وجود سے اس کی ذات کا نشان دے رہا ہے۔

قوانینِ الٰہی لکھنے والے ہنگامۂ تحریر میں
ہر کتاب میں اسی کا نام لکھتے ہیں (یعنی سب دین کی کتابیں اللہ سے منسوب ہیں)

انسانی زبانیں اس وجہ سے عربی اور فارسی میں بٹی ہوئی ہیں
(بہت سی الگ الگ زبانیں اس لئے ہیں) کہ کلام نئے لباس میں آکر بہتر ہوتا ہے۔

کلام چاہے سو پردوں سے نکلے لیکن، جس طرح شروع اس کی ذات سے ہوا
ایسے ہی اس کی ذات کی طرف پلٹ جاتا ہے ۔
(کلام کی ابتدا بھی اسی سے ہے، اور انتہا بھی اسی پر)

جس لب کو دیکھو اسی کی صدا پاؤ گے،
ہر ایک سر میں اسی کا سودا سمایا ہوا ہے۔

اگر کوئی شیطان صفت ہے ، عقل و ہوش کھو بیٹھا ہے،
اور پتھر کے بت تراشا کرتا ہے۔

تو اس نے بھی بُت کے آگے سر جھکانا اسی لئے گوارا کیا،
کہ مورتی کو (خدا) سمجھتا ہے۔

و گر خیرہ چشمیست نیّر پرست
بہ دُرد می از جامِ اندیشہ مست

بہ مہرش ازاں راہ جنبیدہ مہر
کزیں روزنش دوست بنمودہ چہر

ز تارے درونان، آہریمنی
گروہے بود کز خعد دشمنی

زبس داد نا آشنائی دہند
بہ آتش نشان خُدائی دہند

بہ تن ہا بہ آذر گرایش کناں
بہ دلہا خدارا نیایش کناں

گروہے سراسیمہ در دشت و کوئے
خداوند جوی و خداوند گوئے

زرسمے کہ خود را بر آں بستہ اند
بہ یزداں پرستی میاں بستہ اند

اگر کوئی شخص آنکھیں چکاچوندھ ہونے کے سبب ٹھیک سے نہیں دیکھ سکتا
اور سورج کی پوجا کر رہا ہے، خیال کے جام سے تلچھٹ پی کر ہی مست،

ہو گیا ہے تو بھی اسی کی محبت میں سورج تک گیا ہے (سورج کے روشن)
جھروکے سے دوست (خدا) نے ہی اسے درشن دئے ہیں۔

سیاہ باطن لوگوں میں سے ایک گروہ ایسا بھی ہے جو عقل کی دشمنی
میں نا سمجھی اور غلط فہمی کا شکار ہو گیا۔

اس نے آگ کو ہی،
خدا کا رُوپ سمجھ لیا۔

(لیکن حقیقت یہ ہے کہ) اُن کے بدن ہی بدن اگنی پوجا کر رہے ہیں
ورنہ دلوں میں خدا کا گن گان بھرا ہے۔

ایک گروہ ہے جو دشت اور بستی میں پریشان ہے
اسے بھی خدا کی ہی جستجو ہے اور اس کا نام زبان پر ہے۔

انھوں نے خود کو جس ریت رسم کا پابند کر لیا ہے
اس کے ذریعے خدا پرستی پر ہی کمر باندھی ہے۔

ز مهرے کہ بیخواست در دل بود
پرستند حق گر بباطل بود

نظر گاہ جمع پریشاں یکیست
پرستندہ انبوہ و یزداں یکیست

کدامے کشش کاں ازاں سوئے نیست
بدو نیک را جز بَسُے روئے نیست

جہاں چیست آئینۂ آگہی
فضائے نظر گاہ وجُہ الٰہی

نہ ہر سو کہ رو آوری سوئے اوست
خود آں رو کہ آوردۂ روئے اوست

ز ہر ذرّہ کارے بہ تنہائیش
نشاں بازیابے ز یکتائیش

چوں ایں جملہ را گفتۂ عالم اوست
بہ گفت آنچہ ہرگز نیاید ہم اوست

اُن کے دلوں میں آپ سے آپ جو (خدا کا) پیار سمایا ہے، تو بھی غلط طریقے ، سے سہی لیکن پوجا حق (ستیہ) کی ہی کر رہے ہیں۔

بکھرے ہوئے لوگوں کی اس بھیڑ کا مرکزِ نگاہ ایک ہی ہے۔ پوجنے والا ، ایک ہجوم لیکن جسے پوجا جاتا ہے وہ ایک ہی ہے۔

وہ کون سی کشش ہے جو اس کی طرف سے نہیں ہے، بُرا ہو یا اچھا ، ہر ایک کا رُخ اسی کی طرف ہے۔

یہ دنیا کیا ہے ، علم و خبر کا ایک آئینہ ، ایک فضا پھیلی ہے جس میں نظر ٹھیرتی ہے تو سامنے خدا کی صورت دیکھتی ہے۔

صرف یہی نہیں کہ جدھر منہ کرو اسی کی طرف رُخ ہوگا بلکہ وہ چہرہ جو تم موڑو گے وہ بھی اسی کا چہرہ ہوگا۔

اپنی تنہائی میں جو خدا نے ذرہ کاری کی ہے، تو ہر ذرہ کاری سے تم اس کی یکتائی کا نشان پاؤ گے۔

جس طرح یہ سب کی سب جن کو تم نے عالم کہا اسی کی ذاتِ واحد میں اسی طرح وہ چیزیں جو ہیں اور بیان میں نہیں آسکتیں ، وہ بھی اسی کی ذات ہیں۔

چوں ایں جا رسیدم ھمایوں سروش
بمن بانگ برزد کہ غالبؔ خموش

بپاشید در لرزہ بندم ز بند
تپاں ھمچو بر روئے آتش سپند

چو از وے پزیرائے راز آمدم
مناجات را پردہ ساز آمدم

بہ ساز نیایش شدم نغمہ ریز
بداں تا بدنساں کنم زخمہ تیز

جب میں اس شعر پر پہنچا تو مبارک فرشتے نے مجھے پکارا ،
کہ غالبؔ بس اب چپ ہو جاؤ۔

مجھے کپکپی چڑھ گئی اور جوڑ جوڑ ٹوٹنے لگا،
بدن ایسا تپا جیسے آگ پر رائی کے سیاہ دانے

جب میں نے اس (فرشتے) سے راز کا پیغام قبول کر لیا تو
مناجات لکھنے کی طرف مائل ہوا

میں جو حمد کے ساز پر نغمہ گاتا رہا،
وہ اس لئے کہ مضراب کو ایسا تیز کرلوں۔

غالب کی فاتحہ

قرآن مجید کے پہلے سورہ حمد کو سورہ فاتحہ الکتاب بھی کہتے ہیں۔ چونکہ مُردوں کی روح کو ثواب بھیجنے کے لئے بھی سورہ حمد کی تلاوت کرتے ہیں اس لئے اس کو فاتحہ پڑھنا یا فاتحہ خوانی کرنا بھی کہتے ہیں۔ برصغیر کے اسلامی ماحول میں شہدا کی روح کو شاد کرنے اور ان کے وسیلے سے دعا کرنے کا رواج پرانا ہے جس میں شربت اور مٹھائی پر فاتحہ پڑھ کر نذرو نیاز تقسیم کی جاتی ہے۔ یہاں فاتحہ پڑھنے والا قبلہ رخ کھڑے ہو کر ہاتھوں کو اٹھا کر دعا میں سورہ حمد پڑھنے کے بعد کچھ مناجاتی یا دعائیہ اشعار پڑھتا ہے۔ غالبؔ کے فارسی کلام میں ایسی دو فاتحہ ہمیں نظر آتی ہیں۔ پہلی فاتحہ میں (67) اشعار اور دوسری فاتحہ میں بیس (20) اشعار ہیں۔ پہلی فاتحہ کا مطلع ہے۔

بھر ترویح جناب والی یوم الحساب

ضامن تعمیر شارستان دلھای خراب

یعنی برائے خوشنودیٔ سرپرست روز حساب جو شکستہ دلوں کی درستگی کی ضمانت کرتا ہے۔

دوسری فاتحہ کا مطلع ہے۔

بھر ترویح نبیؐ حاکم ادیان و ملل

کارفرمای نبوت ابداً ھم ز ازل

یعنی برائے خوشنودی نبی کریم جو حاکم دین وملت ہے اور جن کی نبوت ازل سے ابد تک قائم ہے۔

راقم نے ترویح کے لغوی معنی ’’خوش کردن کسی را‘‘ لغت نامہ دھخدا سے لئے ہیں۔ پروفیسر نذیر احمد صاحب غالبؔ کی فارسی قصیدہ نگاری کے ذیل اپنی کتاب غالبؔ پر چند مقالے میں لکھتے ہیں۔ ’’غالبؔ کے قصائد میں ۱۳ مذہبی قصیدے ہیں جن میں ایک حمد باری میں، تین نعت میں، چار حضرت علیؑ کی منقبت میں، دو حضرت امام حسینؑ ایک حضرت عباسؑ بن علیؑ، ایک حضرت امام مھدیؑ کی منقبت میں ہے۔ قابلِ توجہ امر یہ ہے کہ ائمہ اثناعشر میں صرف تین اماموں کی منقبت لکھی گئی ہے حضرت امام حسنؑ اور آٹھ دوسرے ائمہ سے صرف نظر کرنا تعجب خیز امر ہے۔ موجودہ قصائد سے یہ بات پوری طرح واضح ہے کہ غالبؔ شیعی عقیدے کے حامل تھے اس عقیدے کا تقاضا ہے کہ ان کو صرف تین اماموں کی مدح پر بس نہ کرنا تھا۔‘‘

پروفیسر نذیر احمد صاحب نے بالکل صحیح لکھا کہ غالبؔ کو صرف تین اماموں کی مدح پر بس نہ کرنا تھا اور

غالبؔ نے بھی صرف تین اماموں کی مدح کرکے بس نہیں کیا بلکہ پورے بارہ اماموں کی مدح کی اور نہ صرف بارہ اماموں کے نام لے لے کر منقبتی اشعار لکھے بلکہ اس میں حضور اکرمؐ اور ان کی گوشۂ جگر حضرت فاطمہؑ کے نعتیہ اور منقبتی اشعار لکھ کر چودہ معصومؑ کی مدح خوانی کی جوان کے فارسی دیوان میں موجود ہے۔

غالبؔ کی ان دو فاتحہ کی نظموں میں نعتیۂ اشعار کے بعد حضرت فاطمہؑ کی منقبت اور پھر بارہ امام یعنی حضرت علیؑ سے لے کر حضرت مہدیؑ تک ہر امام کا نام گرامی لے کر منقبتی اشعار، پھر مناجاتی انداز میں چند دعائیہ شعر بھی ملتے ہیں۔ دونوں فاتحہ کے مکمل اشعار اس کتاب میں موجود ہیں جن کی تکرار سے ہم یہاں گریز کررہے ہیں۔ ذیل کی جدول میں ان دونوں فاتحہ میں چودہ معصومین کی شان میں کہے گئے اشعار کی تعداد بتائی گئی ہے:

اسم گرامی	فاتحہ نمبر 1۔ کل اشعار 67 تعداد شعر	فاتحہ نمبر 2 کل اشعار (20) تعداد شعر
حضرت محمدؐ مصطفیٰ	8	1
حضرت فاطمہ زہراؑ	3	1
حضرت علیؑ	8	1
حضرت امام حسنؑ	5	1
حضرت امام حسینؑ	5	1
حضرت امام زین العابدینؑ	3	1
حضرت امام باقرؑ	1	1
حضرت امام جعفر صادقؑ	2	1
حضرت امام موسیٰ کاظمؑ	1	1
حضرت امام رضاؑ	1	1
حضرت امام تقیؑ	1	1
حضرت امام نقیؑ	1	1

1	2	حضرت امام عسکریؑ
2	6	حضرت امام مھدیؑ
2	1	شھیدانؑ کربلا
1	3	حضرت عباسؑ
1	4	عزاداران آل بوترابؑ

پس معلوم ہوا کہ غالبؔ نے تمام بارہ ائمہ کے نام نامی گرامی لے کر خاص خصوصی نسبتوں سے منقبتی اشعار اُسی سلسلہ سے نظم کیے جو ان کا سلسلہ نسب ہے۔ ہر شعر معنی آفرینی میں بحرِ بیکراں ہے جو کوزہ میں بند کیا گیا ہے ان اشعار میں مضمر اشاروں سے پوری طرح واقف ہونے کے لئے سیرت و تاریخ ائمہ اطہار سے واقفیت ضروری ہے جو غالبؔ کو حاصل تھی۔

اُردو اور قدیم فارسی میں فاتحہ اور مناجاتوں میں سیدھے سادے مطالب آسان الفاظ میں بیان ہوتے تھے جن میں عقیدتی جوش و جذبہ کے علاوہ شعری گیرائی، گہرائی، قادر الکلامی اور معنی آفرینی مفقود تھی لیکن غالبؔ نے فاتحہ میں بھی قادر الکلامی اور عاجز بیانی میں معجز بیانی دکھائی ہے۔

حضور اکرمؐ کی بخشش پر کہتے ہیں۔

جرم بخشای کہ گر جوشد بھار رحمتش

برفنای خویش لرزد چوں دل مجرم عذاب

یعنی جب آنحضرتؐ کی رحمت گناہ بخشنے کے لئے جوش میں آتی ہے تو خود گناہ اپنے نابود اور فنا ہونے کے ڈر سے ایسا کانپتا ہے جیسے کسی مجرم کا دل سزا کے ڈر سے۔ ایک اور شعر میں کہتے ہیں حضورؐ کی بارگاہ کی ایک اینٹ سورج ہے اور آپ کی بزم کی شمع چاند ہے۔ غالبؔ مئے حُبِّ علیؑ پیتے ہیں اور اسی مستی کی حالت میں تصوّرِ جمال کبریا میں مگن ہیں۔

بادۂ خم خانۂ او پرتوی نور جمال

پنبۂ مینای او چشم سفید ماھتاب

امام حسینؑ کے عالی کردار اور مقام کو یوں بیان کرتے ہیں۔

بادشاهی صابری دریادلی تشنه لبی
کز غمش از لعل خوں بارست چشم آفتاب
در گهش را مخمل خواب زلیخا فرش راه
خیمه هایش را نگاه ماه کنعانی طناب

امام حسینؑ ایسے صابر تشنہ دریا دل پادشاہ تھے جن کے غم میں سورج خون کے آنسو رویا۔ وہ حسینؑ جن کے راستہ کا فرش زلیخا کے بستر کا مخمل تھا اور جن کے خیمہ کی ڈوریاں حضرت یوسفؑ کی نگاہوں سے کسی ہوئی تھیں۔

دوسری فاتحہ میں کہتے ہیں۔

بهر ترویح حسینؑ آنکه دوچشم جبرئیلؑ
از پی سرمهٔ خاک درش آمد مکحل

یعنی اُس حسینؑ کی خوشنودی کے لئے جن کے آستانہ کی خاک کے سرمہ سے جبرئیل کی آنکھیں روشن ہوئیں۔

حضرت امام جعفرؑ صادق کی منقبت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ع۔ آن کہ دانائی علوم است وتوانائی عمل

بهر ترویح علی جعفرؑ صادق که اوست
وارث علم رسولؐ و خازن سرِّ کتاب

برائے خوشنودی امام جعفرؑ صادق جو علم رسولؐ اور قرآن کے رموز کا وارث ہے۔

جب غالبؔ امام مھدیؑ کی مدح کرتے ہیں تو حضرت علیؑ کی مدح کی طرح ان کے کلام میں خاص جذبہ اور جوش نمایاں ہو جاتا ہے۔ اسی خاطر تقریباً ہر منقبت میں حضرت مھدیؑ کے بارے میں اشعار رقم کئے ہیں اور ایک پورا قصیدہ بھی حضرت مھدیؑ کی شان میں موجود ہے۔

زیں سپس بهر ظهور مهدیؑ صاحب زماں
ظلمت ستان شب کفر و حسد را آفتاب
قول و فعلش بے سخن کردار و گفتار نبیؐ

رسم راهش بے تکلف رسم و راہ بوترابؑ

جندا معمار گیتی کز پئے تعمیر دین

در کف از سر رشتۂ نبیؐ دارد نقاب

پس برائے ظہور مہدیؑ امام زماں جو کفر اور حسد کی تاریک شب کے لئے سورج ہیں جن کے قول و عمل کو لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا جن کے کردار اور گفتار حضور اکرمؐ کے کردار و گفتار ہیں جن کا طریقہ زندگی اور راستہ حضرت علیؑ کی طرح ہے۔ کیا کہنا اے دنیا کے معمار تو نے دین کی تعمیر کی خاطر شریعتِ محمدیؐ کی باگ اپنے ہاتھ میں تھامی اور پردۂ غیبت میں رہا۔

دونوں فاتحہ میں غالبؔ نے چودہ معصومینؑ کی مدح سرائی کرنے کے بعد شہیدان کربلا بخصوص حضرت عباسؑ کی مداحی بڑے اہتمام اور التزام سے کی ہے۔ غالبؔ عاشقِ حضرت عباسؑ ہیں۔ اسی لئے ایک پورا قصیدہ حضرت عباسؑ کی شان میں موجود ہے۔

حضرت عباسؑ عالی رتبہ کز ذوق حضور

زخم بر اجزائی تن پیمود و بر دل فتح یاب

حضرت عباسؑ وہ عالی مرتبت شخصیت ہیں جنھوں نے شہادت کے ذوق میں اپنے جسم کو زخموں سے بھر لیا اور دلوں کو جیت لیا۔

فاتحہ کے اخیر میں غالبؔ اپنی تنگ مائیگی، درماندگی، دربدری، اور مشکلات میں گرفتاری کا تذکرہ تشبیہات اور استعاروں اور رمز و اشاروں میں کرتے ہیں لیکن بعض اوقات بغیر کسی حجاب کے روداد دل سُنا دیتے ہیں۔ ہمیشہ نجف جا کر ہمیشہ کے لئے وہیں پر رہ جانے اور اُس خاک میں دفن ہونے کی تمنّا کرتے ہیں۔

ایک فاتحہ میں یوں اپنی خواہش کا اظہار کرتے ہیں۔

در حق غالبؔ بیچارہ دعای کہ دگر

نکشد درد سر تاب و تب طول امل

شادشاداں بہ نجف بال کشاید کہ شود

یعنی کہ وہ خوشی خوشی نجف کی سمت پرواز کرے

دوسری فاتحہ میں کہتے ہیں میں اُس موی آتش دیدہ کے مانند ہوں جو حلقۂ فنا میں اسیر ہے۔

موی آتش دیدہ را مانم کے بہر خوشتن

حلقۂ دام فنا گردیدہ ام از پیچ و تاب

حرمت جان محمدؐ یک نظر کن سوی من

یا علیؑ یا مرتضیٰؑ یا بوالحسنؑ یا بوترابؑ

☆......☆......☆

مناجات
بدرگاہ قاضی الحاجات

خدایا زبانے کہ بخشیدۂ
بہ نیروئے جانے کہ بخشیدۂ

دمادم بہ جنبش گر آید ہمے
ز راز تو حرفے سراید ہمے

نہ دانم کہ پیوندِ حرف از کجاست
دریں پردہ لحنے شگرف از کجاست

گر از دل شناسم جنوں بیش نیست
کہ آں نیز یک قطرہ خوں بیش نیست

خرد را سگالم کہ نیرو دہد
خود او را زمن حیرتے رو دہد

نہ آخر سخن را کشایش زتست
بہ نابود چندیں نمایش زتست

اے خدا ، یہ زبان جو تو نے بخشی ہے،
تیری عطا کی ہوئی قوت سے،

لحظہ بہ لحظہ حرکت میں آتی ہے تو
تیرے ہی راز کی باتیں بیان کرتی ہے

مجھے نہیں معلوم کہ حرف (و لفظ) کا تعلق کس ذات سے ہے
اور اس پردے میں اعلا درجے کی سُریلی آواز کیوں کر آ جاتی ہے۔

اگر سوچوں کہ سب دل کی بدولت ہے تو یہ خیال جنون ہوگا
وہ خود لہو کی ایک بوند ہے اور بس۔

اگر یہ خیال کروں کہ عقل ، لفظ میں وصف پیدا کرتی ہے،
تو عقل کو میرے معاملے میں حیرت ہے۔

کلام کو یہ وسعت (اور اظہار کی صلاحیت) کس نے دی اگر تو نے
نہیں دی؟ کلام کہ نابود شے ہے، اس سے اظہارِ معانی تیری
ہی ذات سے ہے۔

چو پیدا تو باشي نهاں هم توئی
اگر پردۂ باشد آں هم توئی

بهر پرده دمساز کس جز تو نیست
شناسندۂ راز کس جز تو نیست

چه باشد چنیں پرده ها ساختن
شگافے بهر پرده انداختن

بدیں روئے روشن نقاب از چه رو
چو کس جز تو نبود حجاب از چه رو

همانا از آنجا که توقیعِ ذات
بود فردِ فهرست حسن صفات

تقاضائے فرمانروائی دروست
ظهورِ شیونِ خدائی دروست

ز فرماں دهی خاست فرماں بری
شناساوری شُد شناساگری

جو کچھ ظاہر ہے وہ تو ہی ہے اور جو کچھ نہاں ہے وہ بھی تو ہی ہے
اگر تیری ذات پردے میں ہے تو وہ بھی تو ہی ہے۔

ہر ایک معاملے میں تیرے سوا کوئی رفیق نہیں
اور تیرے سوا اس راز کو کوئی نہیں جانتا

یہ کیا معاملہ ہے کہ اس قدر پردے ڈالے ہیں اور پھر،
ہر ایک پردے میں جھری بھی کھلی رکھی ہے

ایسے روشن چہرے پر نقاب ڈالنے کی وجہ کیا؟
جب (عالمِ وجود میں) تیرے سوا کوئی ہے نہیں تو پردہ کس لئے؟

جب یہ قطعی بات ہے کہ،
خود ذاتِ باری مجتمع صفات کمال ہے ، تو

فرماں روائی کا تقاضا اس کی ذات میں ہے
کیوں کہ خدائی کی شانوں کا ظہور اس میں ہونا چاہیے

فرماں روائی سے ، فرماں برداری پیدا ہوئی
پہچانے جانے کی خواہش سے پہچانے کی قوت

ترا با خود اندر پرندِ خیال
بود نقطۂ از صفات کمال

کزاں نقطہ خیزد سیاہ و سپید
وزاں پردہ بالد ہراس و امید

بداں تازہ گردد مشام از شمیم
بداں بشگفد گل بباغ از نسیم

از آنجا نگہ روشنائی برد
وز آنجا نفس نغمہ زائی برد

از آں جنبش آید بشوخی بروں
اگر موج رنگست ور موجِ خوں

اگر سود گوہر بدامن برد
زیاں گر خود اخگر بجز من برد

ز آلایش کفر و پرواز دیں
ز داغِ گماں و فروغِ یقیں

خود تیرے تصوّر کی پرواز میں ہی کمال کی صفات کا نقطہ،
موجود تھا (صفات علمِ خداوندی میں شامل ہیں)۔

کہ اسی نقطے سے (صفات کمال کے نقطے) سیاہ و سفید اُبھرتے ہیں،
اور اسی پردے سے امید و بیم (متضاد صفات) کی کیفیت پیدا ہوئی ہے۔

اسی کی بدولت دماغ خوشبو سے بھر جاتا ہے
اور اسی کی بدولت خنک ہوا سے باغ میں پھول کِھل جاتے ہیں۔

وہیں سے نگاہ کو روشنی ملتی ہے
اور سانس کو نغمہ سرائی۔

لہر میں اسی جنبش سے موجِ رنگ
اور موجِ خون کا ظہور ہے۔

اگر نفع اپنا دامن موتیوں سے بھرتا ہے تو
نقصان اپنے کھلیان میں خود چنگاری ڈالتا ہے۔

وہ انکار کی گندگی ہو یا دین کی بلندی
شک کا داغ ہو یا یقین کا نور

بہر گونہ پردازش ہست و بود
جمال و جلال تو گیرد نمود

بہ گردوں ز مہر و بہ اختر ز تاب
بہ دریا ز موج و بگوہر ز آب

بہ انساں ز نطق و بمرغ از خروش
بناداں ز وہم و بدانا ز ہوش

بچشم از نگاہ و بہ آہو زِرَم
بچنگ از نوائے و بہ مُطربِ زدم

بباغ از بہار و بشاہ از نگیں
بگیسو ز پیچ و بہ ابرو ز چیں

عیار وجود آشکارا کنے
نشانہائے جود آشکارا کنے

جمالِ تو ذوقِ تو از روئے تو
جلالِ تو تابِ تو از خوئے تو

ساری دنیائے وجود ہر رنگ، ہر صورت میں،
تیری ہی جمالی اور جلالی صفتیں سامنے لاتی ہے۔

آسمان پر سورج سے ، تاروں کی چمک سے
دریا میں موج سے اور موتی میں اس کی آب سے،

انسان میں گویائی کی قوت سے ، پرندوں میں چہچہاہٹ اور شور سے
بے عقل میں واہم سے اور عقل مند میں ہوش سے،

آنکھ میں نگاہ سے ، ہرن میں اس کی پُھرتی سے
باجے میں اس کی آواز سے، نغمہ نواز میں اس کی سانس سے،

باغ میں بہار سے ، بادشاہ میں اس کی مہرِ سلطنت سے
زُلف میں الجھاؤ سے اور چتون میں بل سے،

تو نے ہی وجود کا معیار ظاہر کیا ہے
اور اپنے کرم کی نشانیاں نمودار کی ہیں۔

تیرا جمال خود تیرے ہی چہرے سے تیرا ذوق ہے (اپنے ظہور کا ذوق ہی
جمالِ خداوندی ہے) ، اور تیرا ہی جلال تیری خو کی چمک ہے۔

جمال ترا ذرّہ از آفتاب
جلال ترا یوسف اندر نقاب

چہ باشد چنیں عالم آرائیے
ہمانا خیالے و تنہائیے

توئی آنکہ چوں پا گزاری براہ
نیابی بجز خویشتن جلوہ گاہ

چو رو در تماشائے خویش آوری
ہم از خویش آئینہ پیش آوری

نہ چنداں کنی جلوہ بر خویشتن
کہ کس جز تو گنجد دریں انجمن

بفرمان خواہش کہ آں شان تست
ہم از خویش بر خویش فرمان تست

کنی ساز ہنگامہ اندر ضمیر
چونم دریم و رشتہ اندر حریر

آفتاب تیرے جمال کا ایک ذرّہ ہے
اور تیرے جلال کے اندر حُسن نہاں ہے۔

ایسی اور اتنی عالم آرائی کی حقیقت کیا ہے؟
محض ایک خیال اور ایک تنہائی (خدا کی یکتائی)

تو وہ ہے کہ اگر آگے چلے تو،
بجز تیری ذات کے آگے چلنے کو کوئی جگہ نہیں

جب تو اپنا جلوہ دیکھنے پر آتا ہے تو (اس کے لئے)
آئینہ بھی اپنے وجود سے ہی سامنے رکھتا ہے۔

تو اس طرح اپنی ذات پر جلوہ گر ہے کہ
دوسرے وجود کی وہاں گنجائش ہی نہیں۔

فرماں روائی کی خواہش سے کہ وہ (فرماں روائی) تیری شان ہے
تیری حکمرانی تیری ذات پر ہے (یعنی مخلوق خود خالق ہے)۔

لوگوں کے دلوں میں یوں ہنگامہ برپا کیا ہے
جیسے دریا میں نمی اور ریشم میں باریک تار

ظهور صفات تو جُز در تو نیست
نشاں ھائے ذات تو جُز در تو نیست

ز خواھش بکوروۂ چشم دُوئی
بارائشِ دھر کانھم توئی

کشائی نوردِ ھنر رنگ رنگ
کشے پردہ بر روئے ھم تنگ تنگ

زھر پردہ پیدا نوا سازئیے
بھر جلوہ پنہاں نظر بازئیے

پدید آورے برگ و سازے فراخ
چو نخلے بہ انبوھۂ برگ و شاخ

دریں گونہ گوں آرزو خواستن
بود چوں ببایست آراستن

زھر پردہ رنگے کہ گردد کشاد
چناں دل کش افتد کہ بی آں مباد

تیری صفات کا جو ظہور (نظر آتا) ہے وہ تجھ سے باہر وجود نہیں رکھتا
اور تیری ذات کی نشانیاں بھی خود تجھی میں بسی ہوئی ہیں۔

تو نے چاہا کہ اہل کثرت کے اندھے پن کے لئے
عالم کی آرائش کرے حالانکہ خود تو ہی ہے۔

تُو تو اپنی صنعت کے طرح طرح کے کام دکھاتا ہے، اور اُن پر پردے
خوب کس دئے ہیں (جن کے سبب لوگ اُن کو جُدا موجود مانتے ہیں)۔

ہر ایک پردے سے نواگری چمکتی ہے اور
ہر جلوے میں تو، خود چھپ کر اپنا جلوہ دیکھ رہا ہے۔

تو سامان پیدا کرتا ہے اور اس کو وسعت دیتا ہے
جیسے درخت اپنے برگ و بار نکال کر بڑا ہو جاتا ہے۔

طرح طرح کی خواہشوں کا جو سلسلہ ہے، اسی میں (دنیا کی)
بناوٹ سجاوٹ کا جیسا چاہیے ویسا سامان ہے۔

ہر ایک پردے سے جو رنگ بھی پیدا ہوتا ہے
وہ ایسا دلکش ہوتا ہے کہ بغیر اس کے ہونا ہی نہیں
(یعنی اگر وہ رنگ نہ ہو تو زندگی بیکار ہے)۔

قلم در کف و تاج بر سر رسد
بهر جا رسد هرچه از در رسد

به نُه چرخ والائی و برترے
بچار آخشیج آدمے پیکرے

به یزدانیان فرّۂ ایزدے
بیونانیان بهرۂ بخردے

به کشور کشایان دم گیر و دار
به مسکیں گدایان غمِ پود و تار

بناهیدیان بادۂ بے غمے
به کیوانیان گونۂ ماتمے

به مستان نشید و به عُشّاق آه
به آھن کلید و به زر نام شاه

به بیرنگ نقش و به پرکار سیر
بطامات لعن و بطاعات خیر

مثلاً صاحب قلم ہونا یا صاحب تاج و تخت ہونا وغیرہ (ایسی نعمتیں ہیں کہ اُن کا اہل بغیر ان کے، مرنے کو ترجیح دے گا) جو شئے جس لائق ہوتی ہے وہ ہر جگہ پہنچ جاتی ہے۔

نو آسمانوں کو بلندی و برتری،
اور چار عناصر (آگ ، مٹی ، پانی ، ہوا) کو آدمی کا جسم ہونا۔

خدا والوں کو نشان ایزدی اور
یونانیوں کو عقل کا نصیبہ۔

جنھیں ملک فتح کرنے کا حوصلہ ہے انھیں جنگ و جدل کا حوصلہ دیا
اور بے زبان فقیرو کو تانے بانے (کپڑے لتے) کی فکر دی

گانے بجانے کے شوقینوں کو بے فکری کی شراب
اور سوگواروں کو ماتمی لباس۔

مستوں کو الاپ دی، عاشقوں کو آہ
لوہے کو چابی ، اور سونے کو بادشاہ کا نام (سکہ شاہی)۔

بیرنگ کو نقش دیا اور پرکار کو گھومنا ، اعمالِ بد کو لعنت اور طاعت کو ثواب (بیرنگ: تصویر کا خاکہ اور نقش: رنگ جو تصویر میں بھرے گئے)۔

بہ ابر از پئے خاک آبِ حیات
بہ خاک از نمِ ابر جوشِ نبات

بمے در فروغے کہ چوں بردمد
ز سیمائے مے خوارہ نیّر دمد

بہ نے در نوائے کہ چوں برکشند
بہ آوازِ آں نالہ ساغر کشند

بہ ساقی خرامے کہ از دلبری
ز شاہد بَرد دل بہ ساقی گری

بہ شاہد ادائے کہ از سرخوشی
بہ ساقی دہد داروئے بہیشتی

بہ آزادہ دستے کہ ساغر زند
بہ اُفتادہ سنگے کہ برسر زند

ہر آئینہ مارا کہ تر دامنیم
ز دیوانگی با خرد دشمنیم

بادل کو (پیاسی) دھرتی کی خاطر امرت دیا
اور پھر مٹی کو اس نمی سے یہ قوت دی کہ نباتات اگائے

شراب میں رونق کہ جب وہ رنگ لاتی ہے تو
مے خوار کی پیشانی سے آفتاب چمکتا ہے

بانسری (کے گلے) میں وہ رس ڈالا کہ جب سُر نکالتے ہیں
تو اس آواز پر جامِ شراب پیتے ہیں

ساقی کو وہ اندازِ رفتار دیا کہ،
شراب پلانے میں وہ معشوق کو اپنا عاشق کر لیتا ہے

اور معشوق کو وہ ادا دی کہ اُس کا ''سُرور کا عالم''
خود ساقی کے لئے داروئے بے ہوشی ہو جاتا ہے

آزاد مرد کو وہ ہاتھ دیا جو ساغر اٹھاتا ہے
اور گرے پڑے آدمی کو وہ پتھر دیا جو سر پر مارتا ہے

رہے ہم جو گنہگار ہیں، ہے اور
اپنے دیوانے پنا میں عقل سے بیر باندھے ہوئے ہیں

ز آلود گیها گرانی بُود
همه سختی و سخت جانی بُود

زهر شیوه ناسازگاری رسد
زهر گوشه صد گونه خواری رسد

به بزم ارچه در خوردن باده ایم
ولیکن بداں گوشه افتاده ایم

که چوں سُوئے ما ساقی آرد پسیچ
نیابیم جز گردش از جام هیچ

به کفر آنچناں کرده کوشش که خویش
نباشیم تارے ز زنار بیش

ز لب جُز به نا گفتنی کار نه
ز خود جُز به نفریں سزاوار نه

نه سودائے عشق و نه راه صواب
نه در سینه آتش نه در دیده آب

ہم کو اپنی رندانہ حرکتوں سے ناگواری
سختیاں اور سخت جانی ملی ہے۔

ہم کو یہ ملا کہ ہر پانسہ اُلٹا پڑتا ہے
اور ہر طرف سے سو طرح کی ذلت و خواری ملتی ہے۔

محفل میں اگرچہ ہم شراب پینے کی نیت سے موجود ہیں
لیکن (بیٹھنے کو) ایسا کونہ ملا کہ

جب ساقی ہماری طرف رُخ کرتا ہے تو،
جام سے ہمارے ہاتھ گردش (چکّر) کے سوا کچھ نہیں آتا۔

کفر حاصل کرنے کی اس قدر کوشش کی ہے
کہ ہماری ذات تارِ زُنّار ہو کر رہ گئی ہے۔

ہونٹوں سے اس کے سوا کوئی کام نہیں ہوا کہ نہ کہنے لائق باتیں کہتے
رہے ، اور اب ہم اس قابل ہیں کہ خود لعنت بھیجتے رہیں۔

نہ (سر میں) عشق کا سودا ، نہ سیدھی راہ سامنے،
نہ سینے میں آگ رہی ، نہ آنکھ میں آنسو۔

نہ دستوردان و نہ خسرو شناس
نہ از شحنۂ شرع در دل ہراس

نیا سودہ از ما بہ کنج و کمیں
کسے جز وقائع نگارِ یمیں

گنہ آں قدرہا بروں از شمار
کہ رنجد یسارِ سروش یسار

چو از پردۂ پُرس و جو بگزرند
روانہای ما را بدوزخ برند

ہر آئینہ از ما بہ تر دامنی
فرو میرد آتش بداں روشنی

بداں تا چو ایں گرد خیزد ز راہ
بہ سوزند ما را بشرم گناہ

ولے با چنیں آتش خانہ سوز
تر وخشک و آباد و ویرانہ سوز

نہ بادشاہ کو پہچانیں ، نہ وزیر کو جانیں،
اور نہ شریعت کے محتسب سے دل میں کوئی خوف و خطر۔

کہیں کسی گوشہ یا چھپی ہوئی جگہ میں بھی ہم سے کسی کو آرام نہیں پہنچا
سوائے داہنے ہاتھ کے واقعہ نگار کے (فرشتہ جو نیک اعمال درج کرتا
ہے) کیونکہ کوئی نیک عمل نہیں کیا کہ اس فرشتے کو لکھنا پڑے۔

اور گناہ ہم اتنی کثرت سے کرتے ہیں کہ ان کا شمار نہیں ہوتا،
اور بائیں طرف والے (بُرے اعمال درج کرنے والے فرشتے) کا بایاں
بازو دُکھ گیا ہے۔

(قیامت کے روز) جب حساب کتاب کے مرحلے سے ہم گذریں گے
ہماری جانوں کو دوزخ میں جھونکا جائے گا

ہماری تر دامنی (گنہگاری) کے مارے،
آگ جو اس قدر روشن ہے ، بجھ جائے گی۔

جب دوزخ کی آگ ہمارے دامنِ تر سے بجھے گی اور اس سے غبار اٹھے گا
تو بالآخر ہم کو ہماری گنہگاری کی شرم سے جلایا جائے گا۔

لیکن ایسی گھر پھونکنے والی آگ کے ہوتے ہوئے
جو تر ، خشک، آباد اور ویرانے کو بھسم کردے

نہ ایں بس کہ سوزاں بداغ توایم
ز پروانگانِ چراغ توایم

بھر گونہ کالا روائے زتست
بما بھرۂ ناروائے زتست

ز ابرے کہ بارد بہ گلزار بر
بروید گیاھے بہ دیوار بر

بداں نابرومندی آں ناتواں
ز سر سبزئ باغ بخشد نشاں

اگر خوار ور ناروائیم ما
بہ باغ تو برگ گیائیم ما

بخویش از ظھور جلالت خوشیم
فروزینۂ ایزدے آتشیم

تراب جگر خستگی رانمی است
کہ گلھائے باغ ترا شبنمی است

کیا یہ کافی نہیں ہے کہ ہم تیرے داغ (الفت) سے جل رہے ہیں؟
اور تیری شمع کے پروانے ہیں؟

بہر صورت متاع کی قبولیت و قدر تیری ہی طرف سے ہے،
اور اگر ہمیں نا مقبولی کا حصہ ملا تو وہ بھی تجھی سے ملا

باغ میں جو بادل برستا ہے وہ باغ کی دیوار
پر گھاس اگاتا ہے۔

یہ غریب گھاس اپنی بے حیثیتی میں بھی
باغ کی سر سبزی کا نشان دیتی ہے۔

اگر ہم ذلیل ہیں (بے حیثیت اور) نامقبول ہیں،
تب بھی تیرے ہی باغ میں اُگی ہوئی گھاس کا پتہ ہیں۔

ہم یوں بھی خوش ہیں کہ ہماری ذات میں تیرے جلال (غصہ) کا ظہور
ہے کہ، اس آتش ایزدی کے سلگانے کے لئے ہم چنگاری بنے ہیں۔

زخم جگر کی مٹی میں نمی ہے
اسی طرح جیسے تیرے باغ کے پھولوں کو شبنم ملتی ہے۔

زره ناشناسانِ کثر رو بگشت
دمد جادۂ دیگر از روئے دشت

فزاید بغوغائے یوسف دو بہر
ترنج و کفِ خُردہ گیرانِ شہر

اگر کاسۂ قیس مسکیں شکست
صدائے ز لیلیٰ دراں کاسہ ہست

جو لوگ گمراہ ہیں اُن کے چلنے سے ، ایک اور راہ پیدا ہوجاتی ہے (وہ راہ یہ ہے جس میں شعر گوئی بھی ہے)۔

اس شہر کے طعن کرنے والوں کے ہاتھ میں لیموں دیا گیا تو اس سے یوسف کے حُسن کی شہرت دوگنی ہو گئی (یعنی میرے حاسدوں کی طعن سے میری شہرت زیادہ ہوئی)۔

اگر غریب مجنوں کا پیالہ ٹوٹ گیا تو اس کی چھنک میں لیلیٰ کی آواز مجنوں کو سنائی دی کیوں کہ اس کے ذہن پر لیلیٰ چھائی تھی (اسی طرح میں نے طعنوں کو خدا کی آواز سمجھا)۔

فاتحہ

بہر ترویج نبیؐ حاکم ادیان و ملل
کار فرمای نبوت ابداً هم ز ازل

بہر ترویج گل روضۂ عصمت زہراؑ
آن بہ تقدیس چو ذات صمدی عزوجل

بہر ترویج علیؑ آن کہ بنزد جمہور
قبلۂ آل رسولؐ است و امام اول

بہر ترویج حسنؑ ، چشم و چراغ آفاق
کہ خیالش دہد آئینۂ جان را صیقل

بہر ترویج حسینؑ آنکہ دو چشم جبرئیلؑ
از پی سرمۂ خاک درش آمد مکحل

بہر ترویج امام ابن امام ابن امام
آدم آل عباؑ ز آدم و عالم افضل

بہر ترویج گل باغ محمد باقرؑ
آن کہ جان دادہ مخالف ز نہیبش چو جعل

بهر ترویج بحق ناطق امام صادقؑ
آن که دانای علوم است و توانای عمل

بهر ترویج شه موسیٰؑ کاظم که بود
جلوهٔ طور به آرایش بزمش مشعل

بهر ترویج رضاؑ ضامن غربت زدگان
خضر را ناصیه بر خاک درش مستعمل

بهر ترویج تقیؑ وز پیِ ترویج نقیؑ
هر دو در دفتر ایجاد دو فرد اکمل

بهر ترویج حسنؑ ، عسکر دین را سالار
قبهٔ بارگهش گنبد گردون بمثل

بعد ازین بهر طلوع مه اوج عرفان
مظهر عدل حقیقی و امام عادل

حضرت مهدیؑ هادی که وجودش باشد
شان ماضی و گرانمایگی مستقبل

بهر ترویح شهیدان گرامی پایه
با دل و جان رسولؐ عربی هم مقتل

سیما از پی ترویح علمدار حسینؑ
آنکه در لشکر اسلام بود میر اجل

بهر جمیعت آنانکه درین انجمن اند
با یقینی بری از ریب و مبرا زخلل

در حق غالبؔ بیچاره دعای که دگر
نکشد درد سر تاب و تب طول امل

شاد شادان به نجف بال کشاید که شود
گرد آن بادیه از بهر صداعش صندل

بر رود زین تن خاکی به فضای ارواح
فارغ از کشمکش سطوت مریخ و زحل

فاتحہ

بھر ترویح جناب والی یوم الحساب
ضامن تعمیر شارستان دلہای خراب

جرم بخشای کہ گر جوشد بہار رحمتش
برفنائ خویش لرزد، چون دل مجرم عذاب

رافتش اعدائے اورا، در شمار سال عمر
نعل وازون بندد از ناخن بر انگشت حساب

نوحؑ عمری ماند طوفانی بہ بحر سطوتش
تا سرو زانو بہ موجی باخت مانند حباب

سایہ اش جز در حریم قدس نتوان یافتن
کز شکست رنگ امکان عصمتش دارد نقاب

نغمہ چون خون در رگ ابریشم ساز افسرد
ہیبت نہیش اگر ریزد نہیب احتساب

بارگاھش را خورشید است خشت آستان
شمع بزمش راست گلگیر از دولخت ماھتاب

هم چمن زار ازل را قدرتش رنگ آفرین
هم گلستان ابد را خویٔ جان بخشش سحاب

بهر ترویح جنابی ، کز نهیب عصمتش
سیقل آئینه بر نور نظر ریزد حجاب

آستانش بر نشان گاه جلالی کز ادب
حلقهٔ بیرون در گردیده چشم آفتاب

در پناه عفتش حوران جنت را هنوز
پنبهٔ روزن بود چشم سفید ماهتاب

بهر ترویح امام رهنمای انس و جان
عابد الله ، و معبود و خلائق ، بو ترابؑ

دلدل برق آفرینش را رمی کاندر خیال
می جهد همچون نگاه از حلقهٔ چشم رکاب

بسکه شد ویران شوخی خانهٔ نظاره اش
عینک پیر فلک گردیده ماه و آفتاب

ذوالفقارش شاهدی کا ندر تماشا گاہ قتل
می کشد در شوق او از موج الف بر سینہ آب

مہربان پیری کہ بہر دیدن ماہ صیام
در کف مستان تیغی است از موج شراب

بادہ خمخانۂ او پرتؤ نور جمال
پنبۂ مینای او چشم سفید ماہتاب

شہسوار قدرتی کز فرط تعظیم جلال
سرمہ در چشم رکابش می کشد گرد کتاب

در خیال صدمۂ جاندادگان ضربتش
می جہد از دیدۂ عیسیؑ چراغ آفتاب

بہر ترویج حسنؓ فرمان دہ اقلیم دین
خسرو عرش آستان ، شاہنشہ جنت مآب

ناظم حسن آفرینی ، کز برائے خدمتش
از شفق بندد حنا ، بر شام دست آفتاب

جلوه ریز آید اگر لطفش بهنگام غضب
دو آتش می شود باران رحمت را سحاب

بشکنند شان تغافل گربه دلداری ناز
لذت قند محبت جوشد از زهر عتاب

توسن قدرش که سطح عرش جولانگاه اوست
از خم زانوی جبریئل امیس دارد رکاب

بهر ترویح شفیع یک جهاں عاصی ، حسینؑ
آنکه مینو راست از گرد قدم گاهش سحاب

بادشاهی ، صابری ، دریا دلی ، تشنه لبی
کز غمش ، ز لعل خون بارست چشم آفتاب

شاه غیرت آفرینی کز پئ تعلیم صبر
بخیۂ نقش قدم زد بر لب موج سراب

درگهش را مخمل خواب زلیخا فرش راه
خیمه هایش را نگاه ماه کنعانی طناب

عاشق الله و معشوق وفادار رسولؐ
قبله عشق و پناه حسن و جان بو ترابؑ

بهر ترویح امام ابن امام ابن امام
آدم آل عبا ، شاهنشه عالی جناب

آستانش عالی و منزل گه قدرش رفیع
بارگاهش عرش ساماں و جنابش مستطاب

لاله را همرنگی چشم بخون آلوده اش
می زند بر فرق از داغ غلامی انتخاب

بهر ترویح محیط فیض ، باقرؑ ، کز شرف
در هوای آستان بوسیش می بالد ثواب

بهر ترویح علی جعفر صادقؑ که اوست
وارث علم رسولؐ و خازن سرّ کتاب

تکیه جز بر قول او کردن ، خطا باشد خطا
راه جز بر جا ده اش رفتن ، عذاب آمد عذاب

بهر ترویج شه کاظمؑ که در هر عالم ست
چوں قضا حکمش رواں و چوں قدر رایش صواب

بهر ترویج رضاؑ ، کز بهر تعمیر جهان
گشته معمار کرم را جادۂ راهش طناب

بهر ترویج تقیؑ کاندر تماشا گاه اوست
طاق ایوان آسمان مرآت روش آفتاب

بهر ترویج نقیؑ ، کز بهر تقریب نیاز
هدیه آور دست نرگس داں ببزمش ماهتاب

بهر ترویج حسنؑ ، پشت و پناه خافقین
شاه کیوان بارگاه و خسرو جنت مآب

بهر ترویج حسنؑ آن آفرینش را پناه
کز ترفع آستانش عرش را باشد جواب

زیں سپس بهر ظهور مهدیؑ صاحب زمان
ظلمتستان شب کفر و حسد را آفتاب

قول و فعلش بے سخن ، کردر و گفتار نبیؐ
رسم و راهش بے تکلف رسم و راه بو ترابؑ

جندا ، معمار گیتی کز پئے تعمیر دین
در کف از سر رشتهٔ شرع نبیؐ دارد طناب

می کند از هم جدا صراف حکم قدرتش
در سیاست گاه نصفت مس زسیم ماهتاب

تا بجوید خویش را زآئینهٔ رخسار او
شاهد دین نبیؐ از چهره بر دارد نقاب

ابر لطفش زآتش دوزخ ببالاید بهشت
برق قهرش ابر رحمت را کند دود کباب

بعد ازین بهر شهید انیکه خوش جان داده اند
در شهادت گاه شاه کربلا را در رکاب

سیما از بهر ترویح علمدار حسینؑ
پیشوای لشکر شبیرؑ و ابن بو ترابؑ

حضرت عباسؑ ، عالی رتبه کز ذوق حضور
زخم بر اجزائی تن پیمود و بر دل فتح یاب

حضرت عباسؑ عالی رتبه کز چوگان او
می رود مانند گوی بی سروپا آفتاب

بعد ازیں تاثیر دل جوی دعای زمره ایست
کز قلق دارند ، در دل آتش و در چشم آب

بادشاهان ، مومنان جنت نصیبان ، عاشقان
بید لال ، یعنی عزاداران آل بوترابؑ

راقم بیچارۂ پژ مرده دل ، یعنی اسدؔ
کز فسرد نهای دل گردیده پابند خلاب

بر زبان مهر خموشی و به دل جوش جنون
در هوس آباد نادانی اسیر پیچ و تاب

یا علیؑ ، دانی که رویم سوی تست از هر نورد
هر چه آغازم مخاطب دانمت در هر خطاب

موی آتش دیده را مانم که بهر خویشتن
حلقهٔ دام فنا گردیده ام از پیچ و تاب

غافل از رفتار عمر و فارغ از تکمیل عشق
رفته از غفلت در آغوش و داع دل بخواب

نقد آگاهی ، بوهم فرصتی در باخته
دست خالی برسر و دل در نورد اضطراب

بسکه در صحرای وحشت عقل و دین در باخته
لذت قند محبت جوید از زهر عتاب

خود تو می دانی که گم گردیدهٔ دشت امید
تشنه تر می گردو ازبی آبی موج سراب

دل ز کار افتاد و پا از رو دست از هم شکست
جاده نا پیدا و منزل دور و در رفتن شتاب

فاش نتوان گفت ، یعنی شاهد مقصود من
جز بخلوتگاه اسرار تو نکشاید نقاب

مدعا را بر زبان آوردن از بیگانگیست
جز نگاهت شاهد مارا کفن بادا نقاب

ذوق مطلب از تو و من از تو و مطلب زتو
خود توئی بخشی و می فهمی زبان اضطراب

شعلهٔ شوق هوس دارم ز سودائے جنون
کاتش افسردہ را بخشد بهار التهاب

دین و دنیا را بلا گردان نازت کردہ ام
جلوهٔ رنگین تر از صد گلشن خلد انتخاب

حرمت جان محمدؐ یک نظر کن سوی من
یا علیؑ یا مرتضیٰؑ! یا بوالحسن! یا بو ترابؑ!

غالب ثنائی خواجہ بہ یزداں گزاشتیم

غالبؔ کی نعتیہ غزل کا اجمالی تجزیہ

غالبؔ کے فارسی دیوان میں شامل یہ نو (9) شعر کی نعتیہ غزل پر بہت کچھ لکھے جانے کے باوجود ابھی گفتگو کی گنجائش باقی ہے۔ یہ سچ ہے کہ دریا کے شیرین پانی کو پورے طور پر سینچا تو نہیں جا سکتا لیکن ہر صاحب فکر اپنی ہمت اور طاقت کی تشنگی کے مطابق اس کو اپنے ظرف میں اتنا تو کھینچ سکتا ہے کہ اس کی پیاس بجھ سکے۔

غالبؔ کا نعتیہ کلام اُردو دیوان میں فارسی کلام کی نسبت کم رنگ ہے اور اس پر بے رنگ ہونے کا گمان ہوتا ہے جب کہ فارسی دیوان میں نعتیہ مضامین کے مختلف موضوعات پر رنگ برنگ نقش نظر آتے ہیں۔ شاید اسی لیے غالبؔ نے کہا تھا :

فارسی بیں تا بہ بینی نقش ہائی رنگ رنگ
بگذر از مجموعۂ اردو کہ بے رنگ من است

اُردو کا مشہور نعتیہ شعر میں جو مقطعہ کا شعر ہے نعتیہ موضوعات رحمت، شفاعت، معراج، بخشش کے یقین کے ساتھ ساتھ شاعرانہ تعلی کی جھلک بھی دکھائی دیتی ہے:

اس کی امت میں ہوں میں میرے رہیں کیوں کام بند
واسطے جس شہؐ کے غالبؔ گنبدِ بے در کھلا

غالبؔ کے فارسی کلام میں نعتیہ اشعار کی تعداد زیادہ ہے جو نعتوں، معراج نامہ، رباعیات، قطعات، مفرد اشعار اور ایک نعتیہ غزل پر مشتمل ہے۔ ہم اس تحریر میں صرف نعتیہ غزل کو ہی محورِ سخن بنائیں گے۔ اس مضمون میں پہلے ہر شعر کا لفظی مفہوم اور معنوی ترجمہ ہوگا پھر ہر شعر کے ادبی محاسن کے علاوہ تخیل کی گہرائی اور گیرائی کے نادر نکات بیان کیے جائیں گے جو غالبؔ کا خاص فن ہے۔ شعر، شاعر کی علمیت، قوتِ تخیل اور قدرت، فن کا مظہر ہوتا ہے۔ غالبؔ کی نعتوں سے ان کی قرآن اور احادیث سے آگاہی، اسلامی تاریخ اور اسلامی فلسفہ سے آشنائی اور فارسی شاعری پر مہارت ظاہر ہوتی ہے۔ غالبؔ نے بھی دوسرے عمدہ نعت گو شعرا کی طرح نعت گوئی میں " با خدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار" کی روش اختیار کی۔ یہی نہیں بلکہ تخیل کی گہرائی میں دقیق بینی اور حرمت شعاری کے ساتھ عبد و معبودیت کے فرق کو مبہم نہیں کیا کیوں کہ عرفیؔ شیرازی کا شعر نہ صرف ان کی نظروں کے سامنے تھا بلکہ ان کی

فکری اپج کا نقیب بھی رہا :

عرفیؔ مشتاب ایں رہ نعت است نہ صحراست
آھستہ کہ رہ بردم تیغ است قدم را

غالبؔ کی یہ نو (۹) شعر کی غزل مردف ہے اور اس کی ردیف ''محمدؐ ست'' ہے۔ اگر چہ اس نورانی ردیف سے مصرعے میں غضب کا اُجالا پیدا ہو گیا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس اجالے میں عمدہ مضامین کو ٹٹولنا اس لئے ہر شاعر کے بس کی بات نہیں کہ اس روشنی سے عقل اور فکر کی آنکھیں مند ہو جاتی ہیں۔ اس غزل کا ایک حسن یہ بھی ہے کہ اس میں دس قافیے ہیں اور کسی قافیے کی تکرار نہیں اگر چہ قافیہ پیمائی ذوقؔ کا پسندیدہ مشغلہ تھا اور غالبؔ نے کبھی اس راستے کو نہیں اپنایا اور قافیے سے شعر نہیں بنایا بلکہ ان کے شعر میں قافیے نے خود اپنی جگہ بنائی جوان کے کمالِ فن کی دلیل ہے۔ اس غزل میں آٹھ بار اللہ تعالی کے ناموں میں پانچ بار حق اور ایک ایک بار کردگار، یزداں اور ذاتِ پاک استعمال ہوا جو مصرعوں اور مضمون کی رعایت سے رکھا گیا۔

شعر(۱) : حق جلوہ گر زِطرزِ بیانِ محمدؐ ست آرے کلامِ حق بزبانِ محمدؐ ست

(ترجمہ) : حق ظاہر ہوا حضرت محمد مصطفیٰؐ کے اندازِ بیان سے ہاں حق کا کلام محمدؐ کی زبان سے جاری ہوا۔

(تشریح ومحاسن): خدا کی معرفت اور دینِ اسلام حضرت محمدؐ کی گفتگو ہی سے ظاہر ہوئے اور بے شک قرآنِ کریم اور احادیثِ قدسی کو ہم نے محمدؐ کی زبان ہی سے سنا۔ مصرعہ اوّل میں ترکیب ''طرزِ بیان'' غالبؔ کا منفرد ''طرزِ بیان'' ہے اور یہی پورے شعر کی جان بھی ہے۔ مسلمانوں سے ہٹ کر قریش کے کفّار اور مکّہ ومدینہ کے مشرکین بھی اس بات کے قائل تھے کہ پیغمبر اکرم سچے، امین اور صادق تھے۔ ان کی زبان سے کبھی غلط یا جھوٹا بیان ادا نہ ہوا۔ یہی محمدؐ کا طرزِ بیان تھا اور یہی محمدؐ کے لہجہ کا اثر بھی تھا کہ جو شخص بھی انھیں سنتا تھا وہ دل سے ان کی صداقت کا قائل ہو جاتا۔ اسی لئے قرآنِ کریم اور احادیثِ قدسی کو جب لوگوں نے آپ کی زبانِ مبارک سے سنا تو بلا کسی تامل اور شک کے فوراً قبول کیا اور ان کو من وعن محفوظ کیا۔ مختصر الفاظ میں اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں نے خدا کو، دینِ خدا کو اور کلامِ خدا کو محمدؐ کے ذریعہ سے پہچانا۔ غالبؔ نے اس شعر میں سورہ النجم کی آیت تین اور چار سے استفادہ کیا کہ ''اور نہ اپنی خواہش سے منہ سے بات نکالتے ہیں یہ تو حکم خدا کہتے ہیں جو بھیجا جاتا ہے''۔ اس شعر میں صنعتِ مراعات النظیر کی دو مثالیں ہیں یعنی بیان، زبان، اور کلام کو ایک جگہ جمع کیا گیا ہے جو ایک دوسرے سے مناسبت رکھتے ہیں۔ حق، کلامِ حق اور محمدؐ کو بھی ایک ہی جگہ نظم کیا گیا ہے۔ اس شعر میں صنعتِ تلمیح ہے جس میں حق سے مراد

ہوالحق، حق تعالیٰ اور کلامِ حق سے مراد قرآنِ مجید ہے۔ پورا شعر صنعتِ تعلیق میں ہے۔

صنعتِ مسجع متوازی میں دونوں قافیے ''بیان اور زبان'' ہیں جو ہم وزن ہم عدد اور حروف روی میں برابر ہیں:

شعر(۲) : آئینہ دار پرتوِ مہرست ماہتاب شانِ حق آشکار شانِ محمدؐ ست

(ترجمہ) : جس طرح چاند سورج کی روشنی کا مظہر (آئینہ دار) ہے اُسی طرح خدا کی شان بھی محمدؐ کی شان سے ظاہر ہوتی ہے۔

(تشریح ومحاسن) : جیسا ہم سب جانتے ہیں چاند کا اجالا سورج کی روشنی کی بدولت ہے یعنی رات کے وقت ہم جو روشن چاند کو دیکھتے ہیں اُس کی روشنی چھپے ہوئے سورج کی بدولت ہے جسے ہم نہیں دیکھ پاتے۔ چاند، سورج کی روشنی کا آئینہ ہے اسی طرح سے حضرت محمدؐ مصطفیٰ خدا کی شان وشوکت کے مظہر ہیں۔ ہم نے محمدؐ مصطفیٰ کی شان اور عظمت میں اللہ تعالیٰ کی شان وشوکت کی جھلک دیکھی ہے۔ یعنی بالفاظ دیگر یہ محمدؐ مصطفیٰ کی شان اور منزلت ہے جس کی وجہ سے ہم اللہ تعالیٰ کی شان وشوکت کو محسوس کر سکے۔ اس شعر کی ادبی خوبی یہ ہے کہ اس میں خوب صورت تشبیہہ کی بنیاد پر پورا شعر تعمیر کیا گیا ہے۔ ذات اقدس کو سورج جس کی روشنی اور گرمی ذاتی ہے اور ذات ختمی مرتبت کو چاند جس کی روشنی اکتسابی ہے پیش کیا گیا ہے۔ اس شعر میں غالبؔ نے کم از کم تین قرآنی آیات جو آنحضرتؐ کی شان میں نازل ہوئے ہیں اس کی روشنی کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں روشنی نور اور رسالت آپ سے منسوب ہیں۔ سورہ الاحزاب آیت **45** اور **46** جس کا ترجمہ ہے۔ اے نبیؐ ہم نے آپ کو گواہ بنا کر، خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا آپ خدا کے حکم سے خدا کی طرف بلانے والے چمکتے چراغ ہو۔ سورہ المایدہ کی پندرھویں **(15)** آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔ بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب آئی۔ سورہ النسا کی آیت **(174)** میں ارشاد ہوتا ہے۔ اے لوگو بے شک اللہ کی جانب سے تمہاری طرف روشن دلیل اور روشن نور آیا۔ صنعت مراعات النظیر میں مہر (سورج) ماہتاب (چودھویں کا چاند) پرتوی (عکس) آئینہ شامل ہیں۔ صنعت لف ونشر مرتب بھی اس شعر میں موجود ہیں۔ مہر اور ماہتاب اول اور اسی ترتیب سے ہیں جس طرح سے حق تعالیٰ اور محمدؐ مصرعہ ثانی نہیں۔ صنعتِ تکرار میں شان کی تکرار نے شعر کی غنائیت، روانی، شگفتگی کے علاوہ اس کے معیار کو بلند کر دیا ہے۔ یہ شعر بھی صنعتِ تعلیق میں ہے جس میں پہلے مصرعے کی محکم دلیل نے دوسرے مصرعہ کو معتبر بنا دیا یعنی حضرت محمدؐ مصطفیٰ کی شان بھی بلند اور ارفع اس لیے رہی کہ اللہ جل شانہ ہے۔ یہ شعر بھی نعتیہ مضمون کا عالی شعر ہے

جو بہت سادہ ہوتے ہوئے بھی عمیق مطالب کا ترجمان ہے۔

شعر(۳) : تیر قضا ہر آئینہ در ترکشِ حق ست اما کشاد آں ز کمانِ محمدؐ ست

(ترجمہ) : تقدیر کا تیر بے شک حق تعالیٰ کے ترکش میں ہے لیکن وہ محمدؐ کی کمان ہی سے چھوٹتا ہے۔

(تشریح ومحاسن) : بے شک کاتبِ تقدیر حق تعالیٰ ہی ہے لیکن تقدیر پر عمل حضرت محمدؐ کے وسیلے سے ہوتا ہے۔یعنی بگڑی ہوئی تقدیریں حضورؐ کے دستِ مبارک ہی سے بن جاتی ہیں۔یعنی حضورؐ کی رضا مندی حق تعالیٰ کی رضا مندی ہے۔اس شعر میں بھی غالبؔ نے دو قرآنی آیات کے مطالب نظم کئے ہیں۔''جو لوگ آپؐ کی بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے''۔(سورہ الفتح، آیت 10)''جو خاک آپ نے پھینکی وہ آپ نے نہ پھینکی وہ اللہ نے پھینکی''(سورۃ الانفال، آیت 17) یہ شعر مطلب اور بیان کے لحاظ سے عمدہ ترین شعر ہے اور یہ سہل ممتنع میں شمار ہو سکتا ہے۔تیر قضا، ترکشِ حق اور کمان محمد عمدہ اور نادر ترکیبیں ہیں۔یہ شعر بلاغت کے لحاظ سے کم ترین الفاظ میں کثیر معنی کا نقیب ہے چنانچہ اس طرز بیان سے غالبؔ کے مصرعہ کی تصدیق بھی ہوتی ہے۔''کہتے ہیں کہ غالبؔ کا ہے اندازِ بیاں اور''

شعر(۴) : دانی اگر بہ معنیِ لولاک واری خود ہر چہ حق ست ازانِ محمدؐ ست

(ترجمہ) : اگر تو لولاک کے معنی سمجھ لے تو تجھے معلوم ہوگا جو کچھ خدا کا ہے وہ سب محمدؐ ہی کا ہے

(تشریح ومحاسن) : اگر تو حدیث قدسی''لولاک لما خلقت الافلاک'' کے معنی جان لے (اے محمدؐ اگر تم نہ ہوتے تو میں کائنات کو پیدا نہ کرتا) یعنی یہ کائنات کے باعثِ محمدؐ ہیں۔پھر تجھ کو معلوم ہو جائے گا کہ خدا کی اس کائنات میں جو کچھ ہے وہ سب محمدؐ ہی کے طفیل سے ہے۔مصرعہ اوّل میں صنعتِ تلمیح اور تضمین ہے۔لولاک سے مراد حدیث قدسی لولاک ہے اس میں صنعتِ تعلیق ہے یعنی حضورؐ کے صدقے میں کائنات بنی ہے تو یقیناً جو کچھ کائنات میں ہے وہ سب محمدؐ کی وجہ سے ہے۔یہ شعر بھی نعت کے کلیدی موضوعاتی مضامین میں شامل ہے۔

شعر(۵) : ہر کس قسم بہ آنچہ عزیز ست می خورد سوگندِ کردگار بجانِ محمدؐ ست

(ترجمہ) : ہر کوئی اس کی قسم کھاتا ہے جو اسے پیارا ہوتا ہے اسی لئے خدا تعالیٰ نے حضرت محمدؐ کی جان کی قسم کھائی ہے۔

(تشریح ومحاسن) : غالبؔ نے ایک عقلی اور منطقی معروضہ اور تجربہ پیش کیا ہے کہ ہر شخص اپنی بات معتبر ثابت کرنے کے لئے اپنی پسندیدہ چیز کی قسم کھاتا ہے اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے سب سے زیادہ محبوب بندے محمدؐ

کی جان کی قسم کھائی ہے۔ غالبؔ کے اس شعر کا مرکزی نقطہ محبت اور حُب ہے جو نعت کے موضوعات کا بھی مرکزی نکتہ ہے۔ یہاں غالبؔ سورہ الحجر کی آیت (72) کی طرف اشارہ کرر ہے ہیں (ترجمہ) آپ کی جان کی قسم بے شک یہ لوگ اپنے نشے میں بہک رہے ہیں۔ اس شعر میں محاورہ "قسم می خورد" کے استعمال نے شعریت میں اضافہ کیا ہے یہ شعر صنعت تضمین میں بھی ہے۔

شعر(۶) : واعظ حدیثِ سایۂ طوبیٰ فرو گذار کاین سخن ز سرورِ روانِ محمدؐ ست

(ترجمہ) : اے واعظ طوبیٰ کے سایہ کی بات چھوڑ دے کیوں کہ اب یہاں حضرت محمدؐ کے سرِ رواں کا ذکر ہو رہا ہے۔

(تشریح ومحاسن) : طوبیٰ جنت کا وہ بلند درخت ہے جس کے سایہ میں جنتی رہیں گے۔ غالبؔ نے اس مضمون سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا کہ اے واعظ یہ طوبیٰ کی لن ترانی کو چھوڑ دے اب ہمیں طوبیٰ کے سایہ کی ضرورت اس لئے نہیں کہ اب ہمارے درمیان سروِ محمدؐ مصطفیٰ بلند قامت موجود ہے جس کا سایہ رحمت طوبیٰ سے زیادہ آرام بخش ہے اب ہم رحمت للعالمین کے سائے میں رہیں گے۔ یہاں یہ بھی ایہام ہے کہ حضورؐ کی ذات اقدس اور بلند مرتبت شخصیت کا سایہ دنیا اور آخرت دونوں جگہ ہے۔ غالبؔ نے اس شعر میں صنعتِ تلمیح یعنی سایۂ طوبیٰ سے شعر میں رنگ بھرا ہے اس میں صنعت تقابل اور صنعت استتباع بھی موجود ہیں۔ طوبیٰ چونکہ بلند ترین بہشتی درخت ہے اس کی نسبت سرو قد حضورؐ سے دی گئی ہے جس میں صنعتِ رجوع ہے۔ ان صنعتوں کے علاوہ اس میں صنعتِ مبالغہ کا مزا بھی موجود ہے۔ اگر چہ غالبؔ صنعت گر نہیں لیکن لاشعوری طور پر یہ صنعتیں ان کے کلام میں اس قدر زیادہ تعداد میں نظر آتی ہیں جس کی وجہ سے غالبؔ کی زبان پر مہارت اور ضائع اور بدائع سے واقفیت ظاہر ہوتی ہے۔

شعر(۷) : بنگر دو نیمہ گشتن ماہِ تمام را کاں نیمہ جنبشی ز بنانِ محمدؐ ست

(ترجمہ) : تو ذرا بدر کامل کو دو ٹکڑے ہوا دیکھ جو حضورؐ کی انگلیوں کے اک معمولی اشارے کا نتیجہ ہے۔

(تشریح ومحاسن) : غالبؔ نے معجزہ شق القمر کو بیان کرنے میں صناعی سے کام لیا ہے یعنی یہاں قدرت مصطفیٰؐ کا دکھانا مقصود ہے جن کی انگلی کی معمولی حرکت سے چاند کے دو ٹکڑے ہوئے تھے۔ غالبؔ ایک عظیم شاعر ہے اور ان کا فن ہر لفظ کی مصرعہ میں نشست سے ظاہر ہے۔ مشہور ہے کہ بڑا شاعر ہر چھوٹے لفظ کو بھی بڑے اہتمام سے ایسے مخصوص مقام پر جڑ دیتا ہے جیسے جوہری نگینہ کو۔ اس شعر میں چاند کی نسبت سے لفظ "بنگر" (دیکھ) رکھا گیا ہے اس کے علاوہ اس شعر میں نادر اور اچھوتا قافیہ "بنان" بھی عظمتِ فن کی دلیل ہے۔ یہ شعر صنعتِ تلمیح میں ہے جہاں

معجزہ شق القمر کا ذکر ہے۔ صنعتِ اشتقاق میں دو نیمہ اور نیمۂ جنبشی شامل ہیں۔

شعر (۸) : ورخوذ نقش مہر نبوت سخن رود   آں نیز نامور ز نشانِ محمدؐ ست

(ترجمہ) : اگر مہر نبوت (جو حضورؐ کی پشت پر پیدائشی نشان تھا) کی بات ہو تو یہ جاننا چاہیے کہ وہ حضورؐ کی نسبت سے ارفع اور معتبر ہوئی۔

(تشریح و محاسن) : مہر نبوت کا اعتبار اور اس کی وقعت حضورؐ کے جسمِ اقدس کی نسبت سے ہی ہے۔ یہ شعر صنعت تلمیح میں ہے۔ اس شعر کی اصل خوب صورتی صنعت ایہام ہے یہاں مہر کے معنی وہ دفتری مہر بھی لی جاسکتی ہے جو منصب دار یا عہدہ دار استعمال کرتے ہیں چنانچہ منصب کی مہر یا نبوت کو حضورؐ کی ذات سے زینت ملی نہ کہ نبوت سے حضور کو۔ یعنی انبیاؤں میں حضورؐ سا عظیم المرتبت نبیؐ پیدا نہ ہوا۔ اس شعر میں نقش، نشان، مہر، صنعتِ مراعات النظیر میں ہے۔

شعر (۹) : غالبؔ ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم   کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمدؐ ست

(ترجمہ) : غالبؔ نے حضرت محمد مصطفیٰؐ کی ثنا کو حق تعالیٰ پر چھوڑ دیا اس لئے کہ وہ صرف محمدؐ کے مقام اور مرتبہ سے واقف ہے۔ یہ غالبؔ کے معروف مقطعوں میں شمار ہوتا ہے اس شعر میں شاعر کے عجز و انکسار کے ساتھ حضورؐ کی بلند قامت کا ذکر بھی ہے جس کا احاطہ کرنا انسان کے بس کی بات نہیں۔ بہ قول جامیؔ :

لا یمکن الثنا کما کان حقہٗ   بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

(بعض لوگوں نے غلطی سے اس شعر کو مولوی عبدالعزیز محدث دہلوی کا شعر لکھا ہے یہ شعر ان کی بیاض کے منتخب اشعار میں شامل ہے لیکن ان کا نہیں)۔ غالبؔ کے مقطع کی طرح عجز و انکساری کے مضمون کو اُردو اور فارسی کے شعرا نے نت نئے طریقوں سے باندھا ہے۔ جیسا کہ فخر الدین گرگانی نے لکھا کہ میں اس لئے کہہ سکا کہ اس میں میری مدد حق تعالیٰ نے کی۔

کنون گویم ثنا ہائے پیمبرؐ   کہ مارا سوے یزدان ست رہبر

یا نظیریؔ کہتا ہے :

نعت مصطفیٰؐ نامیت نامم   کزیں معنی بہ یزداں ہم کلامم

غالبؔ کے اس مضمون کو تین سو سال قبل سعد اللہ پانی پتی نے یوں باندھا :

خدا نعتِ محمدؐ داند و بس　　　　نیاید کارِ یزداں از دگر کس

اخیر میں ہم یہ کہتے ہیں کہ غالبؔ کی نعت کی ایک انفرادی کیفیت یہ بھی ہے کہ اس کے تمام تر اشعار نعت کے کلیدی موضوعات اور مرکزی اہمیت کے مضامین رکھتے ہیں۔ یہاں ثانوی مضامین یعنی سراپا، فراقِ مدینہ، مطالب دینوی کا ذکر نہیں۔ تمام تر نعتیہ غزل میں حضورؐ کی تجلیل اور تعریف کر کے بڑے ہی خوب صورت انداز میں اس وظیفۂ عشق کو حق تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں کہ حضورؐ کی مدح اور ثنا تو صرف وہی کر سکتا ہے جو ان کے مرتبہ اور مقام سے آگاہ ہے۔

خواجہ ہمامؔ تبریزی نے سچ کہا ہے :

ہزار بار بشویم دہن ز مشک و گلاب
ہنوز نام تو بردن کمالِ بے ادبی ست

☆......☆......☆

غالب کا معراج نامہ

زمانہ کی کھلی ستم ظریفی نہیں تو اسے کیا کہیں؟ غالبؔ کے شاہکار معراج نامہ سے لوگ ناواقف ہیں۔ یہ معراج نامہ مثنوی ''ابرِ گہربار'' کا جزو لازم ہے جو فارسی میں ہے اور اس میں (281) اشعار ہیں۔ اس معراج نامہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں نو آسمانوں یعنی فلک اوّل قمر سے فلک نہم عرش الٰہی تک تفصیلی گفتگو ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ غالبؔ نے اس فلکی سیر میں برجوں کو ان کے اثرات کے ساتھ نظم بھی کیا ہے اور خود بھی دبیر فلک کی شکل میں اس معراج کے سفر کا نظم نگار بھی ہے۔ برصغیر میں شاید یہ پہلی اس نوعیت کی مثنوی ہو جس میں افلاک کی مفصل سیر اور بارہ برجوں کے اثرات کو حضورؐ کی معراج میں اس طرح سے بیان کیا گیا ہو۔ علاّمہ اقبالؔ کا جاوید نامہ تقریباً غالبؔ کے اس معراج نامہ کے سو سال بعد 1932ء میں تصنیف ہوا۔

جاوید نامہ کے شارح یوسف سلیم چشتی لکھتے ہیں علاّمہ اقبالؔ اس بات سے آگاہ تھے کہ اکثر شائقین کو جاوید نامہ کے سمجھنے میں دشواری ہوگی اس لئے انھوں نے خود اس کتاب کا تعارف چودھری محمد حسین کے نام سے اکتوبر 1932ء میں شائع کروایا۔ جاوید نامہ تین سال میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ جاوید نامہ دراصل معراج نامہ ہے۔ اسرار و حقایق معراج محمدؐ پر ایک کتاب لکھنے کا خیال مدّت سے علاّمہ کے دماغ میں تھا۔ وہ ''گلشن راز جدید'' کی طرح علوم حاضرہ کی روشنی میں معراج کی شرح لکھ کر ایک قسم کا معراج نامہ جدید لکھنے کا خیال رکھتے تھے لیکن اسی اثنا میں اطالیہ کے مشہور فلسفی شاعر ڈانٹے کی ''ڈیوائن کامیڈی'' پر چند تنقیدیں یورپ میں شائع ہوئیں جن میں اس حقیقت کو ثابت کیا گیا تھا کہ ڈانٹے کی تصنیف کا تمام پلاٹ بلکہ اس کے بیشتر تفصیلی مناظر اُن واقعات پر مبنی ہیں جو اسلام میں معراج محمدیؐ کے متعلق بعض احادیث و روایات میں مذکور ہوئے۔ پس اس گفتگو سے یہ معلوم ہوا کہ علاّمہ جدید طرز کا معراج نامہ لکھنا چاہتے تھے لیکن گوناگوں وجوہات کی بنا اس کا نام جاوید نامہ رکھا۔ اقبالیات کے علماء نے جاوید نامہ کے پلاٹ جس میں افلاک اور سیاروں کی سیر و سیاحت ہے اُس پر تین کتابوں اور ان کے مطالب کی چھاپ بتائی ہے۔ ایک ڈانٹے کی ڈیوائن کامیڈی دوسرے بابائے تصوّف محی الدین ابن عربی کی فتوحات مکیہ اور تیسرے نابینا شاعر ابوالعلا معرّیٰ کا رسالہ ''الغفران'' جس میں معراج کا ادبی پہلو نمایاں ہے۔ کسی بھی شارح یا مفسّر نے غالبؔ کے معراج نامہ کا ذکر تک نہیں کیا جب کہ غالبؔ کا معراج نامہ شاید برصغیر کا پہلا معراج نامہ ہے۔ جس میں ہر فلک، اس کے سیارے اور اس کے حدود میں موجود برجوں کا جس تفصیل اور انوکھے

انداز میں غالبؔ نے ذکر کیا ہے مفقود ہے۔ اگرچہ فارسی تصوف کی شاعری میں معراج کے عناوین اور سیر افلاک پر اشعار ملتے ہیں اور تصوّفی فکر کے شعرا کا یہ خاص اور دلچسپ میدان تھا جس میں وہ سمندِ تخیّل کو دوڑاتے تھے۔ چنانچہ نظامیؔ کے خمسہ، مولویؔ کی مثنوی معنوی، شبستری کی رازِگلشن جدید میں یہ مضامین حسب فکر و ہمّت رقم ہوئے ہیں لیکن جس طرز سے غالبؔ نے اس کو نبھایا ہے اس کی مثال کہیں نہیں۔ تعجب کا مقام یہ ہے کہ جب خود علاّمہ نے اس کا تعارف لکھوایا اور اشارات میں ڈانٹے، ابن عربی اور ابوالعلا کی صراحیوں سے لی گئی مئے مست کا ذکر کیا تو غالبؔ کو کیوں بھلا دیا۔ جاوید نامہ کے اشعار کی ساخت اور بافت دیکھنے کے بعد یہ باور کرنا ممکن نہیں کہ علاّمہ نے مثنوی ابر گہر بار جو جاوید نامہ سے سو سال قبل تصنیف ہو چکی تھی اس کا مطالعہ نہ کیا ہو۔ خیر یہ ایک طولانی بحث ہے جس کو ہم دلیلوں و مشاہدات ادب کے ساتھ کسی اور مقام پر پیش کریں گے۔ اگر ڈیوائن کامیڈی میں جس کا خود ڈانٹے نے نام ''کومیڈیا'' یا ''طربیہ'' رکھا تھا۔ اس آسمانی سفر میں ڈانٹے کے ہمراہ چار ساتھی ہیں رہنما ہے اور یہ سات ستاروں کی سیر سے گزر کر بہشت و دوزخ اور اعراف کی فضاؤں کے نقشے کھینچتا ہے۔ ابی عربی اپنی کتاب فتوحات مکیہ میں ڈانٹے ہی کی طرح سات ستاروں کی سیر، دوزخ، بہشت اور اعراف سے گزرتا ہے لیکن چونکہ خود صوفی ہے اپنے خاص مکاشفات اور روحانی تصرفات اور وجدانی تجربات کی گفتگو کرتا ہے اس کے برخلاف اقبالؔ اپنے مرشد رومیؔ کے ساتھ صرف چھ افلاک کی سیر کر کے دوزخ اور بہشت کا گزر کیے بغیر آنسو سے فلک ہو کر عرشِ الٰہی پر تنہا چلا جاتا ہے۔ غالبؔ کی معراج نامہ کی مثنوی میں غالبؔ فلک عطارد سے دبیرؔ بن کر ان مشاہدات کو منظوم رقم کرتا ہے چنانچہ یوسف سلیم چشتی صاحب کا یہ کہنا زیر بحث لایا جا سکتا ہے کہ وہ اس موضوع پر جاوید نامہ کو ادبی دنیا میں دوسری اور فارسی میں پہلی کتاب قرار دیتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جاوید نامہ ایک عظیم تمثیلی طولانی نظم ہے یہ ایک ایسا عطر ہے جو کئی پھولوں سے حاصل کیا گیا ہے اس میں تخیّل کی بلندی اور اسرارِ کائنات کے رموز ہیں لیکن ان تمام مطالب کو سامنے رکھتے ہوئے بھی غالبؔ کی مثنوی کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں اس بات کی یاد آوری لازم ہے کہ ڈانٹے کی ڈیوائن کامیڈی فتوحات مکیہ کے چھ سو سال بعد اور علاّمہ اقبالؔ کا جاوید نامہ غالبؔ کے معراج نامے کے کوئی سو سال بعد تصنیف ہوا۔

ان مسائل کو نامکمل چھوڑ کر اب ہم اصل مطلب پر توجہ کرتے ہیں۔ فارسی اور اُردو ادب میں اگر معراج ناموں کو یکجا کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب بن سکتی ہے موضوع کا تسلسل مطالب کا ہجوم اور ہر گونہ واقعات، مناظر اور مکالمات کو نظم کرنے میں سہولت کی خاطر عموماً دوسری ہیئت پر مثنوی کو ترجیح دی گئی ہے۔ ہم نے مثنویات دبیرؔ میں

دبیر کے معراج نامہ جس میں کُل (684) اشعار ہیں تفصیلی تحقیقی گفتگو کر کے یہ بتایا ہے کہ یہ مثنوی 1837ء سے قبل کی تصنیف ہے یعنی دبیر کا معراج نامہ بھی تقریباً اُسی وقت کی تخلیق ہے جب غالب مثنوی ابرِ گہربار میں معراج نامہ لکھ رہے تھے اور دبیر کے معراج نامہ کے ساتھ بھی دنیا نے انصاف نہ کیا چنانچہ اس کے شعری محاسن، نادر مضامین اور قادرالکلامی کے بارے میں دنیائے ادب خاموش ہے۔ اُردو ذخائر میں ہمیں میر ضمیر کی مثنوی ''ریحان معراج'' نظر آتی ہے جس کی دبیر کے کلام پر گہری چھاپ ہے۔

مناسب یہ ہے کہ ہم پہلے چیدہ چیدہ معراج نامہ کے اُردو ترجمہ کا اقتباس پیش کریں تاکہ پڑھنے والے کو کسی حد تک اس کے مطالب و معانی کا پتہ چل سکے پھر ہم اس کے معنی آفرینی، دقیق اور گہرے اشارات اور ادبی محاسن کو اپنی گفتگو کا مرکز بنائیں۔

معراج نامہ یوں شروع ہوتا ہے۔

همانا در اندیشۂ روزگار

شبی بود سر جوش لیل و نهار

شبِ معراج کا ذکر کرتے ہوئے شاعر کہتا ہے۔ زمانے کے خیال میں وہ رات ایسی ہے جو راتوں اور دنوں کا اصل جوہر ہے۔ اور پھر مسلسل بیس (20) پچیس (25) اشعار میں رات کی تازگی، رات کی رونق، رات کی روشنی کا انوکھے انداز میں بیان ہے۔ اشعار تشبیہات اور استعارات میں اپنی معجز بیانی دکھا رہے ہیں۔ الغرض غالب نے شب معراج کے رخ کو نہ صرف روزِ روشن سے روشن تر کر دیا بلکہ

در آں روز فرخندہ آں شب نخست

همه روز خود را بخورشید شست

اس مبارک دن کو رات نے پہلے تو سورج کے نور سے دن بھر خود کو خوب دھویا اور نور سے ذرّے ذرّے میں خورشید کی چمک بھر گئی۔

سحر با خود از خود بریده امید

که چوں پیش ایں شب تواں شد سپید

اب صبح کو اپنے وجود کی امید نہ رہی کیونکہ کس طرح سے وہ اس روشن رات کے سامنے سفید ہو سکے گی۔

کہ گوئی مگر مہر زیر زمیں
فروزاں فروہ بود و پشت نگیں

گویا زمین کے نیچے سورج نہیں تھا بلکہ ایک روشن ڈانک تھا جو نگینہ دمکانے کے لئے نیچے لگایا جاتا ہے۔

پھر چند اشعار رقم کر کے غالبؔ اس بات کا افسوس کرتے ہیں کہ معراج کی اس روشن رات میں ان کا وجود نہ تھا اگر وہ زندہ ہوتے تو اس رات کی روشنی سے اپنی دانائی اور بینش کو روشن کر لیتے۔

دریغا نبودم اگر بودمے
وزاں روشنی بینش افزودمے

شاعری کا زیور مبالغہ ہے جسے شاعر اپنا ادعا ثابت کرنے کے لئے یوں بیان کرتا ہے کہ اس پر سچ کا گمان ہونے لگتا ہے۔ غالبؔ کہتا ہے فرض کرو اگر اُس روشن رات میں سورج گمرہی کی وجہ سے سفر پر نکل پڑتا ایسا معلوم ہوتا کہ کوئی حسینہ اپنے چہرے پر مشک کا تل لگالے۔ (یعنی سورج اُس روشن رات میں کالا نظر آتا)

ع۔ کہتے ہیں کہ غالبؔ کا ہے انداز بیاں اور۔ یہاں غالبؔ اب تاریک رات کو روشن کر کے تشبیہات کا مقدر بناتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

از آں روز تشبیہ عارض بہ شب
اگر رسم گشتے بنودے عجب
در آں شب ز بس بود درخشاں سرشت
فروخوندہ مردم خطِ سرنوشت
نگہ را بہ ہنگامہ بے سعی و رنج
نمایاں ز دل راز و از خاک گنج

اسی دن سے اگر رسم پڑ جاتی کہ روشن رخساروں کو رات سے تشبیہ دی جایا کرے تو کچھ تعجب نہیں اس رات تقدیر کی عبارت اتنی صاف اور چمک رہی تھی کہ لوگوں نے اپنے مستقبل کے حالات پڑھ لیے بس بغیر کسی دشواری کے دل کے راز اور زمین تلے کے خزانے آنکھوں پر روشن ہو گئے۔

یہ ہے غالبؔ کا کمال صنعت مبالغہ کا جادو کہ کچھ دیر کے لئے پڑھنے والا اسے سچ سمجھنے لگتا ہے ابھی وہ اس

یا کیف مجہول میں مسرور ہی رہتا ہے کہ غالبؔ فوراً گریز کر کے نور کو نورانی رات سے منوّر twilight zone
کر دیتے ہیں۔

کہ ناگہہ درود سروشاں سروش
درآں بیکراں قلزم افگند جوش

اتنے میں فرشتوں کا فرشتہ (جبرئیل) وارد ہوا اور اس کی آمد سے نور کا بے کراں سمندر اُبل پڑا اور پھر
جبرئیل کی تعریف کہ وہ خدا تعالیٰ کا سب سے بڑا دربان ہے جس کی بدولت روح اور عقل کا کام چلتا ہے جو رموز حق
سے واقف ہے وہ پیغمبر اکرم سے مخاطب ہو کر کہتا ہے۔

خداوند گیتی خریدار تست
شبست ایں ولی روزِ بازار تست

زمین اور آسمان کا مالک آپ کا طلبگار ہے اگر چہ کہنے کو یہ رات کا وقت ہے لیکن آپ کے لئے یہی روز
بازار ہے۔ ناز برداری کے لئے آپ کو زحمت نہ ہوگی آپ کے لئے موسیٰؑ کی طرح کے کلام کی تکرار نہیں ہوگی۔
آپ کی تو وہ ہستی ہے کہ موسیٰؑ نے جو خدا سے تقاضا کیا تھا۔ اے خدا مجھ کو اپنا جلوہ دکھا دے وہی تقاضا خداوند یکتا
آپ سے کر رہا ہے۔

توئی کانچہ موسیٰؑ بتو گفتہ است
خداوند یکتا بتو گفتہ است

غالبؔ ہر فرصت کو اپنے ہاتھ سے جانے نہیں دیتے بات میں بات نکالنا اور کلام میں معانی کا تلاطم پیدا
کرنا ان کے فن کا گُر ہے ایک ہی مصرعہ میں۔ ع۔ ''بیارائے شمشادِ بے سایہ را''
اپنے شمشاد جیسے سیدھے قد سے جس کا سایہ نہیں پڑتا اٹھئے اور۔ ع۔ ''بہ پیمائے اورنگ نُہ پایہ را''
نو درجے کے تخت یعنی آسمان کو طے کر ڈالئے۔ اور پھر

ع۔ ''ہما سایہ رخشی بہ پیشیش کشید''۔ ہما جیسے مبارک سایہ رکھنے والے گھوڑے کو اُن کے سامنے پیش کر دیا
جس نے جنت کی خوشبودار گھانس کھائی تھی۔ ع۔ ''زریحان مینو خورش یافتہ'' اور پھر تشبیہ سادہ سے مشکل ترین مسئلہ
رفتار کو واضح کرتے ہیں کہ اوپر سے نیچے ایک دم اترا جس طرح گنبد سے گیند نیچے گرے۔ یہاں کئی اشعار میں جنت
کے گھوڑے یا براق کی رفتار، شکل وصورت کو اچھی طرح نظم کیا ہے۔ ہم بیان سے لطف اندوز ہونے کے لئے دو تین

اشعار پیش کرتے ہیں۔

شتابش برفتارِ زاں حد گزشت
کہ تا گوے آید ز آمد گزشت

بہ ہم چشمے ھور ساغر سمے
بہ ہم دوشئ حور گیسو دمے

ز ساق و سُمش گر بہ بزم مدام
کنی ساز تشبیہ مینا و جام

اس سواری کی رفتار اس قدر تیز تھی کہ جتنی دیر میں زبان سے لفظ ''آتا ہے'' کہو وہ آیا اور آگے نکل گیا۔ اس کے ساغر جیسے سم سورج سے آنکھ ملاتے ہیں اور گیسو جیسی دم حُور کا مقابلہ کرتی ہے۔ یہ ایسا گھوڑا تھا کہ اگر محفل شراب میں ہوتو اس کی پنڈلی کو بوتل اور سُم کو جام کا نام دیا جائے۔ پھر کچھ شعر لکھ کر اس مضمون کو یوں بند کرتے ہیں۔

مثل زد بریں ماجرا بلبلے
کہ باد آمد و برد بوئے گلے

بس اس واقعہ پر بلبل نے یوں مثال دی کہ ہوا کا جھونکا آیا اور پھول کی خوشبو اُڑا لے گیا۔ جب گھوڑا چلتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قینچی کے دو پلڑے اس کی دو ٹانگیں ہیں اس سے غالبؔ نے نیا مضمون اٹھایا کہ

خرامی ز مقراض ''لا'' تیز تر
جمالے ''زالّا'' دلآویز تر

اس کا چلنا نفی (لاالہ) قینچی سے زیادہ تیز کترنے والا اور اس کا جمال اثبات (الااللہ) سے زیادہ دلآویز۔

جیسا کہ ہم اوپر مرزا دبیرؔ کے معروف معراج نامہ کا تذکرہ کر چکے ہیں اگر یہاں کچھ اشعار جو مرزا دبیرؔ نے براق پر تصنیف کئے ہیں جو نئے نئے مضامین اور صنعتوں کی دل کشی سے لبریز ہیں بیان کریں تو اُردو ادب کی بالیدگی کا احساس بھی رہے گا اور مرزا دبیرؔ اور غالبؔ کی قادر الکلامی اور مماثلت کا پتہ بھی چلے گا۔

براق رسولؐ خدا رشکِ برق — سراپا جواہر کے دریا میں غرق
دہرا زین اُس پر عجب شان کا — کہ نقشہ تھا رحل اور قرآن کا

وہ پَر اُس کے مثلِ پرِ جبرئیل | نہایت حسین اور نہایت جمیل
دو چشم براق رسالتؐ مآب | اِدھر آفتاب اور اُدھر آفتاب
زبرجد کے کان اور موتی کے پاؤں | برابر ضیا کے سبب دھوپ چھاؤں
میں سینہ کو نیساں کہوں فی المثل | ٹپکتے تھے موتی عرق کے بدل
رکاب براقِ فضیلت پناہ | بعینہٖ تھے دو دیدۂ مہر و ماہ
کہ اسوار جب ہوں رسولؐ امم | رکھیں اپنی آنکھوں میں ان کے قدم

اس میں کوئی شک نہیں کہ دبیرؔ مضامین کے موجد اور لفظوں کے شہنشاہ ہیں۔ غالبؔ مضامین کو نئے ڈھنگ سے پیش کرتے ہیں۔ دبیرؔ الفاظ کو نئے رنگ سے دیکھتے ہیں۔ ہمارے دعویٰ کے ثبوت کو دبیرؔ کے معراج نامہ کے یہ چند شعر کافی ہیں جو معراج نامہ میں چوتھے آسماں کی سیر سے تعلق رکھتا ہے۔ اس معراج نامہ میں دبیرؔ نے بھی افلاک کی سیر کا خوبصورت ذکر کیا ہے۔ ان ذیل کے اشعار میں صنعت سازی اور اچھوتے مضامین اور باریک خیالی کی بارش چاروں طرف ہر مصرعہ میں چار کی تکرار سے ہونے لگتی ہے۔

کدھر کو ہے ساقیِ عیسیٰؑ مکاں | کہ چرخ چہارم ہوا اب عیاں
مئے چار سالہ پلا ہوش مند | کہ ہو ربع مسکون سے رتبہ بلند
پلا چار ساغر مجھے شاد شاد | کہ ہو چار عنصر کو قوت زیاد
ہوں اس طرح چاروں فلک آشکار | کہ جیسے خدا کی کتابیں ہیں چار
پلا وہ شراب مسیحا شیم | کہ چاروں طرف مردے ہوں زندہ دم
یہی چار جانب تھی پھر تو ندا | سلام علیک اے حبیبؐ خدا

اوپر کے اشعار میں مئے چار سالہ، ربع مسکوں، چار عناصر، چاروں فلک، چار کتابیں، چار طرف، چار جانب، اور چرخ چہارم کا استعمال اگر قادر الکلامی نہیں تو اور کیا ہو سکتی ہے۔ یہ ہے دبیریت جس پر تحقیقی اور تنقیدی کام نہ ہو سکا۔

اب یہاں سے غالبؔ نے افلاک کی سیر شروع کی کہ تیزی سے بیت المقدس سے گزر کر چاند پر قدم ڈالا جو خوشی سے پھولا اور سورج کی روشنی کے بغیر ماہ کامل ہوگا۔

ع۔ چنین تا ز بیت المقدس گزشت

ع۔قدم تا بر اورنگ ماهش رسید

ع۔ که بے منّت مهر گردید بدر

ماہ نو باریک ہوتا ہے اور خورشید کی روشنی سے بتدریج ماہ کامل بنتا ہے۔ خوشی سے پھولنا محاورہ ہے اور اسی محاورے اور نور کے ایہام سے معنی آفرینی کی ہے۔ فلک اوّل قمر سے فلک دوّم عطارد جا کر اُسے روشنی عطا کی گئی۔ عطارد نے جو دبیر فلک کہلاتا ہے کوشش کی وہ زبان ملے جو شاہ کی مدح کر سکے اس فکر میں اس نے ایک قالب اختیار کیا اور غالبؔ کی شکل میں ہو کر اُس نے پیغمبرؐ کی مدح سرائی شروع کی۔

عطارد بہ آهنگ مدحت گری

زبان جست بهر زبان آوری

در اندیشه پیوند غالبؔ گرفت

بخود در شد و شکل غالبؔ گرفت

بدل گرمیٔ شوق جرأت فزائے

شد از دست و گردید دستاں سرائے

یہاں یہ نکتہ جالب ہے کہ غالبؔ نے عطارد کے دونوں معانی سے استفادہ کیا ہے چنانچہ یہاں غالبؔ چند شعر میں اپنے لئے بخشش کی طلب کرتے ہیں۔

دریں رہ ستایش نگار توام

بہ بخشائیش امید وار توام

معراج کے اس سفر میں آپ کی مدح میری زبان قلم پر رواں ہے آپ ہی کی ذات سے بخشش کی امید ہے جیسے ہی حضورؐ کی سواری تیسرے آسمان پر پہنچی وہاں زہرہ موجود تھی اس نے راہ میں آنکھیں بچھائیں اور یہاں ساز و شراب کے جو سامان تھے انھیں چھپانے میں پہلے بہت پریشان ہوگئی لیکن بعد میں شریعت کے حلقہ میں قید ہوگئی۔

ع۔ چو در حلقه شرع شد چنبری

علامہ اقبالؔ نے بھی جاوید نامہ میں فلک قمر، فلک عطارد کے بعد فلک زہرہ کی سیر بتائی ہے۔ فلک زہرہ میں جب سواری آسمان چہارم پر پہنچتی ہے جہاں حضرت عیسیٰؑ اور دوسرے لوگ جن میں ایرانی بادشاہ وغیرہ موجود

تھے اور اس فلک چہارم پر سورج کی طرف سے نیاز مندی، بادشاہوں کی طرف سے سجدۂ تعظیم عیسیٰؑ کی طرف سے سلام اور خدا کی طرف سے درود پہنچے

زنیّر نیاز و ز شاہاں سجود
زعیسیٰؑ سلام و ز یزداں درود

یہاں سے سواری فلک مشتری گئی۔ عجیب لطف کی بات یہ ہے کہ اقبالؔ نے فلک مشتری میں ارواح جلیلہ منصور حلاجؔ، غالبؔ اور قرۃ العین سے ملاقات کا نقشہ کھینچا ہے جب کہ خود غالبؔ معراج نامہ میں پانچویں فلک کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

کہ جنگ جو شاہوں کا ایک گروہ صف لگائے کھڑا تھا جس طرح کعبہ کے گرد اگرد احرام باندھے ہوئے لوگ۔ ان میں میرے اسلاف بھی تھے پادشاہ پشنگ تک۔

ع۔ نیاگان من تا جہانباں بشنگ

پھر سواری چھٹے فلک پر گئی یہاں حضورؐ کو شیر و شکر کا شربت پیش کیا گیا۔ یہاں سیارہ زحل کی نحوست اور سیاہ قلبی کی وجہ اس کی تنگ دلی اور دل میں دھواں کا جمع ہونا بتایا ہے۔

بدل تنگی از بس فرو خوردہ دود
شدہ شعلہ را روئے روشن کبود

اور اسی طرح حضورؐ کی سواری آگے بڑھتے جاتی ہے ساتوں افلاک پیچھے رہ جاتے ہیں۔ یہاں پر غالبؔ نے برجوں کے در کھولے اور ہر برج کو اس کی خصوصیت سے نمایاں کیا جو دوسرے شعرا کے پاس مفقود ہے اس سے غالبؔ کی علم نجوم اور دیگر فلکی علوم سے واقفیت ظاہر ہوتی ہے ہم طوالت مضمون کو پیش رکھتے ہوئے معراج نامہ کے آخری حصہ پر پہنچتے ہیں جو معراج نامہ کا سب سے اصلی حصہ ہے۔

اسی رفتار سے یہ آٹھ آسمان طے کیے کہ آسمان اُن کے گرد سر سو بار گھوما یعنی صدقہ ہوا۔

بداں پویہ پیمود ایں ہشت چرخ
کہ صد بار گرد سرش گشت چرخ

نہم پایہ کانرا تواں خواند عرش
برہ ز اطلس خویش گسترد فرش

غالب نے زمین سے عرش کی بلندی اور دوری بتا کر یہ کہا ہے کہ عرش زمیں کے باشندوں سے دور نہیں اُن کی فریاد سے لرزتا ہے۔ ع۔ دلے لرزد از نالۂ خاکیاں

اگر چیونٹی کی کمر بھی ٹوٹے تو دنیا میں کچھ نہیں ہوتا مگر عرش پر شور ہوتا ہے۔

صدائے شکستِ کمر گاہ مور

در اینجا ہیچ و دراں پردہ شور

غالب یہاں فلسفۂ توحید اور معرفت الٰہی کے آسمانوں میں پرواز کرنے لگتے ہیں۔ عرش وہ مقام ہے جس کو از روے عقل جگہ نہیں کہہ سکتے۔

در آنجا کہ ازروئے فرہنگ ورائے

بجا باشد ار خود نگویند جائے

یہ وہ مقام ہے جہاں سمتوں کا تعین ہی نہیں۔ وقت اور جگہ کا وجود بے معنی ہو گیا

جہت را دم خود نمائی نماند

زمان و مکاں را روائی نماند

عرش ایک ایسا فرش ہے جو روشن بالذات ہے۔ اس کی دمک میں کسی رنگ کی کثافت نہیں۔

بساطی ہم از خویشتن تابناک

ز آلایش کلفتِ رنگ پاک

بغیر سمت اور رخ کے حضرت آسمانوں اور زمین کے نور (وجود خداوندی) کی طرف متوجہ ہوئے۔

در آورد بی کلفت سمت وسوئے

بہ نورالسمٰوٰت والارض روئے

محل کا پہلا دروازہ لا (ماسوائے اللہ کی نفی) تھا۔ اس کی محراب کے صدر میں اِلّا (اثبات ذات احد) تھا۔

نبی ﷺ غیر اللہ کے مرحلے سے گزر کر الا اللہ (توحید کے اثبات) پر پہنچے۔ پہنچنا یہاں جگہ میں نہ تھا (یعنی مقام کے تصوّر سے جدا تھا)

نخستیں در از "لا" کشود آں رواق

ز "الّا" بصدر اندرش پیش طاق

بر الّا رسید و ز "لا" در گزشت

رسیدن ز پیوند جادر گزشت

احمدؐ میں میم کا نشان بھی نہ رہا (وہ احد ہو گیا) کیونکہ وہ میم خارج از حقیقت تھا چوں کہ فطرت احمدی میں وفا بھری تھی میم کا یہ فاصلہ ان کی بندگی کا اظہار بن گیا۔

نماند اندر احمد ز میمش اثر

کہ آں حلقۂ بُود بیرونِ در

ہر قسم کی بخشش سے سرفراز ہوئے۔ حق کے سامنے حضوری کے مرتبے سے واصل بہ حق ہوئے۔

بھر گونہ بخشیش سرافراز گشت

ہم از حضرت حق بحق باز گشت

جتنی دیر میں نشان قدم سے قدم اٹھے اتنی ہی دیر میں وہ اپنے مسکن پر آ گئے۔ باہر جاتے وقت دروازے کی جنبش سے زنجیر کا حلقہ ہلا تھا وہ اسی طرح ہل رہا تھا

نرفتہ بروں پائے از نقش پائے

کہ کردہ قدم بر قدم گاہ جائے

بجنبش درش حلقۂ در ہماں

زوے گرم بالیں و بستر ہماں

صبح ہوتے ہی جب سجدے کا وقت آیا تو انھیں خدا کے ہم نام (علیؑ) کی طرف سے درود کی آواز آئی علیؑ ان کے دروازے میں خوش و خرم داخل ہوئے اور (خدا کے بعد) علیؑ سے ملنا ایک اور خوشی کا سبب ہو گیا۔ رات کو انھوں نے نور قدسی کا ساغر پایا اور صبح علیؑ کے دیدار کا جام ملا۔

سحر گھہ کہ وقت سجودش رسید

ز ہم نام یزداں درودش رسید

شب از بادۂ قدس ساغر گرفت

صبوحی ز دیدارِ حیدرؓ گرفت

دونوں ہم راز ایک دوسرے سے راز کی بات کرنے لگے اور بصیرت کی نشانیاں ایک دوسرے کو بتانے

گئے آنکھیں دو ہیں ہر ایک کی نظر جدا جدا ہے لیکن دونوں آنکھیں جو کچھ دیکھتی ہیں وہ حقیقت ایک ہی ہے۔

دو همراز با همدگر راز گوئے
نشانهائے بینش بهم باز گوئے
دو چشمست و هر چشم را بنیشیست
ولی آنچه بینند هر دو یکسیست

اس معراج نامہ کا آخری شعر پر یہ مضمون تمام کرتے ہیں۔

نہ گنجد دوئی در نبیؐ و امامؑ
علیہ الصلوٰۃ علیہ السلام

ایک نبیؐ ہے ایک امامؑ اُن کے درمیان کوئی دوئی نہیں ہے۔ نبیؐ پر درود ہو اور علیؑ پر سلام۔

☆......☆......☆

نعت

آن بلبلم کہ در چمنستان بشاخسار
بود آشیان من شکن طرۂ بہار

آن ساقیم کہ از اثر رشحۂ کفم
خمیازہ را بموج گلاں پاشتی خمار

آن مطربم کہ ساز نوای خیال من
غیر از کمند جاذبۂ دل نداشت تار

آن کوکبم کہ در تب و تاب نورد شوق
اوج من از رسیدن می یافتی قرار

آن ریشۂ نگاہ اُمیدم کہ دمبدم
بود از نم طراوت دل شوقم آبیار

ہر غنچہ از دمم بفضاے شگفتگی
فیض نسیم و جلوۂ گلداشت پیشکار

ہر جلوہ را ز من بتقاضاے دلبری
از غنچہ بود محمل نازی برہگزار

هم سینه از بلای جفا پیشه دلبران
فرهنگ کاردانی بیداد روزگار

هم دیده از ادای مغان شیوه شاهدان
فهرست روزنامۀ اندوه انتظار

هم در زمانه بهر رواج نشاط خویش
هم درمیانه از اثر عکس روی یار

پیمانه را به نرخ چمن دادمی بها
آئینه را به موج شفق بستمی نگار

شوقم جریدۂ رقم آرزوی بوس
ذوقم قلمرو هوس مژدۂ کنار

فکرم بجیب شاهد اندیشه گلفشان
کلکم بطرف گلشن نظاره لاله کار

از چشم و دل نهاد مرا بود تاج و تخت
وز رنگ و بو بساط مرا بود پود و تار

بختم بجیب عشرتیان میفشاند گل
سعیم ز پاے محتسبان میکشید خار

وقت مرا روانی کوثر در آستین
بزم مرا طراوت فردوس در کنار

ساقی ز باده بر اثر نغمه عذر خواه
مطرب ز نغمه هوس باده حق گزار

از پرده های ساز نفسها اثر فشان
از جلوه های ناز نظرها کرشمه بار

همواره ذوق مستی و لهو و سرور و سور
پیوسته شعر و شاهد و شمع و می قمار

با کیسه در خصومت و با کاسه در لجاج
رندان پاکباز و شگرفان شاد خوار

بدمستئ شبینه و خواب سحر گهی
رنگینئ سفینه و اشعار آبدار

اکنون منم که رنگ برویم نمی رسد
تا رخ بخون دیده بشویم هزار بار

صد ره ز داوری بگرو باز برده ام
افتادگی ز خاک و پریشانی از غبار

نقشم بنامه نیست بجز سرنوشت داغ
تارم بجامه نیست بغیر از تن نزاد

نم در جگر نمانده ز تر دستئ مژه
دل را به پیچ و تاب نفس میدهم فشار

چشمم کشوده اند بکردار های من
زاینده نا امیدم و از رفته شرمسار

پایم به گل ز حسرت گشت کنار جوی
خارم بدل ز یاد هم آهنگئ هزار

هم درد من فتاده در آشوب گاه بیم
شمع سحر گه و قدح دست رعشه دار

خو کردنم بوحشت شبهای بیکسی
برد از ضمیر دهشت تاریکیٔ مزار

در پیکرم ز درد و دریغست جان و دل
در بسترم ز خاره و خارست پود و تار

هم تن ز ضعف وقف شکنهای بیحساب
هم دل ز رنج داغ المهای بیشمار

از خون دیده هر مژه ام شاخ ارغوان
وز سوز سینه در نفسم تاب لاله زار

کاشانهٔ مرا در و دیوار شعله خیز
همسایهٔ مرا سر و دستار پر شرار

پیموده ام درین سفر از پیچ و تاب عجز
در هر قدم هزار بیابان و کوهسار

داغی بدل ز فرقت دهلی نهاده ام
کش غوطه داده ام بجهنم هزار بار

بخت از سواد کشور بنگاله طرح کرد
بر خویش رخت ماتم هجران آن دیار

با این همه نهیب که جان میرود ز تن
با این همه نورد که دل میرود ز کار

لختی بدلفریبی شوق جنون مزاج
لختی به پشتگرمیٔ جان امیدوار

محوم چنان که مهر ندانم ز دشمنی
مستم چنان که گل نشناسم ز نوک خار

هر گرد فتنه طرهٔ خوبان کنم گمان
هر زخم کینه خندهٔ مستان دهم قرار

پست و بلند را نه سگالم به ناز و عجز
رد و قبول را نه پزیرم بفخر و عار

هر گونه زهر عربده اندر مذاق من
مانند تلخیٔ می ناب ست خوشگوار

در دشت بر دمیدن نیّر ز طرف کوہ
چشم مراست جلوۂ رونی بہ تابسار

دکان روستائی و شبہای برشگال
دانم سواد سایۂ تاکست و آبشار

آیا بود کہ گریہ بدل تازگی دہد
چون سبزۂ کہ بردمد از طرف جویبار

آیا بود کہ دست تہی موج زر زند
چون آتشی کہ سر کشد از پردہ چنار

آیا بود کہ از اثر اتفاق بخت
دیوانہ را بوادیٔ یثرب فتد گزار

ہم دوش شوق را دہمی حلہ زان نسیم
ہم چشم بخت را کشمی سرمہ زان غبار

سایم بر آستان رسولؐ کریم سر
جان را بفرق مرقد پاکش کنم نثار

هم مزد سعی بخشم و هم مژدهٔ سکون
از بوسه پاے خویش کنم بر درش فگار

فخرِ بشر، امامِ رسل، قبلهٔ امم
کز شرع اوست قاعدهٔ دانش استوار

آن ابتدای خلق که آدم درین نورد
همچون امام سبحه برونست از شمار

آن منتهاے همت هستی که در وجود
اندر میان دهر نشان میدهد کنار

در معرض لطافت مهرش، جهان جهان
گلهای شیشه میدمد از مغز کوهسار

در موقف سیاست قهرش، زمان زمان
مهر از شعاع می کشد انگشت زینهار

دانی چراست، کز اثر جلوهٔ قدش
بر خاک نقش سایه نگردید آشکار؟

وقتیکہ ریخت طرح مثالش ز نور خویش
برداشت از میانہ حجاب آفریدگار

ہم سطوتش بعرض شکوہ شہود حق
از ہر نگہ دریدہ جگر گاہ اعتبار

ہم قدرتش بدعوی شرح کمال خویش
قانون نطق را ز رگ سنگ بستہ تار

از فیض بخشیٔ نفسش غفلت آگہی
وز دلنوازیٔ کرمش جبر اختیار

در بزم رنگ و بوی نگاہش ز مرتضیٰؑ
در رزم آبروی سپاہش ز ذوالفقار

حقا کہ لفظ احمد و لطفی کہ تحت اوست
گنجیست شائگان و طلسمیست استوار

امی پیٔ کشایش این معنوی طلسم
فطرت شگرف قاعدۂ کردہ اختیار

باید نخست میم ز احمد فرا گرفت
کان میم اسم ذات نبی راست پردہ دار

ہر گہ بہ یمن معرفت ذات احمدی
میم از میانہ رفت و احد گشت آشکار

بے پردہ بنگر از الف اللہ جلوہ گر
وز حا و دال بشمر و دریاب ہشت و چار

دارم سر حضور کہ در عرض خدمت ست
شوقم عنان گسستہ تر از باد نو بہار

مطلع ثانی

اے آنکہ چشم در رہت از موج ہر غبار
فردوس را بدام نگہ می کند شکار

تقدیر از وجود تو شیرازہ بستہ است
مجموعۂ مکارم اخلاق کردگار

توفیق در زمان تو ترتیب دادہ است
فرہنگ آفرینش و شرح رموز کار

هم گوهر ترا ز فروغ خود آبرو
هم صانع ترا بوجود تو افتخار

در یمن کرده اند یسار ترا یمین
در بذل داده اند یمین ترا یسار

جنت بکارگاه ولای تو حله باف
رضوان ببارگاه رضای تو پیشکار

در عالمی که بردمد از عرصه رستخیز
در موقفی که سرزند از پرده گیر و دار

بر دامن از سپیدی روها کشی طراز
در وام از رهائی امت بری شکار

بخشش به نقد سجده روائی عطا نکرد
نگرفت تا نخست ز سنگ درت عیار

رحمت ثواب را بسراپرده جا نداد
ناورد تا ز دفتر جودت برات بار

بے رخصت ولای تو طاعات مدعی
بیمزد همچو کوشش دهقان بشوره زار

بے عشرت رجای تو اوقات زندگی
تنگ و تبه چو دیدۂ مور و دهان مار

تا پنجۂ عطای تو گردیده پرده در
تا سایۂ لوای تو گردیده پرده دار

خواهم رواج و رونق جنت ز خار و خس
نازم سپید روئ مشتی سیاه کار

نظاره گر بعرض نگه بال میزنند
با نزهت جمال تو سطریست از غبار

اندیشه گر بسعئ قلم ناز میکند
در حضرت جلال تو طفلیست نی سوار

می خواستم که شاهد مدح ترا کنم
دامان و جیب پر ز گهرهاے شاهوار

در پیچ و تاب عرض جنون شمار شوق
ابیات را ز صد برسانم صد هزار

هر لفظ را بقافیه آرم هزار جا
هر پرده را بولوله سنجم هزار بار

اما ادب که قاعده دان بساط تست
داد از نهیب حوصلۂ آز را فشار

از بسکه بر جگر نمک دور باش ریخت
گردید خامه در کفم انگشت زینهار

دیگر چه گفت، گفت که اے غالبؔ حزین
دیگر چه گفت، گفت که اے رند خاکسار

هرچند شوق تشنۂ عرض عقیدتست
اما تو و ستایش ممدوح کردگار

از ناکسی بنال و جبین برزمین بسای
کلک و ورق بیفگن و دست دعا برآر

تا کسوت وجود شب و روز را بدهر
از تاب مهر و پرتو ماه ست پود و تار

تا سینه راست ناله در انداز کاؤ کاؤ
تا دیده راست جوش نگه ساز خار خار

تا سجده راست در ره حق مژدهٔ قبول
تا عذر راست بر در بخشش نوید بار

تا شاخ را ز عیش بود غنچه خنده ریز
تا ابر را ز شوق بود دیده اشکبار

بادا محیط نور ز فیض تو موجزن
بادا بنای دهر ز شرع تو استوار

عزم مجاهدان تو با چرخ همعنان
سعی موافقان تو با خلد همکنار

دایم ز وضع چرخ ثوابت محیط باد
بر تارک عدوی تو ابر تگرگ بار

لاغر چنان که در خم و پیچ فغان و آه
نتوان شناختن تنش از ناله های زار

آنرا که برده الفت گیسوی تو بخاک
سنبل دمد ز جیب سواد شب مزار

وانرا که برخلاف تو رفته است در لحد
دودی بر آورند و لیکن هم از دمار

نعت

مرا دلیست بہ پس کوچۂ گرفتاری
کشادہ روی تر از شاھدان بازاری

بہ لاغری کنم آسان قبول فیض سخن
کہ رشتہ زود رباید گھر ز ھمواری

بہ تنگی دھن دوست، خاطری دارم
کہ دل ربودہ ز دشمن بہ نغز گفتاری

ز طوطیان شکرخا مگوی و از من جوی
نشاط زمزمہ و لذت جگر خواری

چو زلف جوھر تیغم بود پریشانی
چو چشم ناز بخویشم رسد ز بیماری

نہ مایہ بخشی دل در حق زبان بیش ست
مژہ چہ پیش برد دعوی گھر باری

نہ جوش خون دل از قدر گریہ افزون ست
چرا نباشدم از تاب چھرہ گلناری

ز بسکـه عـمـر سپردم بـه بزلـه پالائی
ز بسکـه خـوی گـرفتم بـه لذت خواری

ز آب خـضـر نشـان میـدهـم بآسـانی
بـذوق عـربـده جـان میدهـم بـدشـواری

چو مژده دوست نوازم چو فتنه خصم گداز
بـدل ز سـادگی و بـا زیـان ز پـرکـاری

چو باد تند که هنگامه سنج خویشتن ست
ستیـزهٔ بـودش بـا غبـار پـنـداری

مـلال خـاطـر حـاسد ز من بدان مـانـد
کـه گـرد ره بهـوا پیچـد از سبکسـاری

چه ننگ اگر بـه سخن همفن ست چون به
سـخـن
زدوده ام ز ورق داغ نـنگ هـمـکـاری

مـرا کـه عـرض هـنـر دوزخ پشیمانیست
هـمیـن بـس سـت مـکـافات حاسد آزاری

شد آنکه همقدمان را ز من غباری بود
ز رفتگان بگزشتم به تیز رفتاری

مسنج شوکت عرفیؔ که بود شیرازی
مشو اسیر زلالیؔ که بود خوانساری

بسومنات خیالم درای تا بینی
روان فروز بروِ دوشهای زناری

بساط روی زمین کارگاه ارژنگی
بتان دیر نشین ، شاهدان فرخاری

جحیم جوشدم از پردۂ نفس چو مرا
بود بجان عدوی نبی شررکاری

بهشت ریزدم از گوشۂ ردا که مرا
ز خوان نعت رسولست زله برداری

مطاع آدمؑ و عالم محمدؐ عربی
وکیل مطلق و دستور حضرت باری

شهنشهی که دبیران دفتر جاهش
به جبرئیل نویسند عزت آثاری

عدو کشی که ز چاک کنار توقیعش
دویده تا دل خسرو جراحت کاری

افاضۀ کرمش در حقائق آفاق
بسان روح در اعضای جانور ساری

افادۀ اثرش بر قوائم افلاک
به شکل رعشه بر اندام آدمی طاری

دران نورد که وحدت بچار سوی شهود
فروخت رونق هنگامۀ خریداری

متاع او به تماشا سپرد ارزانی
حدوث او بقدم داد گرم بازاری

نشان رتبۀ ذاتش بعالم توحید
دو پایه برتر از افعالی و ز آثاری

تو کز وجوب مغائر شماری امکانش
ز احولیست نگہ در مقام زناری

چنان بود کہ ببیند بخواب کس خود را
ازو مشاہدۂ حق بعین بیداری

دران مقام کہ ہنگامہ ساز کثرت کرد
نہفت جادۂ مقصود اندران تاری

ظہور ایزد یکتا بصورت خاصش
نہادہ در رہ اعیان چراغ غمخواری

چنین کہ می نگرم جلوۂ حجاب گداز
چہ مشکلست وگر خویشتن نگہداری

می مشاہدہ پر زور و من ز سادہ دلی
خورم چو بیش کنم حرص بیشتر خواری

سخن مذاق دگر یافت شورشی دارد
نمک فشانی مستی بہ مغز ہشیاری

عنان گسیختہ بیراھہ تاختن تا چند
بشرع پیچم و گردم بپویہ ھنجاری

بمطلعے کہ ز غیبت رساندم بحضور
کشم نوای نیابش بنالہ و زاری

مطلع ثانی

زھی ز حرف تو اندیشہ را مددگاری
خرد بسایۂ شرعت ز فتنہ زنھاری

تو و کلیم و کفش اجر آستان روبی
تو و مسیح و دمش اجرت ھواداری

اسیر دام ترا خلد در ھواخواھی
مریض عشق ترا حور در پرستاری

تو مہ شگافی و خورشید را بگرداند
رفیق تو بقدمگاہ قدرت اظھاری

دم از ترانۂ خوی تو در اثر سنجی
دل از فسانۂ موی تو در نشانداری

بعطر سائي موج نسيم نوروزی
بمشک زائي ناف غزال تاتاری

اگر نه خاصه ز بهر بساط عزت تست
بنای کعبه درین کهنه چار دیواری

چراست اینکه حقش کرده کارفرمائی
چراست اینکه خلیلش نموده معماری

چو موج و بحر ستایش گر ترا پیوست
نشاط فیض از با زبان کند یاری

سخن یکیست ولی در نظر ز سرعت سیر
کند چو شعلهٔ جواله نقطه پرکاری

سخن ز مدح تو بالد بخویش کز تعظیم
بصد هزار زبانی ستودهٔ باری

به فیض کحل ولای تو در نظر دارم
که آنچه حد نظر نیست در نظر داری

خود از احاطهٔ علمیهٔ تو بیرون نیست
هر انچه پیش تو گویم همی بناچاری

ز آسمان گلهٔ اتفاق ناسازی؟
ز بخت شکوهٔ توفیق زشت کرداری؟

بمن درین که فرو ریزد از زبان چه گرفت
شکایتی که نه گنجد بدل ز بسیاری

بداوری سروکارم به جمعی افتاده است
که برگزیدهٔ چرخند در ستمگاری

چو فتنه جامع قانون عالم آشوبی
چو غمزه صاحب فرهنگ مردم آزاری

فگنده دلو و رسن را بچاه و برسر چاه
شکسته اند سبوی مرا بسرشاری

بسا بگشته و هم بر پے نخستیم
بسان گاو خراس اندرین طلبگاری

ز ناوک تن خصم ایمن ست و من خسته
قضا سپرده به پیکان تیر سوفاری

کجاست دست که چینم ثمر ز نخل امید
اگر رسد بزمین شاخش از گرانباری

اگرچه ز اشتلم بخت میزیم ناکام
بدان صفت که کسی جان دهد بدشواری

معاش من به معاد عدوی تو ماند
ز رنگ رنگ نژندی ز گونه گون خواری

ولی باین همه درماندگی چو یاد آرم
ز رحمتی که بحال جهانیان داری

زهم فرو گسلد بند بند فتنه اگر
بقدر ذوق ببالم درین گرفتاری

دو روزه راه بهر رنگ میتوان پیمود
بلند و پست سرافرازی و نگونساری

ننالم از ستم غیر بر تو باد که تو
مرا بدست من دیوسار نگزاری

به جنبش اثر لا الٰه الا اللہ
غبار ہستیِ غالبؔ ز پیش برداری

خمسه بر غزل مولانا قدسی

کیستم تا بخروش آوردم بی ادبی
قدسیان پیش تو در موقف حاجت طلبی
رفته از خویش بدین زمزمۂ زیر لبی
"مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جان باد فدایت که عجب خوش لقبی"

ایکه! روی تو دهد روشنی ایمانم
کافرم کافر، اگر مهر منیرش خوانم
صورت خویش کشیدست مصور دانم
"من بیدل بجمال تو عجب حیرانم
اللّٰه اللّٰه! چه جمال ست بدین بلعجبی"

ای گل تازه! که زیب چمنی آدم را
باعث رابطۂ جان و تنی آدم را
کرده دریوزۂ فیض تو غنی آدم را
"نسبتی نیست بذات تو بنی آدم را
برتر از عالم و آدم، تو چه عالی نسبی"

ای لبت را بسوی خلق ز خالق پیغام
روح را لطف کلام تو کند شیرین کام
ابر فیضی که بود از اثر رحمت عام
”نخل ستان مدینہ ز تو سرسبز مدام
زان شدہ شهرۂ آفاق بشیرین رطبی“

خواست چوں ایزد دانا کہ بساطی از نور
گسترد در همہ آفاق چہ نزدیک چہ دور
حکم اصدار تو در ارض و سما یافت صدور
”ذات پاک تو درین ملک عرب کرد ظهور
زان سبب آمدہ قرآن بزبان عربی“

وصف رخش تو اگر در دل ادراک گذشت
نہ همین است کہ از دایرۂ خاک گذشت
همچو آن شعلہ کہ گرم از خس وخاشاک گذشت
”شب معراج عروج تو ز افلاک گذشت
بمقامیکہ رسیدی نرسید هیچ نبی“

چه کنم چاره که پیوند خجالت گسلم
من که جز چشمۂ حیوان نبود آب و گلم
من که چون مهر درخشان بدمد نور دلم
"نسبت خود بسگت کردم و بس منفعلم
زانکه نسبت بسگ کوی تو شد بی ادبی"

دل ز غم مرده و غم برده ز ما صبر و ثبات
گم گساری کن و بنمای بما راه نجات
داد سوز جگر ما چه دهد نیل و فرات
"ما همه تشنه لبانیم و توئی آب حیات
رحم فرما که ز حد می گذرد تشنه لبی"

غالبؔ غمزده را نیست درین غمزدگی
جز به امید ولای تو تمنای بهی
از تب و تاب دل سوخته غافل نشوی
"سیدی انت حبیبی و طبیب قلبی
آمده سوی تو قدسی پی درمان طلبی"

غزل

حق جلوہ گر ز طرز بیان محمدؐست
ارے کلام حق بہ زبان محمدؐست

آئینہ دار پرتو مہرست ماہتاب
شان حق آشکار زشان محمدؐست

تیر قضا ہر آئینہ در ترکش حق ست
اما کشاد آں ز کمان محمدؐست

دانی اگر بہ معنئ لولاک را رسی
خود ہر چہ از حق ست از آن محمدؐست

ہر کس قسم بدانچہ عزیزست می خورد
سوگند گروگار بجان محمدؐست

واعظ حدیث سایۂ طوبیٰ فروگزار
کاینجا سخن ز سرو روان محمدؐست

بنگر دو نیمہ گشتن ماہ تمام را
کاں نیمہ جنبشے زبنان محمدؐست

در خود ز نقش مہر نبوت سخن رود
آں نیز نامور زنشان محمدؐست

غالبؔ ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتم
کاں ذات پاک مرتبہ دان محمدؐست

نعت

بنام ایزد اے کلک قدسی صریر
بھر جنبش از غیب نیرو پذیر

ز مہرم بدل ہمچو آہ اندر آئی
ز دل تا بر آرم بگردوں بر آئی

چو بر سلسبیلت رہ افتد نجم
خیاباں خیاباں بہ مینو بچم

بدم درکش آبِ گہر سائی رَا
نمودار کُن گوہر لائی را

فرو رویداں لائی و دیگر بروی
ز سرسبز گرد و فرو سو بپوئی

شگافی از آں در بخویش اندر آر
بہشتی نسیمی بہ پیش اندر آر

سبحان اللہ اے وہ قلم کہ جس کی سرسراہٹ فرشتے کے نزول کی آواز جیسی ہے، تیری ہی حرکت کو غیب سے قوت ملتی ہے۔

محبت میں مثل آہ کے میرے دل کے اندر اُتر آ۔اور جب باہر نکالوں تو آسمان پر پہنچ جا۔

خم کھاتی ہوئی راہ سے جب تو (جنّت) نہر سلسبیل تک جا نکلے تو کیاریوں کیاروں جنّت میں ٹہلتا رہ۔

اس پانی کو جو موتی کی مانند ہے، اپنے اندر بھر لے اور تلچھٹ کے جوہر کو نمودار کردے۔ یعنی تہ تک پہنچ۔

اس تلچھٹ میں اُتر اور اُتر، سر سے سبز ہو (یعنی کنارے پر روشنائی لے) اور نیچے کو اور اسطرف دوڑ کر نکل آ۔

تو اس دَر سے (یا درار سے) اپنے اندر شگاف (قلم کا شگاف) لے کر نسیم بہشتی سامنے لائے (یعنی میری تحریر میں نسیم جنت کا لطف ہو)

بدآں نم کہ اندر سرشت آوری
بداں باد خوش کز بہشت آوری

دلآویز تر جنبشے ساز کن
بجنبش رقم سنجے آغاز کن

درودے بہ عنوانِ دفتر نویس
بہ دیباچہ نعتِ پیمبر نویس

محمدؐ کز آئینہ روئے دوست
جز بینش ندانست دانا کہ اوست

زہی روشن آئینہ ایزدے
کہ دروی نگنجیدہ زنگ خودے

ز راز نہاں پردۂ برزدہ
ز ذاتِ خدا معجزے سر زدہ

تمنّائے دیرینۂ کردگار
بَوَے ایزد از خویش امیدوار

جو نمی اپنی ذات میں لئے ہوئے آئے گا
اور اس نسیم سے جو بہشت سے لائے گا۔

اس سے کام لے کر کچھ اور ہی دلآویز حرکت دکھا ،
اور اس حرکت سے تحریر کی ابتدا کر۔

دفتر کے سرنامے پر درود لکھ اور
آغازِ کلام رسولِ خدا کی نعت سے کر۔

محمدؐ کی ذات جو دوست (خدا) کے جلوے کا آئینہ ہے،
صاحبِ نظر کو خدا میں اور اس میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔

خداوند عالم کے اس روشن آئینے کا کیا کہنا
جس میں خودی (الگ سے اپنے وجود) کا زنگ تک نہیں لگا۔

رازِ نہاں سے اُس نے پردہ اٹھا لیا
ایک اعجاز ہے جو خدا کی ذات سے ظاہر ہوا۔

خدا کو ایک زمانے سے آرزو تھی (وہ وہ محمدؐ کی تخلیق کے ساتھ ظاہر
ہوئی) ، اُن کا وجود ایسا ہے جس سے خدا کی امیدیں وابستہ ہیں۔

تن از نور پالوده سر چشمۂ
دلے ہمچو مہتاب در چشمۂ

بہر جام ازو تشنۂ جرعہ خواہ
بہر گام ازو معجزے سر براہ

کلامش بدل در فرود آمدن
زِدم جستہ پیشی بزود آمدن

خرامش بہ سنگ از قدم نقش بند
بہ رنگے کہ نادیدہ پایش گزند

بہ دستش کشادِ قلم نارسا
بہ کلکش سوادِ رقم نارسا

دل امیّد جائے زیاں دیدگاں
نظر قبلہ گاہِ جہاں دیدگاں

بہ رفتار صحرا گلستاں کنے
بہ گفتار کافر مسلماں کنے

ان کا جسم ایک سر چشمہ ہے جو نور سے ڈھکا ہوا ہے ، اور
ان کا دل جیسے چاند کا عکس کسی چشمے میں محدود ہو۔

اُن کے جام سے ہر ایک پیاسا ایک گھونٹ کا طلبگار ہے
اور ہر قدم پر اُن کے وجود سے معجزے ظاہر ہوتے ہیں۔

اُن کا کلام ایسا ہے کہ اِدھر ادا ہوا اُدھر دل میں اُتر گیا ،
نیچے اترنے میں اس نے سانس پر سبقت حاصل کی ہے۔

جب وہ چلتے ہیں تو پتھر پر نشانِ قدم بن جاتے ہیں:
اس طرح کہ اُن کے قدموں کو ضرر نہیں ہوتا۔

اُن کے ہاتھ میں آئے تو قلم کی ساری جولانی دھری رہ جائے اور
اُن کے قلم تک تحریر کی سیاہی کی پہنچ نہیں ہے۔

اُن کا دل زیاں کاروں کی اُمیدگاہ ہے اور
اُن کی نظر جہاں دیدہ بزرگوں کی قبلہ گاہ ہے۔

محمدؐ اگر بیاباں سے گذریں تو وہاں باغ لہلہانے لگیں ،
زباں کھول دیں تو بے دینوں کو ایمان نصیب ہو جائے۔

بدنیا ز دیں روشنائی دھے
بہ عقبیٰ ز آتش رھائی دھے

بخوئی خوش اندوہ کاہ ھمہ
بہ آمرزش امید گاہ ھمہ

لب نازنینش گزارش پذیر
جہاں آفرینش سپارش پذیر

زمیں دل ز کف دادۂ پائے او
خود از نقش پایش سویدائے او

پئے آنکہ او را ببوسد قدم
لب آوردہ یثرب ز زمزم بھم

ز بس محرم پردۂ راز بود
بہ نزدیکیِ حق سرافراز بود

زرازے کہ باوے سرودی سروش
صدائیش بودی ز اوّل بگوش

دنیا میں دین کی روشنی عطا کرتے ہیں اور
آخرت میں جہنّم کے عذاب سے نجات دلواتے ہیں۔

اپنی خوش خلقی سے ہر ایک کا دُکھ بٹانے والے اور
بخشش کیلیے سبھوں کے کام آنے والے۔

اُن کے نازک لبوں پر حرفِ شفاعت آتا ہے اور
خالق اُن کی زبانی سفارش قبول کرلیتا ہے۔

محمدؐ کے پاؤں زمین پر پڑے تو زمین اُن پر جی جان سے فدا ہوگئی
اور یہ نقشِ قدم زمین کے دل کا سویدا ہو گئے۔

صرف اس خیال سے کہ اُن کے قدم چوم سکے
یثرب کی سر زین نے زمزم کے کنوئیں سے لب پیدا کئے۔

چونکہ آں حضرتؐ اللہ کے راز کے جاننے والے تھے ،
اور قربتِ الٰہی سے سرفراز تھے۔

اس لئے جب فرشتہ کوئی راز کی بات لے کر آتا ہے اور ان تک
پہنچاتا ہے تو پہلے ہی اس کی صدا اُن کے کانوں میں سمائی ہوتی ہے۔

خھی قبلۂ آدمے زادگاں
نظر گاہ پیشیں فرستادگاں

کشائی دہ نسلِ آدم بخویش
روائی دہ نقد عالم بخویش

بلندی دہ کعبہ بالائے او
گرامے کنِ سجدہ سیمائے او

یمن روشن از پرتوِ روئی او
ختن بستۂ چین گیسوئے او

بہ کیش فریور جہاں رہنمائی
زبیراھہ پویاں خرامش رُبائی

زبت بندگی مردم آزاد کن
جھانے بیک خانہ آباد کن

بہ محراب مسجد رُخ آرائے دیر
بِہ اندیشِ خویش و دعا گوئے غیر

کیا کہنے ہیں انسانوں کے اس قبلہ گاہ کے ،
جن پر پہلے کے پیغمبروں کی نگاہ لگی ہوئی تھی۔

اپنی نسبت سے انھوں نے بنی آدم کو ایک قدر و منزلت دے دی ،
اور اہلِ دنیا کے متاع (اعمال) کو قبولیت عطا کی۔

رسول کا قد و قامت کعبے کو بلندی عطا کرتا ہے ، اور
اُن کی پیشانی کی بدولت سجدے کو وقار نصیب ہوتا ہے۔

ان کے چہرے کے نور سے یمن کے علاقے کی روشنی ہے ، اور
اُن کی زلفوں کے شکن سے خُتن (چین کا مغربی علاقہ) وابستہ ہے۔

عظیم الشان دین کی طرف انھوں نے ہی دنیا کی رہنمائی کی اور
جو لوگ گمراہ تھے ان کی رفتارکا خاتمہ کردیا۔

انسانوں کو بتوں کی پوجا سے آزادکر دیا
دنیا کو ایک گھر میں بسا دیا۔

مسجد کی محراب سے انھوں نے بُت خانہ کا سُدھار کر دیا
اپنوں کی فکر کی ، غیروں کو دعا دی۔

تو گوئی ز بس دل ز دشمن رباست
کہ سنگ درش سنگِ آہن رباست

ز خونیکہ در کربلا شد سبیل
ادا کرد وامِ زمانِ خلیل

گزیں بندہ کز بندگی سرنتافت
زوالا پسیجی عوض برنتافت

کنش را بداں گونہ شیرازہ بست
بدیں صفحہ نقشی چناں تازہ بست

کہ تا گردش چرخ نیلوفری
بود سبز جایش بہ پیغمبری

دل افسردہ مالک ز خوش خویئش
کمر بستہ رضواں بدل جوئیش

ز کوثر بہ ببیند تا درگہش
ز طوبیٰ ہماں تا بہ لشکر گہش

دشمنوں تک کے دل اس آسانی سے چھین لیتے ہیں کہ
گویا اُن کے دروزے کا پتھر نہ ہوا ، مقناطیسی پتھر ہو گیا۔

وہ خون جو کربلا میں (پانی کی طرح) بہہ گیا، (اپنے عزیزوں کا) وہ خون دیکر اُنھوں
نے ابراہیمؑ خلیل اللہ پر خدا کا جو قرض تھا ادا کردیا۔

وہ ایک پاکیزہ اور بلند مرتبہ بندۂ خدا ہیں جنھوں نے اس کے حکم کی
اطاعت کی اور عالی ہمتی کی وجہ سے کوئی صلہ بھی نہ چاہا۔

دین کی اس طرح شیرازہ بندی کردی اور
اس صفحے پر ایسا ایک تازہ نقش اُبھارا کہ

جب تک نیلگوں آسمان کی گردش باقی ہے،
پیغمبری میں اُن کی جگہ خالی رہے گی (ان کے بعد کوئی پیغمبرؐ نہ ہوگا)

اُن کی خوش خلقی سے مالکِ دوزخ کا دل خوش نہیں ہونے پاتا۔
داروغۂ جنّت رضواں کو ہمیشہ فکر لگی رہتی ہے کہ اُن کی ہر ایک
خواہش کی تکمیل کی جائے۔

چشمۂ کوثر سے اُن کی درگاہ تک اور
جنّت کے درخت طوبیٰ سے لے کر اُن کی لشکر گاہ تک،

کدوئے گدا و شرابِ طہور
کف پائے درویش و رخسار حُور

ز بادی کہ از دم بر افلاک زد
ز نقشی کہ از مہر بر خاک زد

فرازیں جہانش ز خود بیش دید
فرودیں گروہش ہم از خویش دید

مگس ران خوانش پر جبرئیلؑ
بخواں گستری پیشکارش خلیلؑ

جمالش دل افروز روحانیاں
خیالش نظر سوز یونانیاں

بدم حرز بازوئے افلاکیاں
بہ پیوند پیرایۂ خاکیاں

یہ منظر نظر آتا ہے کہ فقیروں اور سائلوں کی تو بنی میں شراب طہور بھری ہے اور درویشوں کے پاؤں پر حوریں اپنے رخسار بچھا رہی ہیں۔

اس کے سانس سے جو جھونکا آسمانوں پر پہنچا، عالم بالا نے اس کو اپنے سے بلند مرتبہ پایا اور جو نقش مہربانی سے زمین پر ڈالا۔

اس کو نیچے کے گروہ (انسانوں) نے اپنا سمجھا (یعنی وہ عالمِ بالا سے برتر ہستی تھے مگر انسانوں کی ادنیٰ بستی میں ایک بشر تھے)

رسولؐ کے دسترخواں پر جبرئیلؑ فرشتہ اپنے پروں سے پنکھا جھلتا ہے اور ابراہیمؑ خلیل اللہ جیسا پیغمبر ان کی مہمان نوازی کے وقت اوپر کا کام انجام دیتا ہے۔

اُن کا حسن وہ ہے جس سے رُوحانی ہستیوں کے دل روشن ہیں، اور ان کا خیال وہاں پہنچتا ہے کہ یونان کے فلسفیوں کی نظر خیرہ ہو جاتی ہے۔

اُن کے سانس فرشتوں کیلئے بازو کا تعویذ ، اور خاکی بندوں کا زیور ہے۔

بہ معراج رایت بہ گروں بری
بدیں شبروان بر شبیخوں بری

سخن تا دم از ذکر معراج زد
بمن چشمک خواہش تاج زد

ہمانا تہی دستم انگاشتہ
کہ خواری بمن بر روا داشتہ

چو نبود مرا زیں تمنّا گزیر
ہر آئینہ گردم تمنّا پزیر

زمہ پایہ تا کلبۂ مشتری
بروبم فلک را بجولا نگری

نفس ریزہ ہائے فروزندہ ہور
جگر پارہ ہائے کواکب ز نور

کہ افتادہ بینم بداں رہ گذار
گدایانہ برچینم از رہ نثار

معراج کی رات وہ آسمانوں پر اپنا علم لے گئے اور
اپنے دین سے (کفر پر) شبخون مارنے کو رات کے چلنے والوں کو لے گئے۔

غالباً سخن نے مجھے مفلس و بے مایہ سمجھا اسی لئے
میری ذلت کو روا رکھا (بیانِ معراج میں مجھے عاجز و محتاج بنایا)۔

اس تاج حاصل کرنے کی تمنا سے چارہ نہ تھا،
اب میں اس کا چیلنج قبول کئے لیتا ہوں۔

چاند کے مقام سے مشتری تک اب میں
دوڑ لگاؤں گا اور آسمان کی دھول اُڑاؤں گا۔

آفتاب عالم تاب کے وہ ذرّے اور
ستاروں کے جگر گوشے

جو مجھے راستے میں پڑے ملیں گے
سب چُن چُن کر سمیٹ لوں گا راستے کی بھیک لوٹنے
والوں کی طرح۔

نثار شبے کش ستایش گرم
به چیدن ز بالا فرود آورم

کنم تاج طرح از گهر ریزه ها
ز گوهر بتاج اندر آویزه ها

به سائل دهم تار سانم سرش
بجائی کز آنجا رسید افسرش

یہ سب اُس رات پر قربان کروں گا جس کی مدح کرنے چلا ہوں
اُن کو چُن کر اوپر سے نیچے لاؤں گا۔

جواہرات کے ٹکڑوں سے ایک تاج بناؤں گا
اور سچّے موتیوں کے گوشوارے اس تاج میں لٹکاؤں گا

(یہ تاج تیار کرکے) مانگنے والے کو بخش دُوں گا کہ یہ لے اور وہ سربلند ہو کر وہاں پہنچ
جائے گا جہاں سے اس کا تاج آیا ہے (یعنی معراج کے ذکر میں کلام کی حیثیت بلند
ہو کر ماہ و مشتری کی گذرگاہ تک جا پہنچے گی)۔

بیانِ معراج

همانا در اندیشۂ روزگار
شبے بود سر جوش لیل و نہار

شبے دیدہ روشن کن دل فروز
ز اجزائے خود سرمۂ چشم روز

شبے فردِ فہرستِ آثار عید
بیاضش ز جوش رقم نا پدید

ز ایّام فیض سحر یافتہ
بہ شبگیر خورشید دریافتہ

بروشندلی مایہ اندوز بود
چنیں شب مگر بہر یک روز بود

زمانے کے خیال میں وہ رات ایسی ہے جو
راتوں اور دنوں کا اصل جوہر ہے۔

ایسی رات جو روشن دلوں کی آنکھ کو روشن کرے اور
اپنے اجزا کی بدولت دن کی آنکھوں میں سُرمہ بن جائے۔

ایسی رات جو عید کے آثار کی فردِ فہرست ہے جس کی
سپیدی کثرتِ تحریر سے غائب ہوئی ہے۔

ایسی رات جسے زمانہ نے صبح کا فیض پہنچایا ہو اور
رات ہی سے سفر کرکے خورشید کو پکڑ لیا ہو،

جس رات کے ضمیر نے روشنی کی دولت سمیٹ رکھی تھی
ایسی رات تھی کہ روز روز نہیں آتی صرف ایک دن کا مقدر ہو چکی تھی۔

درآن روزِ فرخنده آں شب نُخست
همه روز خود را بخورشید شست

فرو رفت چوں روز لیلائے شب
بر آراست محمل برسم عرب

رُخ جلوه گر در پرند سَیاه
چو از مردمک جوش نور نگاه

به راهش زبس نور می بیختند
بهر ذرّه خورشید می ریختند

چه بود از درخشندگی کاں نداشت
نیازے بخورشید تاباں نداشت

نگویم شبے ماه وش دلبرے
خور از زیور پیکرش گوهرے

گر از زیورے گوهرے کم شود
چه از تابشِ پیکرے کم شود

اس مبارک دن کو رات نے اوّل تو
سورج کے نور سے دن بھر خود کو دھویا۔

اور جب دن ڈوب گیا تو
عربوں کے دستور کے مطابق رات کی لیلا نے اپنا محل دُرست کیا۔

رات میں ایک ایسا رُخ جلوہ گر تھا
جیسے آنکھ کی سیاہ پتلی سے نگاہ کی روشنی جھلکتی ہے۔

محمل شب کے راستے میں چونکہ نور کا چھڑکاؤ ہوتا جاتا تھا
اس لئے ذرّے ذرّے میں خورشید کی دمک بھر گئی تھی۔

چمک دمک کا وہ کون سا سامان تھا جو اس رات کو میّسر نہ ہو اور
اس پر بھی خورشید کا کوئی احسان اس کے سر نہ تھا۔

میں اس رات کو ماہ وش دلبر نہیں کہتا
اس کے تو جسم کا ایک زیور آفتاب تھا (پھر ماہ وش کیونکر کہوں)

اگر زیور میں سے ایک موتی کم ہوجائے تو
کوئی نقصان نہیں کیوں کہ سارے جسم کی آب و تاب تو وہی رہتی ہے۔

به زیر زمیں کرده خفاش روئے
پئے امن گردید خورشید جوئے

چناں گشته سرتاسر اجزائے خاک
فروغانی و روشن و تابناک

که گوئی مگر مهر زیرِ زمیں
فروزاں فوه بود و پشت نگیں

ویا خاک با جوهر آفتاب
بیامیخت چوں دُردِ مے با شراب

سحر با خود از خود بریده امید
که چوں پیش ایں شب تواں شد سپید

به فرض اردراں شب زخیره دوی
زدے مهر تاباں دم از شب روی

بداں گونه بودی بچشم خیال
که شاهد نهد بر رُخ از مشک خال

چمگادڑ (جسے تاریکی کی تلاش ہوتی ہے) زمین کے نیچے جا چھپی اور
جان کی امان کے لئے اسے سورج کی تمنّا کرنی پڑی

مٹی کے سب اجزا یوں دمک اٹھے
چمکے اور روشن ہوئے۔

گویا زمین کے نیچے سورج نہیں تھا بلکہ ،
ایک روشن ڈانک تھا جو نگینہ دمکانے کے لئے نیچے لگادیا جاتا ہے۔

یا آفتاب کے جوہر نورانی کے ساتھ مٹی میں اس طرح گھل مل گئی تھی
جیسے شراب میں اس کی تلچھٹ۔

صبح کو اپنے وجود کی امید ہی نہ رہی تھی
اسے اندیشہ تھا کہ اس رات کے سامنے کس طرح سپید ہو سکے گی۔

فرض کرو اگر سورج گمرہی کی وجہ سے
اس رات سفر پر نکل پڑتا

تو اس روشن رات میں سورج کو یوں سمجھو کہ
کوئی حسینہ اپنے چہرے پر مشک کا تل لگا لے۔

شدہ چشم اعمیٰ در آں جوش نور
تماشا گرِ حالِ اہلِ قبور

دریغا نبودم اگر بودمے
وزاں روشنی بینش افزودمے

بخندیدمے بر دبیرِ یسار
چو او را از خود دیدمے شرمسار

خرد گر بگوشش نفس سوختے
بروں زیں نمط مایہ نندوختے

کہ برقیست امشب کہ رم نیستش
زجا جستنِ دمبدم نیستش

چگویم چساں گیتی افروز بود
شبے بود کز روشنی روز بود

از آں روز تشبیہِ عارض بہ شب
اگر رسم گشتے نبودے عجب

نور کا وہ جوش تھا کہ نابینا کی آنکھ بھی
قبر کے اندر مُردوں کا حال دیکھ سکتی تھی۔

افسوس کہ معراج کی اس روشن رات کے وقت میرا وجود نہ تھا،
اگر میں زندہ ہوتا تو اس کی روشنی سے اپنی بینش یا دانائی اس قدر بڑھا لیتا......

کہ بائیں بازو کے فرشتے پر (جو ہماری برائیاں درج کیا کرتا ہے)
خوب ہنستا کیوں کہ اس کو میرے سامنے شرمندگی ہوتی (یعنی اس
کو لکھنے کو کچھ نہ ہوتا کیوں کہ یہ وجہ دانائی میں غلط راہ نہ چلتا)

اگر عقل اس کے کام میں کام کی بات ڈال دیتی تو (اگر عقل اپنی کوشش میں
دَم کو گرم کرتی) وہ اس طرح کی کارگذاری میں سر نہ کھپاتا اور نامۂ اعمال
میں برائیاں نہ بڑھاتا۔(یا یہ کہ میری بینش سے باہر کوئی امر نہ ہو پاتا)

یہ رات کون سی بجلی ہے ، جو چمکتی ہے مگر
آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوتی اور دم بدم اپنی جگہ سے اچھلتی نہیں۔

کیا عرض کروں ، کیسی جہاں افروز رات تھی،
روشنی سے دن معلوم ہوتی تھی

اس دن سے اگر رسم پڑ جاتی کہ روشن رخساروں کو
رات سے تشبیہہ دی جایا کرے تو کچھ تعجب نہیں۔

درآں شب ز بس بود درخشاں سرشت
فروخوندہ مردم خطِ سرنوشت

نگہ را بہ ہنگامہ بے سعی و رنج
نمایاں ز دل راز و از خاک گنج

ز بس ریزشِ نور بالائے نور
بہ گیتی رواں بود دریائے نور

کہ ناگہہ درود سروشاں سروش
درآں بیکراں قلزم افگند جوش

زیادیکہ از بالِ جبریلؑ خاست
تنومند موجی ازاں نیل خاست

صدائے رسید از پرِ بہمنے
کہ خود گوش چشمے شد از روشنے

مہیں پردہ دارِ در کبریا
کشانندۂ پردہ بر انبیا

اس رات تقدیر کی عبارت اتنی صاف چمک رہی تھی
کہ لوگوں نے اپنے مستقبل کے حالات پڑھ لئے

بغیر کسی دشواری اور زحمت کے
دل کے راز اور زمین تلے کے خزانے آنکھوں پر روشن ہوگئے۔

نور پر نور کی موجیں اس طرح اُمڈ پڑتی تھیں کہ
دنیا میں نور کا دریا رواں تھا

اتنے میں فرشتوں کا فرشتہ وارد ہوا اور
اس کی آمد سے نور کا بے کراں سمندر ابل پڑا

یہ جبرئیلؑ تھا ، اس کے پَروں سے جو ہوا چلی
اُس سے دریا کی ایک زبردست موج بلند ہوگئی

فرشتے کے مبارک پر سے ایسی آواز آئی کہ
روشنی کی بدولت کان ہی آنکھ بن گئے۔

یہ وہ فرشتہ تھا جو خداوند عالم کا سب سے بڑا دربان ہے
اور پیغمبروں کے سامنے پردے اٹھاتا ہے

همایوں همامی پیام آورے
به آوردنِ نامه نام آورے

روان و خرد را روانی بدو
نبیؐ را دم راز دانی بدو

امینی نخستیں خرد نام او
ز سر جوش نور حق آشام او

فروزاں بفرّ فروغِ یقیں
چناں کز محمدؐ از وی جبیں

سرایندهٔ راز بعد از درود
بدیں پرده راز نهانی سرود

که اے چشم هستی بروئے تو باز
نیاز تو هنگامه آرائے ناز

خداوند گیتی خریدار تست
شبست ایں ولی روزِ بازار تست

وہ مبارک پرندہ جو پیغام لاتا ہے اور
جس نے اسی خدمت میں ناموری حاصل کی ہے۔

روح اور عقل کا کام اس کی بدولت چلتا ہے
اور نبیؑ کو غیبی راز معلوم ہوتے رہتے ہیں

امین ، عقلِ اوّل اس کا نام ہے اور
حق کے نور کا اصل جوہر اس کی پیاس بجھاتا رہتا ہے۔

یقین کے نور سے اس درجہ روشن ہے کہ
جو محمدؐ کے دل میں ہے، وہ اس کی پیشانی پر ہے۔

درود پڑھنے کے بعد اس نے
عالمِ غیب کا رازدارانہ پیغام یوں پہنچایا

کہ اے محمدؐ آپ پر کائنات کی نگاہ لگی رہتی ہے
اور آپ بندگی میں خداوندی کا عالم ہے۔

مالک زمین و آسمان آپ کا طلب گار ہے
کہنے کو یہ رات کا وقت ہے لیکن آپ کے لئے یہی ''روز بازار'' ہے۔

چنیں لنگر ناز سنگیں چرا
نُہ طور اظہارِ تمکیں چرا

کساں جلوہ بر طور گردیدہ اند
زراہ تو آں سنگ برچیدہ اند

نہ بینی براہ اندروں سنگلاخ
کراں تا کرانست راہی فراخ

بلی از گدایان دیدار خواہ
نہ بیند کسی جز برہ روئی شاہ

عزیزی کہ فرمان شاہش بُود
گزیں پایہ دربار گاہش بُود

بہ دُور تو شد لَن ترانی کہن
فصاحت مکرّر نسنجد سخن

ترا خواستگارست یزدانِ پاک
ہر آئینہ از لن ترانی چہ باک

ناز برداری کے لئے آپ کو سنگین زحمت نہیں دی جائے گی
آپ کوئی طور نہیں ہیں کہ جلوۂ خداوندی اس پر تمکنت دکھائے۔

وہ بھی لوگ تھے (حضرت موسیٰ) جنھیں کوہِ طور پر جلوہ دکھایا گیا،
آپ کے راستے سے وہ پتھر ہٹا دئے گئے ہیں
(یعنی جلوہ کے لئے طور کی شرط نہ رہی)

آپ کو اپنے راسے میں پتھریلی زمین نہیں ملے گی، اس کنارے
سے اس کنارے تک ایک وسیع شاہراہ کھلی ہے۔

فقیروں میں جو دیدار شاہ کے طالب ہوتے ہیں وہ
صرف راہ میں ہی اس کا دیدار کر سکتے ہیں۔

لیکن جس عزت والے کے لئے فرمان شاہی طلب میں آئے
اس کو بارگاہ میں عمدہ مقام ملتا ہے۔

آپؐ کی باری آئی ہے تو(وہ جواب جو نورِ خدا کی طرف سے موسیٰ پیغمبرؑ
کو دیا گیا تھا۔لن ترانی (یعنی اے موسیٰ تم مجھے نہیں دیکھ سکتے) متروک ہوگیا
فصاحت اسے گوارا نہیں کرتی کہ لفظ کی تکرار کلام میں آئے۔

خداوند عالم خود آپؐ سے ملاقات چاہتا ہے تو
اب لن ترانی کا کوئی اندیشہ ہی نہیں رہا

توئی کانچہ موسیٰؑ بتو گفتہ است
خداوند یکتا بتو گفتہ است

توئی آنکہ تامر ترا خواندہ اند
دریں رہ گذر گرد بنشاندہ اند

ز ایں چہ گوئی کہ راہ ایمنست
بہ شب گیر برشو کہ شب روشنست

بنہ در رہ از پرتوِ روئے خویش
چراغ فراطاق ابروئے خویش

نہ گویم کہ یزداں ترا عاشقست
ولی زاں طرف جذبۂ صادقست

جہاں آفریں را خور و خواب نیست
تو فارغ بہ بستر چہ خسپی بالیست

بیارائے شمشاد بے سایہ را
بہ پیمائے اورنگ نُہ پایہ را

آپؐ کی تو وہ ہستی ہے کہ موسیٰ نے خدا سے جو تقاضا کیا تھا (ربِ ارنی)
اے خدا مجھے اپنا جلوہ دکھا دے) وہی تقاضا خداوندِ یکتا آپ سے کر رہا ہے۔

آپؐ کی تو وہ ہستی ہے کہ صرف آپؐ کے بلائے جانے کی بدولت
راستے کا گرد و غبار بٹھا دیا ہے۔

وادیٔ ایمن کا ذکر کیا، یہ پوری راہ ایمن (سلامت) ہے
رات رہے سے سفر کے لئے اٹھئے کہ رات روشن ہے۔

اپنے چہرے کی روشنی سے
طاقِ ابرو پہ چراغ رکھئے۔

میں یہ تو نہیں کہتا کہ خداوندِ عالم آپؐ کے عشق میں مبتلا ہے
تاہم اتنا کہوں گا کہ اُدھر سے جذبۂ طلب سچا ہے

دنیا پیدا کرنے والے خدا پر کھانا اور سونا حرام ہے (دونوں مفہوم
نکلتے ہیں : یہ کہ خدا کی صفات میں سے ہے کہ اُسے نہ نیند آتی ہے
نہ بھوک لگتی ہے اور یہ کہ آپ کی طلب میں ایک بے چینی ہے)
آپؐ آرام سے کیا سوتے ہیں ؟ اٹھئے!

اپنے شمشاد جیسے سیدھے قد سے جس کا سایہ نہیں پڑتا اٹھئے
اور نو درجے کے تخت یعنی آسمان کو طے کر ڈالئے۔

چو خاطر به گفتار خویشش کشید
هما سایه رخشی به پیشش کشید

بروحانیاں پرورش یافته
زریحان مینو خورش یافته

هیونی که تادم زمستے زند
زبالا قدم سوئے پستے زند

زگنبد به غلطانے ار گردگاں
نیفتد که آید فروز آسماں

شتابش برفتارِ زاں حد گزشت
که تا گوے آید ز آمد گزشت

به هم چشمے هور ساغر سمے
به هم دوشئ هور گیسو دمے

سبک خیزیش خنده زن بر نسیم
که در جنبش انگیزد از گل شمیم

جب فرشتے نے اپنی بات کی طرف محمدؐ کی توجہ دلائی تو
ہما جیسا مبارک سایہ رکھنے والے گھوڑے کو اُن کے سامنے پیش کیا۔

کیا سواری تھی جس نے روحانی ماحول میں تربیت پائی اور
جنت کی خوشبودار گھاس کھائی تھی۔

یہ سواری کا ایسا گھوڑا تھا کہ ہمزے میں آجائے تو
اوپر سے ایک دم نیچے اتر پڑے۔

جتنی دیر میں گنبد سے گیند نیچے گرے،
اتنی دیر میں یہ گھوڑا آسمان سے زمین پر آتا ہے۔

اس سواری کی رفتار اس قدر تیز تھی کہ
جتنی دیر میں زبان سے لفظ ''آتا ہے'' کہو وہ آیا اور آگے نکل گیا۔

اس کے ساغر جیسے سُم سورج سے آنکھ ملاتے تھے
اور گیسو جیسی دم حُور کا مقابلہ کرتی تھی۔

نسیم سحر سے بڑھ کر سبک رفتار کہ
جب حرکت کرے تو اس کے جھونکے سے ، پھُول سے نکہت اُٹھتی ہے۔

هم از باد صبحی سبک خیز تر
هم از نکهت گل دلآویز تر

ز ساق و سُمش گر به بزم مدام
کنی ساز تشبیه مینا و جام

نباشد شگفت ار بدیدن رسد
که آں باده پیش از رسیدن رسد

ز تیزی به گلبرگ گر بگزرد
ز گلبرگ رنگ آنچناں بسترد

که دیگر بداں دیدۂ راست بین
کدیورنداند گل از یاسمین

دو صد ره زچشم ار بدل در رود
دریں ره بجستن سراسر رود

نه اجزائے بینش ز هم بگسلد
نه پیوندِ هنجارِ دم بگسلد

صبح کی ہوا سے زیادہ نرم رو،
اور پھول کی مہک سے بھی زیادہ دلآویز

یہ ایسا گھوڑا تھا کہ اگر شراب کی محفل میں
کہیں اس کی پنڈلی کو بوتل اور سم کو جام سے تشبیہہ دی جائے

تو کوئی تعجب نہیں،
کہ شراب کسی تک پہنچنے سے پہلے ہی نشہ پیدا کردے

تیزی کے ساتھ اگر وہ پھول کی پتیوں سے گذرے تو
پتیوں سے رنگ اس طرح صاف اڑا لے جائے کہ

باغباں اپنی صحیح نظر اور پہچان کے باوجود
یہ شناخت نہ کرسکے کہ کون گلاب ہے، کون چنبیلی

اگر آنکھ سے دل کا فاصلہ دو سو بار بھی طے کرے تو
اس تیزی اور صفائی کے ساتھ نکل جائے گا کہ

نہ تو بینائی کے تسلسل میں کوئی خلل پڑے گا اور
نہ سانس کی آمدورفت میں فتور آئے گا۔

پیمبرؐ بدیں مژدۂ دل نواز
کہ بودش در اندیشہ از دیر باز

ز بس ذوق ناسودہ بریاں دست
برآں بارہ یکبارگی برنشست

مَثَل زد بریں ماجرا بلبلے
کہ باد آمد و برد بوئے گلے

خرامی ز مقراض "لا" تیز تر
جمالے "زالّا" دلآویز تر

چو بود آتش آں پویۂ آتشیں
بر افروختش باد دامانِ زیں

براق از قدم خار در راہ سوخت
پیمبرؐ بَدَم ما سوای اللہ سوخت

فرس چوں سواری سرافراز یافت
دمی تازہ در خویشتن بازیافت

پیغمبرؐ خدا نے وہ خوش خبری سنتے ہی
جو بہت عرصہ سے اُن کے خیال میں موجود تھی

سفر پر روانہ ہونے کے شوق میں ابھی انھوں نے گھوڑے کی
یال پر ہاتھ اچھی طرح رکھا بھی نہ تھا
کہ ایک دم سوار ہوگئے

اس واقعہ پر ایک بلبل نے یہ رائے زنی کی کہ
ہوا کا جھونکا آیا اور پھول کی باس اڑا لے گیا

اس کا چلنا نفی (لا اِلہ) کی قینچی سے زیادہ تیز کترنے والا
اور اس کا جمال اثبات (اِلاّ اللہ) سے زیادہ دلآویز

چونکہ وہ آتشیں سواری آگ ہی آگ تھی
تو زین کے دام کو ہوا نے روشن کر دیا

آتشیں گھوڑے (براق) کے قدم جہاں پڑتے، راستے کے کانٹے جل بجھتے
تھے اور، پیغمبر کے سانس سے اللہ کے سوا ہر شے کا وجود صاف ہو جاتا تھا

سواری کو جب ایسا سر بلند سوار ملا تو
اس کے تن بدن میں نئی جان پڑ گئی۔

بہ جنبش در آمد عناں ناگہش
فضائے زمیں گشت جولانگہش

بہ سُم گنج قاروں نمایاں کناں
بہ دُم عقد پرویں پریشاں کناں

چنیں تا ز بیت المقدس گزشت
ازیں کہنہ کاخ مقرنس گزشت

ہوا تا زند بوسہ بر پائے او
براہ اندر آویخت در پائے او

ولی توسَن از بسکہ سرکش گذشت
ہوا تا دھد بوسہ ز آتش گذشت

قدم تا بر اورنگ ماھش رسید
با کلیل کیواں کلاھش رسید

ببالید چنداں ز بیشئے قدر
کہ بے منّت مہر گردید بدر

اتنے میں اس کے لگام کو حرکت ہوئی اور،
زمین کی فضا میں وہ فراٹے بھرنے لگا

سُم پڑتے تو (زمین کے اندر) قارون کا خزانہ نکل آتا اور
دُم کی حرکت سے پروین ستاروں کی لڑی بکھر جاتی

اس تیز رفتاری کے ساتھ وہ بیت المقدس سے گذر گیا،
اس پُرانے محل سے جس پر کلس لگا ہوا ہے

ہوا اس کے قدموں کو بوسہ دینا چاہتی تھی تو
راستے میں اس کے پاؤں سے لپٹ گئی

لیکن چونکہ گھوڑا بہت زوروں میں سر اٹھائے جا رہا تھا،
ہوا بوسہ دینے نہ پائی تھی کہ وہ، کرّۂ ہوا سے گزر کر کرّۂ نار میں پہنچا

بڑاق کا قدم چاند کے تخت پر پڑا تو
کیواں کے تاج تک اس کی کلغی جا پہنچی

چاند اس قدر افزائی سے ایسا پھولا
کہ سُورج کی نظر کرم کے بغیر ہی مہ کامل بن گیا۔

شُد از پردلی ہم بہ تحت الشعاع
مقابل بخورشید در اجتماع

زمہ گر کُند مہر پہلو تہی
چہ غم چوں ز خویشش بَود فربہی

چو فرماں چناں بودش از شہریار
کہ گردد دراں راہ منزل شمار

بہ ہنگامِ عرض نشانہائے راہ
برآں پیک دانا بہ بخشود شاہ

بَفرّ قبول خودش خاص کرد
بہ داغش نشاں مند اخلاص کرد

بہ سیمائے مہ داغ چوں بر نہاد
دوم پایہ را پایہ برتر نہاد

صفائی کشاد خدنگ نگاہ
بداں حد کہ شد تیرش آماجگاہ

چاند کا حوصلہ اتنا بڑھا ہوا تھا کہ تحت الشعاع میں آکر (جہاں
وہ نظر ہی نہیں آتا) وہ خورشید کے مقابل روشن ہو گیا

اب اگر سورج کی طرف سے چاند کے ساتھ سرد مہری کا بھی برتاؤ ہو تو،
کوئی ہرج نہیں، کیونکہ اب وہ بذاتِ خود بلند حیثیت رکھتا تھا

چونکہ شاہِ شب معراج کی طرف سے یہ حکم دیا گیا تھا کہ
راستے میں منزلوں کا شمار کیا جائے

اس لئے جب دانش مند قاصد (جبرئیل) نے نشانہائے راہ کو
بیان کیا تو آں حضرت نے اس پر بخشش کی

کہ فرشتے کو قبولِ خاص بخشا، اس طرح کہ اس کے ماتھے پر داغ
غلامی لگا کر مخلص خاص ہونے کا مرتبہ عطا کیا

چاند کی پیشانی پر داغ لگایا تو
فلک دوم کا مقام بلند کردیا

نگاہ کے تیر کی صفائی
اس حد کو پہنچی کہ عطارد اس کا ہدف ہوا (تیر بمعنی عطارد)۔

به شمعی که بینش به شبگیر سوخت
شه دیده ور تیر بر تیر دوخت

عطارد به آهنگ مدحت گری
زباں جست بهرِ زباں آوری

بدستوریِ خواهشِ روزگار
نهانِ خود از پرده کرد آشکار

در اندیشه پیوند قالب گرفت
بخود در شد و شکل غالبؔ گرفت

بدل گرمئ شوق جرأت فزائے
شد از دست و گردید دستاں سرائے

دریں صفحه مدحے که من می کنم
خود از گفتۂ خود سخن می کنم

که اے ذرّۂ گردِ راه تو من
زخود رفتۂ جلوه گاه تو من

اس شمع سے جو بینائی رسولؐ نے رات کے سفر میں روشن کی،
آں حضرت نے تیر نگاہ عطارد پر مارا

عطارد نے (جو دبیر فلک کہلاتا ہے) کوشش کی کہ
وہ زبان ملے جو شاہ کی مدح کر سکے

زمانے کے تقاضے کے مطابق اس نے
اپنی چھپی ہوئی ذات کو آشکارا کیا

اس فکر میں اس نے ایک قالب اختیار کیا،
اپنے وجود میں در آیا اور غالبؔ کی شکل اختیار کی

شوق کے جوش نے اس کی جرأت اتنی بڑھا دی کہ
بے قابو ہو کو اس نے پیغمبرؐ کی مدح سرائی شروع کردی

اس صفحے میں جو مدح میری زبانی لکھی جا رہی ہے
یہ اس غالبؔ کی کہی ہوئی بات ہے جس کو میں کہتا ہوں

اے پیغمبرؐ میں آپ کے راستے کے غبار کا ایک ذرّہ ہوں ،
اور آپ کی جلوہ گاہ سے بے خود ہوگیا ہوں۔

نظر محوِ حسنِ خدا دادِ تو
ستم کشتۂ غمزۂ داد تو

برفتار رخشِ تو اختر نشاں
بہ گفتار لعل تو گوہر فشاں

قبولِ غمت حرز بازوئے شاہ
غریب رَہت جنّت آرام گاہ

خراجِ تو بر گنبد گلشائیاں
نثارِ تو پارنج مشّائیاں

جَہاں آفریں را گرایش بتو
گنہ بخشیش را نمایش بتو

سرِ من کہ بر خطِّ فرمان تست
نجاتش زد دوراں بدرمانِ تست

دریں رہ ستائیش نگارِ توام
بہ بخشایش امیدوار توام

میری نگاہ آپ کے حسن خداداد میں محو ہے اور،
آپ کے انصاف کے غمزے نے ظلم و ستم کا خاتمہ کردیا ہے۔

آپ کے مرکب کی رفتار کے لئے ستارے نشانِ راہ ہیں ، اور
آپ کے لب گفتار کے موتی بکھیرتے ہیں۔

جس شخص کو آپ کی محبت قبولیت کا شرف عطا کرے،
وہ بادشاہوں کے بازو کا تعویذ بن جائے
آپ کے راستے کے گرے پڑے لوگ جنت میں آرام پانے والے ہیں۔

گلشائی شاہوں کے خزانے پر آپؐ کا خراج واجب ہے اور
فلسفی مشائیوں کے گروہ کی دماغی محنت کا صلہ آپ پر نثار کیا ہوا زروگوہر ہے۔

دنیا کا پیدا کرنے والا آپ کی طرف مائل ہے
اور اس کی گناہ بخشی آپ کے دم سے ہوتی ہے

میرا سر جو آپ کے ہر ایک حکم پر جھکا ہوا ہے،
زمانے کے غموں سے اس کی نجات آپ کی ہی تدبیر سے ممکن ہے۔

معراج کے اس سفر میں آپ کی مدح میری زبانِ قلم پر رواں ہے
آپ ہی کی ذات سے بخشش کی اُمید ہے۔

ازاں بس کہ گشت اندراں مرحلہ
عطارد فروزاں بنورِ صلہ

سپہر سوم گشت جولاں گہش
جبیں سود ناہید اندر رہش

بط و بربط از پیش برچیدنش
نشانِ مے و نغمہ پوشیدنش

بداں گرمی از جا برانگیخت گرم
کہ خونش زاعضا فرو ریخت گرم

نہ تنہا برخسارہ رنگش شکست
کہ از لرزہ در دست چنگش شکست

بہ ناخن شکستش ازآں زخمہ نے
کہ دلہائے شوریدہ خستے بَوَے

ز بیم از کف چنگی دل نوار
بغیر از دف مہ فرو ریخت ساز

بعد اسکے کہ اس مرحلے سے گذرے،
جس کے دوران عطارد کو بطور انعام نور عطا کیا

سواری تیسرے آسمان پر پہنچی۔ تیسرے آسمان پر زہرہ موجود تھی ،
اس نے راہ میں آنکھیں بچھائیں

سامنے سے شراب کی صراحی اور بربط باجا اٹھانے میں
اور شراب و نغمہ کا سامان چُھپانے میں

اس نے اتنی گھبراہٹ اور تیزی سے کام لیا کہ
اعضا سے گرم گرم خون ٹپکنے لگا

صرف یہی نہیں کہ مُنھ پر ہوائیاں اڑنے لگیں
بلکہ ہاتھ کپکپائے تو چنگ باجا ہی ٹوٹ کر بکھر گیا

ناخن سے اس نے زخمہ لگا کر بانسری یوں توڑ ڈالی کہ
شوریدہ سروں کے دل زخمی ہوجاتے

خوف کے مارے اس مُطرب دلنواز کے ہاتھ سے ساز گر گئے
صرف چاند کا دف رہ گیا

چو در حلقۂ شرع شد چنبرے
بداں دف در آمد بہ خیناگری

مہ و زہرہ باھمدگر خوش بَوَد
چو ساقی کہ از نغمہ سرخوش بَوَد

بداں دم کہ زہرہ برامش گرفت
چو شہ سوئے بالا خرامش گرفت

ردائے ز نورش بانعام داد
کہ در جلوہ برسر کشد بامداد

رباطِ سوم چوں نَور دیدہ شد
فرازش رباط دگر دیدہ شد

زر اندودہ کاخی گزیں منزلے
ز بس روشنی دلنشیں منزلے

ز ھوشنگ ھوشان کاؤس کوس
بسے بر در خانہ در خاکبوس

جب زہرہ شریعت کے حلقہ میں قید ہوگئی
تو وہی دف بجا بجا کر اس نے نغمہ چھیڑا

چاند اور زہرہ کی سنگت اچھی رہتی ہے
جیسے ساقی کہ خود بھی نغمے سے جھومنے لگتا ہے

عین اس لمحے جب زہرہ نے نغمہ چھیڑا ، دف بجایا،
شاہ کی سواری اوپر کی طرف راہی ہوئی

انھوں نے رقاصۂ فلک کو نور کی چادر انعام میں دی
تاکہ صبح ہوتے اپنے سر پر ڈال دے

جب اس طرح تیسرا مقام بھی آکر گذر گیا تو،
اس کے اوپر ایک اور منزل نظر آئی

دیکھا کہ ایک عالی شان محل ہے جس پر سونے کا ملمع چڑھا ہے ،
اس قدر روشنی کہ یہ مقام دل کو بھلا معلوم ہوا

ایرانی بادشاہ ہوشنگ جیسے باخبر لوگ اور کیکاؤس جیسے شان وشکوہ والے
بہت آدمی اس مکان کے دروازے پر زمین بوس تھے

به بالا و پائیں زشش راه رو
نظرها بداں حلقۂ در گرو

بداں در بدریوزه روئے همه
وزاں قلزم آبی بجوئے همه

دراں کاخ جا کرده نام آورے
شهنشه نگویم شهنشه گرے

جهانگیریٔ شهریاراں بدو
گل افشانیٔ نوبهاراں بدو

اگر نور گوئے نمودش ازو
وگر سایه جوئی وجودش ازو

به بے خواهشی با نظر هائے پاک
ز لعل و زر اکسیریٔ سنگ و خاک

بسرهنگیٔ شرع هنگامه ساز
بدوبسته گر روزه وَر خود نماز

اوپر نیچے اور چھوں طرف سے
تمام نظریں اسی حلقے پر لگی ہوئی تھیں

اس دروازے پر ہر ایک بھیک مانگتا تھا اور
اس سمندر سے سب کی نہروں کو پانی ملتا تھا

وجہ یہ کہ اس عالیشان محل میں ایک نامور ہستی موجود تھی
جسے میں شہنشاہ نہیں بلکہ شہنشاہ گر کہوں گا

بادشاہوں کی سلطنت اسی ہستی کے دم سے
اور بہاروں کی گل افشانی اسی کی بدولت تھی

نور اور سائے دونوں کا وجود
اسی شہنشاہ گر کے دم سے ہے

لعل و زر کی خواہش سے بری ہونے کے سبب اس کی پاک نظریں
(آفتاب کی کرنیں) مٹی اور پتھر کو کان کے اندر جواہر بناتی ہیں

احکام شریعت کی تعمیل کا مہتمم ہونے کے سبب وہی تمام اعمال کا انتظام کرتا ہے،
اگر روزہ ہے تو اس کی حدود آفتاب سے معین ہوتی ہیں اور اگر نماز ہے تو اس کے
اوقات آفتاب سے متعین

زشادی سر از پائے نشناختہ
پذیرہ شدہ را بروں تاختہ

رواں پیش پیشش مسیحا و بس
روانہائے شاہانِ پیشیں ز پس

قدم بوس پیغمبرؐ آہنگ کرد
ز بس بوسہ جا بر قدم تنگ کرد

ز مہرش بجنبش در آمد لبے
بہر بوسہ رست از فلک کوکبے

بدینساں کہ گردوں پر از کوکبست
ہما نازگل بازیٔ آں شبست

رسیدش بداں خسروانی مناص
بہ تعمیم اوقات در وقتِ خاص

زتیر نیازو زِ شاہاں سجود
ز عیسیؑ سلام و زیزداں درود

اس کو آں حضرتؐ کی آمد سے اتنی خوشی ہوئی کہ سر اور پاؤں کی تمیز نہ رہی،
فرماں بردار ہو کر باہر دوڑا آیا (اگر ''پذیرائے شہ'' ہو تو مفہوم ہوگا
کہ شاہ کا استقبال کرنے کے لئے)

اس آفتاب کے آگے آگے صرف مسیح تھے
اور پہلے کے شاہ پیچھے چل رہے تھے

آفتاب نے ارادہ کیا کہ رسولؐ اللہ کی قدم بوسی کرے تو
اتنی خاک بوسی کی کہ قدم بڑھانے کی جگہ نہ رہی

ایسی محبت سے آفتاب کے لب جنبش میں آئے کہ
فرش فلک پر جہاں بوسہ لیا وہاں ایک ستارہ اگ آیا

یہ جو آسمان پر ستارے ہی ستارے بھرے نظر آتے ہیں،
ہو نہ ہو اسی رات کی گل افشانی کا نتیجہ ہیں

اوقات کے سر پر عمامہ باندھنے کے لئے اس وقت خاص کو (یہ شرف حاصل ہوا)
کہ اُس وقت میں شاہوں کو پناہ دینے والے کے پاس

سُورج کی طرف سے نیاز مندی، بادشاہوں کی طرف سے سجدۂ تعظیم
عیسیٰؑ کی طرف سے سلام اور خدا کی طرف سے درود پہنچے۔

خرامندہ کبک بلندی گرائے
براں زمرہ گسترد ظلّ ھمائے

توانا رہِ انجام گردوں خرام
فراتر ز داز چارمیں چرخ گام

زِفرّ سوار و خرام ستور
بہ پنجم نشیمن درافتاد شور

سپھرے سپہبد بہ تیرِ کلاہ
گھر ریزہ ھا رُفت از شاھراہ

ولی بود چوں بر کمر دامنش
توانگر نہ کرداں گھر دامنش

اگر خود ھماں یک کلہ دار بُرد
نہ آخر گھر ھائے شھوار بُرد

بگو تابداں گوھری افسری
بخورشید تاباں کند ھمسری

رسولؐ کی سواری نے جو چکور کی طرح اُوپر کی جانب پرواز کر رہی تھی،
اس گروہ پر ہما کا مبارک سایہ ڈالا

اس آسمان پر سے گذرنے والے راہ رو (براق) نے
چوتھے آسمان سے آگے قدم بڑھایا

سوار کے شان و شکوہ اور سوار کی چال سے
پانچویں آسمان پر شور ہوا

یہاں سپہ سالارِ فلک (مرّیخ) اپنی کلغی سے جھاڑو دے رہا تھا اور
راستے سے موتی کے ٹکڑے صاف کرتا جاتا تھا

لیکن چونکہ خدمت کے لئے دامن کمر کے اوپر کس رکھا تھا
لہٰذا یہ دامن اس گوہر کی عطا سے مالا مال نہ ہو سکا

اگر وہی ایک شے کُلہ دار (مرّیخ) کو حاصل تھی (یعنی کلاہ) تو
اس میں بھی درہائے شہوار تو موجود تھے ہی

گویا وہ ان موتیوں کے تاج سے
سُورج کی ہم سری کرتا تھا۔

ازیں بیش کس چوں توانگر شود
کہ سرہنگ باشہ برابر شود

ازاں دم کہ خونش برگ گرم شد
بہ منّت پذیری دلش نرم شد

رگ گردنش از وفا پیشگے
ثمر سجدہ آورد در ریشگے

صف آرا گروھی ز بھرامیاں
چو پیرامن کعبہ احرامیاں

نیاگانِ من تاجھانباں پشنگ
قدم بر قدم اندراں حلقہ تنگ

بہ آسیب بازو بہ بازو زدن
زھم جستہ پیشی بزانو زدن

روانھائے ترکان خنجر گزار
پّر افشاں دراں بزم پروانہ وار

اس سے زیادہ کیا کوئی دولت مند ہوگا کہ
سپاہی بادشاہ کی برابری کرنے لگے

اس سانس سے کہ اس کے خون میں حرارت آئی تو
احسان مندی کے جذبے سے دل نرم پڑ گیا

اور (سپاہی تھا اس لئے) وفا کے جذبے سے اس کی رگِ گردن (غرور)
جڑیں نکالنے میں سجدہ کا پھل لائی (یعنی باینہمہ غرور سجدہ کیا)

جنگ جو شاہوں (ساکنانِ مرخ) کا ایک گروہ صف لگائے کھڑا تھا
جس طرح کعبے کے گرداگرد احرام باندھے ہوئے لوگ

ان میں میرے اسلاف بھی تھے بادشاہ پشنگ تک (پدرِ افراسیاب)
قدم سے قدم ملائے یہ لوگ تنگ حلقہ باندھے تھے

بازو سے بازو لڑنے کے صدمہ سے
ہر ایک تعظیم میں دوزانو ہونے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت کرتا تھا

خنجر کے دھنی ترکوں کی روحیں
مثل پروانوں کے یہاں اڑ رہی تھیں

شهنشاه چوں عرض لشکر گرفت
فرازِ ششم چرخ رہبر گرفت

بہ پیش آمدش دل کشا معبدی
چناں چوں برہ ناگہاں گنبدی

سروشان فرخندہ امشا سپند
زدہ بر درِ صومعہ دست بند

در و بام کاشانہ خورشید زای
نکو محضری را بکاشانہ جای

کہ منشور خوبی بہ تمغائے اوست
ظہور سعادت بامضائے اوست

کنش را بپایست نیرو دہے
منش را بہ فرزانگی خودہے

بہ تلخی گوارا چو قہرِ طبیب
بہ تندی ملائم چو خشمِ ادیب

شہنشاہ کو ابھی لشکر کی سلامی دی جارہی تھی کہ
اتنے میں رہنمانے چھٹے آسمان پر کوچ کر دیا

اُن کے سامنے ایک دل کشا عبادت گاہ اس طرح آئی
جیسے راستے میں اتفاقاً گنبد مل جائے

رحمت کے مبارک فرشتے اس خانقاہ کے
دروازے پر ہاتھ باندھے کھڑے تھے

اس عمارت کے در و بام اتنے روشن تھے کہ اُن سے شعاعیں نکل رہی تھیں،
ایک نیک اعمال بزرگ اس مکان کے اندر موجود تھے

جس کے لئے (خداکی طرف سے) خوبی کا فرمان
اس کے آثار عزّت میں شامل ہے، اور اس کے حکم سے سعادت حاصل ہوتی ہے

دین کو پابندی سے قوت دینے والا
طبیعت کو عقل مندی کی عادت دینے والا

طبیب کے غصّہ کی طرح اس کی کڑواہٹ بھی ناگوار نہ تھی اور
استاد کے غصّے کی طرح اس کی سختی میں بھی نرمی پائی جاتی تھی۔

جواں بخت پیری همایوں صفات
ز دل زندگی بر مزاج حیات

خداوند از پاکئ گوهرش
بیفشرد از مهر اندر برش

خداوند دریا و برجیس سیل
ازیں سو کشش بود و زانسوئی میل

بداں جذب و میلی که انگیخت نور
چو شیر و شکر باهم آمیخت نور

خورد آب در راه رهرو اگر
پیمبرؐ بره خورد شیر و شکر

بجوشید سر چشمۀ نور ازو
خوشا راهرو چشمِ بد دور ازو

بداں جُرعه کز چشمۀ نوش زد
بداں ذوق کاندر دلش جوش زد

جوان بخت پیری همایون صفات
ز دل زندگی بر مزاج حیات

خداوند از پاکئ گوهرش
بیفشرد از مهر اندر برش

خداوند دریا و برجیس سیل
ازیں سو کشش بود و زانسوئی میل

بداں جذب و میلی که انگیخت نور
چو شیر و شکر باهم آمیخت نور

خورد آب در راه رهرو اگر
پیمبرؐ بره خورد شیر و شکر

بجوشید سرچشمۂ نور ازو
خوشا راهرو چشمِ بددور ازو

بداں جُرعه کز چشمۂ نوش زد
بداں ذوق کاندر دلش جوش زد

به لطفش دم از آب حیواں گزشت
بموجش سراز کاخ کیواں گزشت

به چشم اثر بینِ فرزانه در
در آمد چراغے بداں خانه در

که گر خود تواں گوهر جاں شناخت
فروغ وی از داغ نتواں شناخت

بدل تنگی از بس فرو خورده دود
شده شعله را روئے روشن کبود

دراں پرده هندوئے واژوں پسیچ
به زُنّار تابی کفش خورده پیچ

سراسیمه از بس به تعظیم جست
نخ از دست رفت و بهم سود دست

براں رفته مسکیں تاسف کناں
زخجلت برفتن توقّف کناں

اُس کی لذت سے اُن کی سانس آب حیات سے برتر ہوئی،
اس موج کے زور میں وہ زحل کے آسمان کے اوپر پہنچ گئے

اس فرزانہ ہستی کی بصیرت بھری نگاہ کے سامنے،
اُس مکان یا محل کے اندر ایک چراغ نمودار ہوا

اگر خود روح کی ماہیت شناخت کرنے والی نظر سے بھی دیکھا
جاتا تو اس چراغ کی روشنی اور داغ میں کوئی فرق نظر نہ آتا
(یعنی اپنی نحوست سے تاریک ہے)

تنگ دلی سے اس نے دل کا دُھواں اس قدر اندر جمع کیا کہ
شعلے کے بدن پر چڑھ گیا تھا (زحل کا رنگ نیلا ہے)

اس نیلگوں شعلہ کے پردے میں (کیا دیکھتے ہیں کہ)
ایک ہندو وہ جو بداندیش ہے اور، جنیو کا دھاگہ بٹنے میں اس کا ہاتھ پیچ کھا گیا ہے
(ہندوستان زُحل سے منسوب ہے اور وہ ہنود کا مؤکل نگراں ہے)

چونکہ وہ گھبراہٹ میں تعظیم کے لئے اُٹھا
اس کے ہاتھ سے تاگا چھوٹ گیا اور ہاتھ ملتا رہ گیا

بے اختیاری کے اس عمل پر اُسے حیرت ہوئی
شرمندگی کے مارے وہ ٹھٹک کر رہ گیا۔

زدش بسکه در هر قدم برملا
ادب دور باش و عنایت صلا

فروماند حیران بدان کاردر
گران گشت پایش برفتار در

پیمبرؐ که پویندۂ راه بود
به دادار جویندۂ راه بود

چو زینگونه زیں هفت در بند ژرف
پدید آمدش فتح یابی شگرف

سپهر ثوابت به پیش آمدش
گهرها زاندازه بیش آمدش

گهر پیکران از یمین یسار
نمودند برشه گهرها نثار

همانا سپهر اندران مرحله
ز هجرش دلی داشت پُر آبله

ہر ایک قدم پر چونکہ ادب نے دُور باش سے اُسے ہٹایا
اور رسولؐ نے ازراہِ عنایت صدائے طلب بلند کی

اس لئے یہ زُحل حیرت سے ٹھٹکا
قدم آگے نہ بڑھا سکا

رسولِ خداؐ اپنی راہ پر تیزی سے چلے جارہے تھے اور
خدا کی طرف سے راستہ کے طلب گار تھے

جب اس طرح ان سات (۷) عمیق قلعوں پر
اُن کو شاندار فتحیابی حاصل ہوئی

تو فلک ثوابت یعنی ان ستاروں کا آسمان سامنے آیا جو ستارے
حرکت نہیں کرتے، تو اندازے سے کہیں زیادہ موتی نظر آئے

داہنے بائیں ہر طرف سے گوہر بدن (اجرامِ فلکی) نے
شاہ پر موتی نثار کیئے

اس مرحلے پر یوں لگتا تھا کہ
آسمان کے دل میں اُن کی جدائی کے غم سے چھالے پڑے ہوئے ہیں۔

ویا خود نگاهش دراں شہر بند
ز تیزی بدیوار روزن فگند

کہ از جذبۂ شوق و ذوق ظہور
زِ روزن شد آں پردہ غربال نور

زہے شوق گستاخ دیدار خواہ
زہے حسن مستور عاشق نگاہ

بداں شوق نازم کہ بے خویشتن
دَوَد حُسن سویش چنیں قطرہ زن

مگر قدسیاں را خود از دیر باز
براہ نبیؐ چشمہا بود باز

ویا رحمت حق بجولاں گہش
ز سرجوشِ نور آب زد در رہش

خرامندہ اندر گزرگاہ ناز
خرامش ہمی کرد با برگ و ساز

یا پھر یوں ہوگا کہ اس فصیل کے اندر،
اس کی نگاہ کی تیزی نے سوراخ ڈال دئے ہوں

اور پھر نور کے "جذبۂ بے اختیارِ شوق" کی بدولت
وہ پردہ نور کی چھلنی ہوگیا

اس شوق کے کیا کہنے جو دیدار کی بے تابی میں گستاخ ہوا جاتا ہو،
(یعنی آں حضرت کا شوق) اور اس حسنِ مستور کا کیا کہنا جو عاشق کی سی نگاہ رکھتا ہے

اُس شوق پر مجھے ناز ہے جس کی طرف حُسن خود بے اختیار ہو کر
چلتا ہوا آئے

ہوسکتا ہے کہ (یہ ستارے مُجڑے ہوئے نہ ہوں بلکہ) بہت
دیر سے ، نبیؐ کے انتظار میں راہ پر آنکھیں لگائے ہوئے ہوں

ممکن ہے یوں بھی نہ ہو، بلکہ خداوند عالم کی رحمت نے
اُن کے راستے میں نور کے اصل جوہر کا چھڑکاؤ کرا دیا ہو

آنے والا (پیغمبرؐ) بڑے آرام اور شان کے ساتھ
ناز کی گذرگاہ میں ٹہلتا آرہا تھا۔

بہ نظارہ ہفت آشنا از پیش
روانہائے کرّوبیاں برخیش

صُوَر گونہ گوں از جنوب و شمال
کشودند بند نقاب خیال

حمل سر بہ نرمی فراپیش داشت
سپاسے ازاں لا بہ برخویش داشت

نہ بینی کہ حیواں بیگانہ خوئے
بپوزش ز منعم بود طعمہ جوئے

چو او راست چوپانی آں رمہ
ہر آئینہ تازند سویش ہمہ

دود گاؤ تا سوئے اور بید رنگ
سرون خودش زد بدل گاؤشنگ

نبودی اگر شیر در عرض راہ
چریدی بہ چالاکی از خوشہ کاہ

اس کے پیچھے سے ساتوں سیارے جن سے ملاقات ہوئی تھی ، تک
رہے تھے اور ، فرشتوں کی جانیں ان پر قربان ہو رہی تھیں

شمال و جنوب سے طرح طرح کی صورتیں یعنی بروجِ فلکی ،
نقاب سے باہر ہو کر سامنے آ گئی تھیں

برجِ حمل نے اپنا سر ادب سے جھکا دیا تھا اور
اس انکسار سے اپنی ذات کا شکر گذار تھا (حمل معنی مینڈھا)

کیا نہیں دیکھا ہے کہ اجنبی مزاج جانور
جب مالک سے کچھ غذا چاہتا ہے تو سر جُھکا کر ادب سے ہو جاتا ہے

چونکہ اس (آسمانی) گلے کی خبر گیری اُن کے ذمہ ہے
اس لئے سب انھیں کی طرف دوڑتے ہیں

آسمانی گائے (گاوِ فلک) بے تامّل اس کی طرف دوڑتی ہے
یہاں تک کہ خود اس کا سینگ اس کے دل میں پینا مارتا ہے

اگر راستے میں شیر (بُرجِ اسد) نہ ہوتا تو
یہ گاوِ فلک تیزی سے خوشوں (ستاروں) کی گھاس چر جاتی۔

تو گوئی براہ خداوند دور
شپہر از نمود ثریّا و ثور

گدائیست ہندی کہ سرتا بپا
بغَر مُہرہ آراستہ گاؤ را

بہ دریوزہ گستاخ پوید ہمے
زِر ہَرو برہ دایہ جوید ہمے

بَرینی سروشانِ فرّخ لقا
ازاں ہر دو کاشانۂ دلکشا

ز پیوند خوشحالئے مہر و ماہ
ببتند حرزے ببازوئے شاہ

کہ چوں باز گردد بہ بنگاہ خاک
نباشد ز چشم بد اندیشہ باک

دو پیکر کہ گوئے ورا تواماں
برہرو پذیرے در آمد چماں

یوں کہوں کہ ثریا ستاروں کے گچھے اور بُرجِ ثور (بیل)
نہیں ہیں بلکہ آں حضرتؐ کی راہ میں

کسی ہندوستانی فقیر نے (جو گائے سجا کر دان مانگتا ہو) گئو کو سر
سے پاؤں تک کوڑیوں کے زیور سے لاد رکھا ہے

اور راستہ چلتے سے گئو پالن کے نام پر،
دوڑ دوڑ کر اور ضد کر کے بھکشا مانگ رہا ہے

ملاءِ اعلیٰ کے فرشتوں نے اُن دونوں عالی شان
محلوں سے،

چاند سُورج کے مبارک قِران سے
شاہ کے بازو پر تعویذ باندھ دیا

تاکہ جب وہ آسمانی سفر سے واپس ہوں ، زمین کے ڈیرے
کی طرف جائیں تو اُنھیں نظرِ بد کا اندیشہ نہ رہے

وہ بُرجِ فلک جسے تم جڑواں یا توام کہتے ہو،
استقبال کے لئے دوڑا ہوا آیا

پئے ہستی شہ بدست نیاز
رہ آوردی از روزہائے دراز

زبس بود جوزا دراں رہروی
کمر بستۂ خدمت خسروی

بداں تارَوَد نیمہ از نیمہ بیش
ز تیزی بہ بریّد پیوند خویش

چو ہمسایہ بکشود درہائے نور
بہ غلطید سرطان بہ دریائے نور

بکاشانۂ مہ ازاں فتح باب
بہ بستند پیرایۂ ماہتاب

چناں دلکش افتاد از ہر طرف
کہ برجیس را گشت بیت الشرف

بہ شاہانہ کاخی کاسد نام داشت
دراز نقطۂ اوج بہرام داشت

شاہ کی ذات کے لئے ایک زمانے سے اس کے پاس
ایک سوغات تھی وہ نذر کے لئے اٹھالی

چونکہ بُرجِ جوزا (جڑواں جسم کی شکل کا بُرج) اس سفر میں،
شاہی خدمت پر کمر بستہ تھا (جوزا = دو انسان پشت سے جوڑے ہوئے)

اس غرض سے کہ اس جڑواں کا ایک پیکر دوسرے پیکر سے
خدمت میں آگے بڑھ جائے
تیزیٔ رفتار نے اپنا جوڑ کاٹ لیا

جب دیکھا کہ ہمسائے بُرجِ جوزا نے نور کے دروازے کھول دئے تو،
بُرجِ سرطان نور کے دریا میں نہا گیا

چاند کے محل میں اس دروازہ کے کُھلنے سے
آرائش ہونے لگی، چاندنی سج گئی

ہر طرف اس قدر دلکشی چھا گئی کہ
برجیس (مشتری) کوشرف کا مقام مل گیا (مشتری کا شرف سرطان میں ہے)

وہ شاہی محل ، جس کا نام (بُرج) اسد تھا
اس کا دروازہ مریخ کے شرف کا نقطہ تھا۔

کشودند در تابداں اسطکاک
شود دشمناں را جگر چاک چاک

نہ شد گرچہ چوں گاؤ قربان اُو
ولی شیر شد گربۂ خوان اُو

نچنداں بہ محنت کشی خو گرفت
کہ بر گاؤ بتواند آہو گرفت

نہ در پنجہ زور ونہ در سینہ دم
فروماند بے جس چو شیرِ علم

شود تا خداوند را سجدہ بر
بر آورد از خوشہ صد دانہ سر

دراں راہ گر توشۂ داشت چرخ
ہم از خرمنش خوشۂ داشت چرخ

ازیں رہ بخود بسکہ بالید تیر
ہم از خانۂ خود شرف دید تیر

دروازہ کھولا تاکہ دروازہ کھلنے کی چرچراہٹ سے
دشمنوں کا جگر چاک ہوجائے

اگرچہ گائے (بُرجِ ثور) کی طرح اسد (شیر) اُن پر قربان نہیں ہوا
تاہم اُن کے سامنے ادب سے اُن کے خوان کی بلّی بن گیا

برجِ اَسد اس قدر محنت کشی کا عادی نہیں ہوا تھا کہ
گائے (برجِ ثور) پر عیب لگا سکے

نہ اس شیر (بُرجِ اسد) کے پنجے میں کس بل رہا نہ سینے میں ڈکار
وہ جھنڈے کے شیر کی طرح بے حِس ہو کر رہ گیا

مالک کی خدمت میں سجدہ بجا لانے کے لئے
سنبلہ کے سو (۱۰۰) دانوں نے خوشہ سے سر نکالا

اس راستے میں اگر آسمان کے پاس کوئی توشہ یا سروسامان تھا
تو اس کے خرمن سے برجِ سنبلہ کا خوشہ بھی تھا

عطارد چونکہ اُن کی آمد پر پھولا نہیں سمایا تھا
اس لئے اپنے بُرج میں ہی اس کو شرف حاصل ہوا

کشایش درِ گنج تا باز کرد
بہ میزان گھر سنجے آغاز کرد

ازانجا کہ در مطرح روزگار
ترازو پئے سختن آید بکار

سپہر از شرف تا خیالی بہ پُخت
زحل را نجاکِ رہ خواجہ سخت

ہم آں پلّہ را چرخ فرسائے دید
ہم ایں پلّہ را بر زمیں جائے دید

بہ عقرب خداوند آں جلوہ گاہ
براں شد کہ تازد بسویش ز راہ

ولی چوں نگھبانیٔ راہ داشت
سرِ بازگشتِ شہنشاہ داشت

نگھداشت خود را ازاں بیرھے
کہ از حکم شہ سر نہ پیچد رھے

فتح مندی نے جب خزانے کا دروازہ کھولا تا
بُرجِ میزان میں اس نے موتی تولنے شروع کردئے

زمانے کا دستور ہے کہ
میزان (ترازو) سے تولنے کا کام لیا جاتا ہے

آسمان نے شرف عطا کرنے کا یہ خیال باندھا کہ
اس نے زُحل کو نبیؐ کی خاکِ راہ کے ساتھ تولا

تولنے میں زُحل والا پلّہ آسمان کو اُٹھ گیا اور
خاک والا پلّہ جُھک کر زمین چھونے لگا

زُحل نے برج عقرب کا مالک ہے یہ ارادہ کیا کہ،
اپنی راہ سے بُرج عقرب کی طرف جائے
(زُحل کا شرف بُرج عقرب میں ہے۔اس لئے زُحل جلوہ گاہ عقرب کا مالک ہے)

لیکن چونکہ اسے راستے کی نگہبانی سپرد تھی اور
شہنشاہ کی واپسی کے وقت چوکس رہنا تھا،

اس لئے وہ راستہ چھوڑ کر ہٹا نہیں تاکہ
غلام سے حکم شاہ کی نافرمانی نہ ہونے پائے۔

به قوس اندر آورد چوں خواجه روئی
سعادت به برجیس شد مژده گوئی

کماں گشت زیں فخر قربان خویش
زهے طالع غالبؔ عجز کیش

بدیں خوشدلی بایدم شاد زیست
که در طالع من قدم بوس کیست

پذیرفت خواهم ز گردوں سپاس
که باشد مرا طالع روشناس

کماں چوں بدیں ساں نمایش گرفت
خدنگِ خبر زو کشایش گرفت

چناں جست تیر از کماں دل پسند
که ننشست جُز دردلِ گوسپند

گرفتش رواں سعد زابح براه
که نخچیر گیرد جلودار شاه

جب انھوں نے (آگے بڑھ کر) برجِ قوس (کمان) کا رُخ کیا تو، سعادت مندی نے مشتری کو خوش خبر سُنائی

بُرجِ قوس اُن کی آمد پر فخر کے مارے اپنے اُوپر قربان ہونے لگا ، مگر دیکھو، غالبؔ کو، اس عاجز کی قسمت کس بلندی پر ہے

اسی خوشی پر ہی ساری زندگی خوش و خرّم گذاردوں گا کہ میرے طالع میں کسی کی قدم بوسی لکھی ہوئی ہے

آسمان شکریہ ادا کرے گا اور میں قبول کروں گا کہ میرا طالع آں حضرت کا روشناس ہوا

کمان (بُرجِ قوس) نے جب یہ نموداری حاصل کرلی تو خبرکا تیر چلایا

(دل پسند) کمان سے تیر نکل کر ایسا سیدھا اور اس خوبی سے گیا کہ گوسپند (برج جدّی) کے دل پر لگے

سعد ذابح ستارہ نے دوڑ کر راستے میں ہی ، گوسپند کو پکڑ لیا تاکہ شاہ کے پیشکار کو شکار پیش کیا جائے۔

چو شد ذابح از تشنگے تاب کش
بدولاب شد فرع دلو آب کش

عزیزاں بہم کاردیں می کنند
بلی خواجہ تاشاں چنیں می کنند

زہے شوکت خواجۂ رہ سُپار
کہ باشندش اختر برہ پیشکار

سپہری رفیقان بسیار فن
گسستند از دلوِ گردوں رسن

بہ غمخوارگی تافتندش بدست
کہ گیرد مگر خواجہ ماہی بشست

زحق ہر کہ فرمان شاہی گرفت
تواند زمہ تابہ ماہے گرفت

ازاں پس کہ ایں راہ کوتاہ شد
حمل تا بہ حوتش قدمگاہ شد

جب ذبح کرنے والے کو پیاس کی تاب نہ رہی تو
بُرج دَلو رہٹ کی ڈولچی سے پانی کھینچنے لگا

ذی عزّت لوگ دین کے کاموں میں لگے رہتے ہیں اور ،
ان کے خادموں کا یہی فرض ہوتا ہے
(کہ وہ اس طرح کام کریں جیسے اجرام فلکی نے کیا)

اس مالک کی شان کے کیا کہنے، جو سفر کر رہا تھا کہ
ستارے اس کی راہ میں خدمت کے لئے بچھے جا رہے تھے

بڑے کار گذار آسمانی رفیقوں نے
آسمان کے ڈول سے رسّی توڑ کر

زحمت کے ساتھ جلد جلد اس کو ہاتھ سے ہٹا تاکہ
سرکار مچھلی (بُرجِ حُوت) کا شکار فرمائیں

خدا کی طرف سے جس کو شاہی عطا کردی جائے
ماہ سے لے کر ماہی تک سب اس کے تصرّف میں آتا ہے

جب یہ راستہ ختم ہو چکا تو
بُرجِ حمل سے حوت تک اُن کا گزر ہوا

بداں پویہ پیمود ایں ھشت چرخ
کہ صد بار گرد سرش گشت چرخ

تهم پایہ کانرا تواں خواند عرش
برہ ز اطلس خویش گسترد فرش

رھے نامور پایۂ سرفراز
سرا پردۂ خلوتستان راز

سر رشتۂ نازشِ چون و چند
بہ پیوند ھستی بداں پایہ بند

بود گرچہ برتر ز افلاکیاں
ولے لرزد از نالۂ خاکیاں

دلِ بے نوائے گر آید بہ درد
نشیند بداں پایۂ پاک گرد

صدائے شکستِ کمرگاہ مور
درینجاست ھیچ و دراں پردہ شور

اسی رفتار سے یہ آٹھ آسمان طے کیئے گیئے کہ
آسمان اُن کے گردِ سر سو بار گھوما یعنی سو جان سے نثار ہوا

نواں آسماں آیا جسے عرشِ الٰہی کہہ سکتے ہیں،
راستے میں اس نے اپنا فرش اطلس بچھایا (نویں آسمان کو فلکِ اطلس کہتے ہیں)

اس بلند مقام کی کیا تعریف کی جائے
یہ راز کی خلوت گاہ کا پردہ تھا

(احکام الٰہی کا ظہور عرش سے ہوتا ہے۔ اُن احکام کے مطابق اشیاء کو وجود ملتا ہے،
پس موجوداتِ عالم کا علاقہ عرش سے ہے)
عالم کیف و کم یعنی مخلوقات کی نازش
عرش سے علاقہ ہونے کے سبب سے ہے

اگرچہ عرش کا یہ بلند مقام خود آسمانی ہستیوں سے برتر ہے لیکن،
زمین کے باشندوں سے دُور نہیں ، اُن کی فریاد سے عرش لرزتا ہے

اگر کسی غریب کے دل میں درد اُٹھے تو عرش پاک پر
غبار پڑتا ہے

چیونٹی کی کمر بھی ٹوٹے تو، اگرچہ زمین پر اس کی کوئی وقعت نہیں
لیکن، عرش پر شور برپا ہوتا ہے۔

نہ از مہر نام و نہ ز انجم نشاں
نہ دریا نمایاں نہ ریگ رواں

دو گیتی نمائش ز صبحش دمے
خود آں صبح را ہر فلک شبنمے

ز ایزید پرستاں بہر سرزمیں
بود سجدہ آنجا چو سر بر زمیں

بساطی ہم از خویشتن تابناک
ز آلائشِ کلفتِ رنگ پاک

ز بس پائے لغز خیال از صفا
رسیدن بہ پہنائے آں نارسا

در آمد گرانمایہ مہمان حق
بہ رُخ ماھتابِ شبستانِ حق

قدم زد براھی کہ رفتن نداشت
نگھبان و ھمراہ و رھزن نداشت

یہ وہ مقام ہے کہ نہ تو سُورج کا پتہ نہ ستاروں کا نشان،
نہ دریا دکھائی دیتا ہے نہ ریت کے ڈل

دونوں دنیائیں اس کی صبح کے ایک سانس کا جلوہ ہیں
صبح بھی کیسی کہ ہر ایک آسمان اس صبح کی شبنم ہے

دنیا میں جہاں بھی کوئی خدا پرست سجدہ کرتا ہے
اس کا سجدہ وہاں پہنچتا ہے حالانکہ سر ہوتا ہے زمین پر

عرش ایک ایسا فرش ہے جو روشن بالذات ہے
اس کی دمک میں کسی رنگ کی کثافت نہیں

خیال کا پاؤں عرش کی صفا کے سبب،
پھسل پھسل جاتا ہے، اسی لئے انسانی فکر کی وہاں تک رسائی نہیں

خدا کا عالی قدر مہمان وہاں داخل ہوا
اس کا رُخ حق کی خلوت گاہ کا ماہتاب تھا

اس راہ پر قدم رکھا جہاں چل نہیں سکتے
وہاں نہ کوئی نگہبان تھا ، نہ رفیقِ سفر ، نہ رہزن

در آنجا کہ ازروئے فرھنگ ورائے
بجا باشد ار خود نگویند جائے

جہت را دم خود نمائی نمانند
زمان و مکاں را روائی نمائند

غبار نظر شد زرہ ناپدید
سراپائے بیننده شد جملہ دید

در آور دبی کلفت سمت وسوئے
بہ نورالسمٰوٰت والارض روئے

تماشا ھلاک جمالِ بسیط
فروغِ نظر موجۂ زاں محیط

شنیدن شھید کلامی شگرف
منزّہ ز آمیزشِ صوت و حرف

کلامے بہ بیرنگے ذات علم
شنیدن بہ عقل اندر اثبات علم

یہ وہ مقام تھا کہ
ازروئے عقل اس کو جگہ نہیں کہہ سکتے

یہ وہ مقام تھا جہاں سمتوں کا تعین ہی نہ رہا
وقت اور جگہ کا وجود بے معنی ہوگیا

درمیان سے نظر کا غبار فنا ہوا اور، دیکھنے والا ہمہ تن دید ہو گیا
(دیکھنے والے اور دیکھنے کی شے کے بیچ میں نظر واسطہ ہے، شاعر یہ قرار
دیتا ہے کہ بیچ میں نظر واسطہ نہ ہو تو دید سے حقیقت شے معلوم ہو)

بغیر سمت اور رُخ کے آں حضرت
آسمانوں اور زمین کے نور (وجود خداوندی) کی طرف متوجہ ہوئے

جمالِ بسیط نے (وہ خوبی جس کا تجزیہ نہ ہوسکے) دیکھنے کو فنا کردیا
خود اس ذات کی موج (مثلِ موجِ محیط کے) نظر کی روشنی ہوگئی

یہاں سُننے کی قوت عجیب کلام نے فنا کردی
اس کلام میں نہ حرف تھے نہ آواز

ذات علم کی بے رنگی اس کلام میں تھی
جیسے عقل سے کسی حقیقت کا ادراک کہ اس میں سننے کو دخل نہیں۔

نخستیں در از ”لا“ کشود آں رواق
ز ”اِلّا“ بصدر اندرش پیش طاق

بر الاّ رسید وز ”لا“ درگزشت
رسیدن ز پیوند جا در گزشت

دراں خلوت آباد راز و نیاز
بروئے دوئی بود چوں در فراز

نماند اندر احمد ز میمش اثر
کہ آں حلقہ بُود بیرونِ در

احد جلوہ گر با شیون وصفات
نبیؐ محوِ حق چوں صفت عین ذات

فروغے بہ مہر جہاں تاب در
بہر ذرّہ تابے ازاں تاب در

ز خورشید نا گشتہ پرتو جُدا
محیط ضیا خود محیط ضیا

محل کا پہلا دروازہ لا (ما سوائے اللہ کی نفی) تھا
اس کی محراب کی صدر میں اِلّا (اثباتِ ذات احد) تھا

نبی نفی غیر اللہ کے مرحلے سے گذر کر الّا اللہ (توحید کے اثبات) پر پہنچے
پہنچنا یہاں جگہ میں نہ تھا (یعنی مقام کے تصوّر سے جُدا تھا)

راز و نیاز کے اس خلوت میں دوئی پر دروازہ بند تھا
وحدت ہی وحدت تھی اور دوسرے وجود کا گذر نہ تھا اس لئے

احمد میں ''میم'' کا نشان بھی نہ رہا (وہ احد ہو گیا)
کیونکہ وہ (میم) خارج از حقیقت تھا

اپنی شان اور صفات کے ساتھ یہاں صرف ''احد'' کا ہی جلوہ تھا
نبی کا وجود خدا ئے واحد میں یوں گم ہوگیا جیسے صفت عین ذات ہو

جس طرح سُورج میں روشنی سی ہے
کہ اس سے ہر ذرّہ میں روشنی ہے

سورج سے اس کا پرتو یا روشنی جدا نہیں
روشنی کا سمندر خود روشنی کا محیط ہے، دونوں کے درمیان دُوئی نہ ہوگی۔

رقم ھائے اندازۂ ھر شمار
ھماں از شگاف قلم آشکار

دو عالم خروش نواھائے راز
ولیکن ھماں در خم بند ساز

ورق در ورق نکتۂ دلپذیر
ولیکن ھماں در خیال دبیر

ز گفتن شنیدن جدائی نداشت
نمودن زدیدن جدائی نداشت

چو انداز ھر نمائش گرفت
ز وحدت بہ کثرت گرائش گرفت

بحکم تقاضائے حُبِّ ظھور
تنزّل در اندیشہ آورد زور

اَحَد کسوت احمدی یافتہ
دم دولتِ سرمدی یافتہ

جس طرح ہر حساب کے اعداد کی تحریر
شگاف، قلم سے نمودار ہوئی ہے

دونوں عالم راز کی نواؤں کا خروش ہیں
لیکن وہ آوازیں ساز کے جوڑ بند میں قید ہیں

ایک سے ایک پسندیدہ نکتہ ورقوں پر پھیلا پڑا ہے
لیکن صاحبِ قلم کے خیال میں ہی اُن کا وجود ہوتا ہے

کہنے اور سُننے میں کوئی علیحدگی نہیں تھی،
دکھانا اور دیکھنا (شہود اور مشاہدہ) ایک ہی تھا

لیکن جب اس نے نمائش کا انداز اختیار کیا
وحدت نے کثرت کی شکل پائی

ظاہر ہونے کی خواہش نے ارادہ کیا تو (ظاہر ہونے کی خواہش کے تقاضہ سے)
بلندی سے نیچے قدم رکھا اور خیال نے تخلیق کا جامہ پہنا (بلند ہستی سے تنزل یا نیچے
آنے کا خیال کیا) اشارہ ہے اس حدیث کی طرف: ''کُنتُ کنزاً مَخفیا فَا
حبَبتُ اَن اُعرف فَخَلقتُ الخُلق'': (میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا چاہا کہ پہچانا
جاؤں تو دنیا کو پیدا کر دیا)

احد (خدائے واحد) نے ذات احمد کا لباس اختیار کیا اور
اس نے ہمیشگی کی دولت پائی

بکوشش ز طبع وفا کوش او
ہماں میم او حلقۂ گوش او

بھر گونہ بخشش سرافراز گشت
ہم از حضرت حق باز گشت

بَیامد بدیں خاک داں بیدرنگ
چو در جوئے آب و چو بر روئے رنگ

نرفتہ بروں پائے از نقش پائے
کہ کردہ قدم بر قدم گاہ جائے

شرارے کہ از سنگ آں آستاں
بدرجست از نعل برق جہاں

ہنوزش قدم در رہ اَوج بود
کہ آمد زبالا بہ پستی فرود

بجنبش درش حلقۂ درہماں
زوے گرم بالیں و بستر ہماں

چوں کہ فطرتِ احمدی میں وفا بھری تھی
میم کا یہ فاصلہ ان کی بندگی کا اظہار بن گیا

ہر قسم کی بخشش سے سرفراز ہوئے
حق کے سامنے حضوری کے مرتبے سے واصل بہ حق ہوئے

وہ (خدا کی پیش گاہ سے) خاکی دنیا میں یوں بے تاخیر آئے
جیسے نہر میں پانی اور چہرے پر رنگ آ جاتا ہے

جتنی دیر میں نشانِ قدم سے قدم اٹھے
اتنی ہی دیر میں وہ اپنے مسکن پر آگئے

جو چنگاری ان کے آستانے کے پتّھر سے
براق کی نعل کی رگڑ سے نکلی، (جب بُراق آپ کو لینے آیا تھا)

ابھی وہ شرار اوپر ہی جا رہا تھا
کہ وہ معراج کا سفر طے کر کے نیچے اتر آئے

باہر جاتے وقت دروازے کی جنبش سے زنجیر کا حلقہ ہلا تھا، وہ اسی طرح ہل رہا تھا
بستر اور تکیہ پر ان کے جسم کی گرمی اسی طرح موجود تھی کہ واپس آگئے

سرے را کہ رحمت نہد در کنار
در آورد محبوب پروردگار

بخوابی کہ بیدارئ بخت او
ز تار نظر بافتے رخت او

سحر گہہ کہ وقت سجودش رسید
زہم نام یزداں درودش رسید

بشادی در آمد علیؑ از درش
وصال علیؑ شادئ دیگرش

شب از بادۂ قدس ساغر گرفت
صبوحی ز دیدارِ حیدرؑ گرفت

جمالِ علیؑ چشمۂ نوش بُود
صبوحی ہم از بادۂ دوش بُود

دو ہمراز باہمدگر راز گوئے
نشانہائے بینش بھم باز گوئے

وہی سر جو رحمتِ پروردگار کی آغوش میں تھا،
محبوبِ خدا کا وہ سر نیند کے عالم میں داخل ہو گیا

کیا نیند تھی کہ قسمت کی بیداری
اپنی نظر کے تار سے اس کا تانا بانا تیار کر رہی تھی

صبح ہوتے جب سجدے (نماز) کا وقت آیا تو،
انھیں خدا کے ہم نام (علیؑ) کی طرف سے درود کی آواز آئی

علیؑ ان کے دروازے میں خوش و خرم داخل ہوئے اور
(خدا کے بعد) علیؑ سے ملنا ایک اور خوشی کا سبب ہو گیا

رات کو انھوں نے نورِ قدسی کا ساغر پایا اور
صبح علیؑ کے دیدار کا جام ملا

حضرت علیؑ کا جمال ایک خوشگوار چشمہ تھا اور
صبوحی کا جام ملا تو وہ بھی کل والی صہبائے جلوہ کا تھا
(نورِ علیؑ بھی نورِ خداوندی کا ہی حصہ تھا)

دونوں ہم راز ایک دوسرے سے راز کی بات کرنے لگے اور
بصیرت کی نشانیاں ایک دوسرے کو بتانے لگے

دوچشمست و هر چشم را بنیشیست
ولی آنچه بینند هر دو یکسیست

نہ گنجد دوئی در نبیؐ و امام
علیہ الصلوٰۃ علیہ السلام

آنکھیں دو ہیں ، ہر ایک کی نظر جدا جدا ہے ، لیکن دونوں آنکھیں
جو کچھ دیکھتی ہیں وہ حقیقت ایک ہی ہے

ایک نبیؐ ہے ایک امامؑ ، اُن کے درمیان کوئی دوئی نہیں ہے
نبیؐ پر درود ہو علیؑ پر سلام

نعت و منقبت

نعت مصطفوؐ بشمول منقبت مرتضویؑ

چوں تازہ کنم در سخن آئین بیان را
آواز دہم شیوہ ربا ہمنفسان را

رقصد قلمم بیخود و من خود ز رہ مہر
بر زہرہ فشانم اثر جنبش آن را

در زمزمہ در بر رخ داؤدؑ کشایم
تا بہرہ فرستد ز رہ گوش زبان را

جبریئلؑ دود در ہوس فیض سروشم
چندانکہ چکاند چو خوی از روی روان را

ہر گہ کہ بمشاطگی ناز کشایم
پیچ و خم جعد نفس عطر فشان را

رضوان دود از حلقۂ حوران برہ باد
افگندہ ز کف غالیہ و غالیہ دان را

ہر گہ کہ بہ گوہر کدۂ راز نہم روی
آوردن آرایش سیمای بیان را

در راه گهر ریزه فشانم که پس از من
زین جاده شناسند ره گنج نهان را

هان وایه پرستان ز جواهر مشمارید
تلخاب رگ قلزم و خونابهٔ کان را

گوهرکدهٔ راز بود عالم معنی
وز لفظ گهر ریزه بود وادی آن را

لفظ کهن و معنی نو در ورق من
گوئی که جهانست و بهارست جهان را

آن دیده به لفظم نگرد نازش معنی
کاندر تن یوسف نگرد شادی جان را

فرزانه ز هر خانه که فیضی رسدش خاص
خواهد شرف ذات خداوند مکان را

نازم روش زهره که در شکر گزاری
از حوت به تثلیث ببیند سرطان را

چون من ز سخن یافتم این مرتبه خواهم
کز عرش فراتر نگرم پایۀ آن را

وین پایه در آنست سخن را که ستایم
ممدوح خداوند زمین را و زمان را

آن کز اثر گرم روی در شب معراج
در بال ملک سوخت نشاط طیران را

شاهی که پی سجدۀ خاک کف پایش
ارزش نبود جز سر صاحب نظران را

حق تا بفرستاد ز غیبش بشهادت
کز خاطر این نشأه برد رشک جنان را

از فرط محبت که بدان جان جهان داشت
نگذاشت قضا سایۀ آن سرو روان را

در کشور لطفش کنی از شهر و دهی فرض
زانگونه در آنجا نگری امن و امان را

کز فرط رواج زر و بیکاری آهن
بر سنگ محک رشک بود سنگ فسان را

در موقف قهرش نگری بر روش داد
دار و رسن و درّہ و شمشیر و سنان را

از بهر ثنا گستری تست و گرنه
اندازۂ گفتار نبودی حیوان را

از بهر نثار قدم تست و گرنه
ایزد به کف خاک ندادی دل و جان را

گر با رخ عشاق تو تشبیه دهندش
گلگونه شود خلد برین روئے خزان را

نازم بکسانی که به تشبیه خم تیغ
دیدند بر ابروے تو ماه رمضان را

در عالم عدل تو بمهر رمۂ دشت
گرگان ستم پیشه رقیب اند شبان را

در نکته گر از قعر جهنم سخنی رفت
در مضجع خصم تو ره افتاد گمان را

آن کیست که بیند چو برفتار داری
بر اوج سما رخش دلاویز عنان را

این بس که به تسکین دل از سایهٔ تنگش
اندیشه بدل جای دهد کاهکشان را

رفتار تو آن کرد بافلاک ز شوخی
کز چاک بود خنده بر افلاک کتان را

هرچند شناسندهٔ هر راز شناسم
آن چشمِ نهان بین و ضمیرِ همه دان را

لیک از تف آن زهر که غم در قدحم
ریخت
لب تشنگی ذوق بیانست عیان را

فریاد رسا داد ز بی برگی ایمان
کاین نخل بتاراج فنا رفت خزان را

در خویشتن ایمان شمرم لیک ازان دست
کاندر تنِ محبوب شمارند میان را

از عمر چهل سال بهنگامه سرآمد
سرمایه ببازیچه تلف گشت دکان را

روز آخر و من سست پی و قافله بس دور
در باخته ام از غم ره تاب و توان را

زین روی که طاعت نکنم لیک خداوند
از من نبرد مایهٔ آرایش خوان را

هر گه که خورم نان تنم از شرم گدازد
چندانکه ز خویش آب کشم دست و دهان را

در جلوه پرستم رخ و گیسوی صنم را
در شیوه پسندم روش و کیش مغان را

در قاعدهٔ سجده سر از پا نشناسم
در روزه ز شوال ندانم رمضان را

گیرم کہ نہادم بود از سجدہ لبالب
اے وای گر از ناصیہ جویند نشان را

شرع آنہمہ خودبین ومن این مایہ سبکسر
کز ساقئ کوثر طلبم رطل گران را

تا نام می و ساقی کوثر بزبان رفت
صد رہ لبم از مہر ببوسید زبان را

آن قوت بازوی تو کز برق نہیبش
ریزد جگر و زہرہ ز ہم شیر ژیان را

در کیش تو ناتافتہ رو از دم شمشیر
بر خصم تو نکشادہ کمین پشت کمان را

آن اصل نژاد تو کہ در عالم بینش
یابند ازو گر ز تو جویند نشان را

گرد سر آن کس کہ بدوش تو نہد پای
گردش بود از راہ ارادت دوران را

دوران تو و یار تو فرخنده قرانیست
در طالع من جلوه دہ آثار قران را

زان رو کہ امیدم بگرانمایگیِ تست
در خاطر من را نبود بیم و زیان را

پرواز مرا شوق تو شہپر بود ارنہ
کو قدرت گفتار من ہیچمدان را

در پیچ و خم ہستیِ موہومیِ من بین
آویزش بخت دژم و طبعِ جوان را

من این ہمہ بے دستگی و خامہ گہرپاش
در دست تہی تا چہ شمارست بنان را

از غالبؔ دلخستہ مجو منقبت و نعت
دریاب بخون جگر آغشتہ فغان را

بیانِ نموداری شانِ نبوت ولایت
کہ در حقیقت پَرتوِ نورالانوار
حضرت اُلوہیت ست
(ترجمہ: ڈاکٹر ظ۔انصاری)

بعد حمد ایزد و نعت رسولؐ
می نگارم نکتۂ چند از اصول

تا سوادش بخشد اندر رسم و راہ
دیدہ ور را سُرمہ اعمیٰ را نگاہ

حق بود حق، کہ آمد از نورش پدید
آسمان ہا و زمین ہا را کلید

نور محض و اصل ہستی ذات اوست
ہرچہ جز حق بینی از آیات اوست

تا بخلوت گاہ غیب الغیب بود
حسن را اندیشہ سر در جیب بود

صورت فکر ایں کہ باری چوں کند
تا ز جیب سر بیرون کند

خدا کی تعریف اور رسولِ خدا کی نعت کے بعد میں کچھ اصولِ دین کے نکتے لکھتا ہوں

تا کہ اُن کی عبارت (سیاہی تحریر) دین و مذہب میں صاحب نظر کو سُرمہ اور نا بینا کو بینائی عطا کرے

اُس (خدا) کے نور سے جو نور ظاہر ہوا وحق ہے ، وہ زمینوں اور آسمانوں کی کنجی ہے

نورِ محض اور موجودات کی اصل اسی (پیدا کرنے والے) کی ذات ہے حق کے سوا (ما سوا اللہ) جو تمہیں نظر آتا ہے وہ اس کی نشانیوں میں سے ہے

جس وقت تک حُسن (ازلی) غیب الغیب کی تنہائی میں رہا تب تک اسے ایک خیال تھا،

فکر اس بات کی کہ وہ کس طرح غیب کرکے پردے سے ظہور میں آئے

جلوه کرد از خویش هم بر خویشتن
داد خلوت را فروغ انجمن

جلوۂ اوّل کہ حق بر خویش کرد
مشعل از نورِ محمدؐ پیش کرد

شد عیان زان نور در بزم ظهور
هرچه پنهان بود از نزدیک و دُور

همچو آن ذرّات کاندر تاب مهر
از نقاب غیب بہ نمایند چهر

مَهر بر ذرات پرتو افگنست
عالم از تاب یک اختر روشنست

نور حقست احمدؐ و لمعانِ نور
از نبیؐ در اولیا دارد ظهور

هر ولی پرتو پذیرست از نبیؐ
چون مہ از خود مستنیرست از نبیؐ

چناں چہ اس نے اپنا جلوہ اپنے اوپر ہی کیا اور یوں خلوت کو جلوت کی رونق عطا کردی

حق نے اپنے اُوپر ، جو پہلا جلوہ کیا تو محمدؐ کے نور کی مشعل سامنے رکھ دی

اُس نور کی مشعل سے جو کچھ عالم ظہور میں دُور نزدیک تھا وہ عیاں ہوگیا

مثل اُن ذرّوں کے جو سورج کی روشنی پڑتے ہی غیب کی نقاب اُلٹ کر صورت دکھانے لگتے ہیں

سورج ذرّوں پر عکس ڈالتا ہے تو ساری دُنیا ایک ستارے (آفتاب) کی بدولت روشن ہے

احمد خدا کا نور ہے ، اور نبیؐ سے ولیوں میں نور کی چھوٹ پڑتی ہے

ہر ایک ولی کو نبیؐ سے شعائیں پہنچتی ہیں، جس طرح سُورج سے چاند روشنی لیتا ہے اسی طرح نبیؐ سے ولی روشنی پاتے ہیں

جلوۂ حُسن ازل مستور نیست
لیک اعمیٰ را نصیب از نور نیست

از نبیؐ و از ولی خواہی مدد
حیف پنداری کہ نا جائز بود

بر نیاید کار بی فرمان شاہؑ
لیک آئینہاست باخاصانِ شاہؑ

ہر کہ او را نورِ حق نیرو فزاست
ہرچہ ازوی خواستی ہم از خداست

بر لب دریا گر آبی خوردۂ
آب از موجی بجام آوردۂ

آب از موج آید اندر جام تو
لیکن از دریا بُوَد آشام تو

وقت حاجت ہر کہ گوید یا علیؑ
با حقش کارست و پروزش با علیؑ

نورِ الٰہی کا جلوہ چُھپا ہوا نہیں ہے،
لیکن نابینا کو نہیں سُوجھتا

نبی اور ولی سے مدد چاہیے تو ہرگز یہ نہ سمجھ لینا
کہ ایسا کرنا جائز نہیں

اگرچہ بادشاہ کے حکم کے بغیر کام نہیں بنتا تام بادشاہ کے
خواص ہی آئین یا (قوانینِ مشیّت) جانتے ہیں

وہ جس کو نورِ حق قوت پہنچاتا ہے اس سے جو کچھ دعا کرو وہ خدا
سے دعا ہے

اگر دریا کنارے پانی پیو تو یہ پانی
موج سے ہو کہ ہی جام میں آئے گا

تمہارے جام میں پانی موج سے آئے گا
لیکن جو کچھ پیو گے وہ دریا ہی کا پانی ہے

حاجت میں اگر کوئی علیؑ کو پکارتا ہے تو اس کا معاملہ خدا سے ہے
اور خطاب علیؑ سے

'یا محمدؐ' جان فرازید گفتنش
'یا علیؓ' مشکل کشاید گفتنش

چوں اعانت خواہی از یزدان پاک
'یا معین الدین' اگر گوئی چہ پاک

ابلہان را زانکہ دانش نارساست
گفتگو ہا برسر حرف نداست

مولویِ معنوی عبدالعزیز
واں رفیع الدین دانشمند نیز

شاہ عبدالقادر دانش سگال
کایں دو تن را بود در گوہر ہمال

بُردنِ نام نبیؐ و اولیا
خود روا گفتند با حرف نَدا

وان دگر فرزانۂ قدسی سرشت
رہنمائے مسلک پیران چشت

جب اس کی زبان پر ''یا محمدؐ'' آتا ہے تو اس کی جان میں جان آ جاتی ہے۔ اور'' یا علیؑ ''کہنے سے مشکل آسان ہو جاتی ہے۔

اگر خدائے پاک سے مدد چاہنے میں تمہاری زبان پر ''یا معین الدین''(خواجہ اجمیر) آ جاتا ہے تو اس میں کیا ہرج ہے؟

بے وقوفوں کی عقل چوں کہ کوتاہ ہوتی ہے اس لئے وہ پکارنے کے لفظ پر بحث کرتے ہیں (یعنی یا محمدؐ اور یا علیؑ کہنے پر معترض ہیں)

شاہ عبدالعزیز اور شاہ رفیع الدین
جیسے دانش مند نے (ان کے بعد)
شاہ عبدالقادر

جیسے صاحبِ عقل و ہوش نے ، جن دونوں کی اصل ایک تھی (یعنی دونوں شاہ ولی اللہ کے فرزند تھے) نبی اور اولیاء اللہ کا

نام پکارنا یعنی انھیں حرف ندا سے خطاب کرنا جائز قرار دیا ہے۔

پھر وہ فرشتہ سیرت مردِ دانا یعنی چشتیہ سلسلے کے بزرگ گزرے ہیں ، جو اپنے زمانے کے شیخ

آنکه شیخ وقت و خضر راه بود
نام والایش کلیم الله بود

گفت : استمداد از پیران رواست
هرچه پیر راه گوید آن رواست

کی غلط گوید چنیں روشن ضمیر
خرده بر قول کلیم الله مگیر

همچنیں شیخ المشائخ فخر دین
آفتاب عالم علم و یقین

همبرین هنجار و آئین بوده است
شیخ ما حق گوی و حق بین بوده است

تا نه پنداری ز بیران خواستیم
حاجت خود را ز یزدان خواستیم

لیک در پوزش بدرگاه رفیع
ما همی آریم پیران را شفیع

اور رہنمائے اعظم تھے،
جن کا نام نامی شیخ کلیم اللہ تھا

انھوں نے کہا کہ پیروں اور بزرگوں سے مدد طلب کرنا جائز ہے
پیرِ فریقت جو کہہ دے وہ صحیح ہے۔

وہ (کلیم اللہ جیسا) روشن دل بزرگ غلط کیسے کہہ دے گا،
اُن کے قول پر نکتہ چینی مت کرو۔

اسی طرح روحانی بزرگوں کے بزرگ
مولانا فخر الدین جو علم اور یقین کی دنیا
کو زندگی دینے والے ہیں، یہی طریق رکھتے

تھے۔ ہمارے پیر و مرشد حق بات کہنے اور
حق دیکھنے والے آدمی ہیں

یہ مت سمجھ لینا کہ ہم پیروں سے دعا کرتے ہیں، ہم تو اپنی
ضرورت خدا کے پاس لے جاتے ہیں

لیکن خدا کے دربار میں عذر و انکسار کرتے وقت ہم ان
پیروں کی سفارش چاہتے ہیں۔

این چنین پوزش روا نَبود چرا
بحث با عارف خطا نَبود چرا

ور سخن در مولد پیغمبرؐ ست
بزمگاه دلکش و جان پرورست

خود حدیث از سرور دین میرود
میرود وانگه بآئین میرود

سعی ما مشکور و نقد ما روا
چیست آن کان را شماری نا روا

نکهت موئ مبارک جانفزاست
بارگ جانش همی پیوندهاست

برتن نیکوتر از جان رسته است
لا جرم از آب حیوان رسته است

دلنشینِ ما بود زان روی موی
وه که گرداند کسی زان روی موی

یہ عذر یا وسیلہ طلبی بھلا جائز کیوں نہ ہوگی، خدا کی معرفت رکھنے والے سے بحث کرنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟

اور اگر میلاد نبیؐ کے بارے میں کلام ہے تو وہ ایک دلکش اوررُوح پرور بزم ہے

خود رسول اللہ کی حدیث ہے اور حدیث ضوابطِ روایت کے مطابق ہے۔

ہماری کوشش قابلِ قبول اور ہمارا نقد عمل کھرا ہے
اب تم کس بات کو نا جائز قرار دیتے ہو؟

(رسول اللہ کے) مبارک بال کی مہک جانفزا ہے، اُن کی رگِ جاں سے اُس کے گہرے رشتے ہیں۔

(رسولؐ کے بال) ایسے جسم پر اُگے جو رُوح سے زیادہ لطیف تھا، لازم بات ہے کہ آبِ حیات سے اس کی آبیاری ہوئی ہے۔

اسی لئے موئے مبارک ہمارے دل میں جگہ رکھتے ہیں، افسوس اس پر جو کوئی اس سے رُوگردانی کرے۔

هر کرا دل هست و ایمان نیز هم
چون نورزد عشق با "نقشِ قدم"

در رہ دین تا قدم بہ نہادہ اند
عشق بازان را نشانہا دادہ اند

برد از خویشیم دو صد فرہنگ رشک
می برم زین نقش پا برسنگ رشک

نقش پائی کایں چنیں افتادہ است
اہل دل را دلنشیں افتادہ است

کی نشیند در دل آں بد گہر
کش دلی از سنگ باشد سخت تر

بوی پیراہن بَمصر آرد صبا
دیدۂ یعقوب زو یابد جلا

بر ردا و پیرہن کز مصطفیٰ است
جان نیفشاندن ز امت کی رواست

جس کے (سینے میں) دل ہے اور ایمان بھی ہے وہ (رسولؐ کے) نقشِ قدم سے عشق کیوں نہ کرے گا!

(رسولؐ سے) عشق کرنے والوں نے دین کی راہ میں قدم رکھا تو اُن کی نشانیاں دی گئیں۔

نشانِ قدم دیکھ کر مجھے اس پتھّر پر اتنا رشک آتا ہے کہ اپنے وجود سے دو سو کوس دُور ہو جاتا ہوں (یعنی اس رشک میں کہ بجائے اس کے میرے اوپر نقش کیوں نہ ہوا، اپنی ذات سے ایسا تنفر ہوتا ہے کہ اس سے دو سو فرسنگ کی دوری ہوتی ہے۔

یہ نقشِ قدم جو (پتھّر پر) اس طرح بنا ہوا ہے، اہلِ دل کے دل نشین ہے۔

لیکن اس بدذات کے دل میں یہ نقش کیسے جگہ بنائے جس کا دل پتھّر سے زیادہ سخت ہے!

ہوا مصر سے (یوسفؑ کے) پیرہن کی خوشبو اڑ کر لائی تو یعقوبؑ کی آنکھوں میں نور دوڑ گیا۔

مصطفٰے کے چادر اور کرتے پر، (جس میں اُن کے بدن کی خوشبو ہو) امّت کیسے جان نثار نہ کرے!

در عرب بود ست منعم زادۂ
قیس نامی دل بہ لیلیٰ دادۂ

برسگی کز کوچۂ لیلاستی
قیس از خویشش فزدنتر خواستی

میتوانی گفت هان ای تن پرست
پیر کنعان بود پیراهن پرست

یا توان گفتن کہ خود چون بودہ است
سگ پرستی کیش مجنون بودہ است

"حاش للّٰہ! کاین چنین باشد نورد
رفت از حد سوئ ظن کافر نکرد

عشق گر با پیرهن و ربار داست
نیست بهر جامہ از بهر خداست

حق فرستادست بهر ما رسول
گردہ ایم از بهر حق دینش قبول

عرب میں قیس نام کا ایک رئیس زادہ تھا،
جس نے لیلیٰ کو دل دے دیا

لیلیٰ کی گلی کے کتے کو وہ اپنے
آپ سے بہتر سمجھتا تھا۔

اے ظاہر پرست، کیا تم کہہ سکتے ہو کہ کنعاں کے بزرگ (یعقوبؑ) پیراہن کی
پرستش کرتے تھے؟

کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ خود مجنوں ایسا تھا کہ سگ پرستی اس کا
ایمان بن گئی؟

توبہ توبہ، کہیں یہ راہ (راست) ہو سکتی ہے۔ایسا حد سے
گزرا گمان تو کافر نے بھی نہیں کیا۔

اگر کرتے اور چادر سے عشق ہے تو یہ کوئی لباس کی وجہ سے
نہیں بلکہ خدا کی وجہ سے ہے۔

خدا نے ہمارے لئے رسول بھیجا اور ہم نے خدا کے لئے اس کا
دین قبول کیا۔

گر بسوی خواجه رو آریم مَا
دوست از بهر حقش داریم مَا

چون نه گردد طالب دیدار دوست
شاد ان نظارهٔ آثار دوست

ایکه بُردی بهره از خوانِ نبیؐ
بردهٔ از یاد احسان نبیؐ

آمد و آورد پیغام از خدا
"لوحش اللہ" مرحبا نام خدا

جادهٔ راهی نمایان کرد و رفت
راه رفتن بر تو آسان کرد و رفت

چون تو کی از نا سپاسانیم مَا
پیرو ایزد شناسانیم مَا

حق پرستان جمله این ره رفته اند
زان که با دلهای آگه رفته اند

اگر ہم خواجہ (سردارِ دین) کی طرف رُخ کرتے ہیں تو خدا کی وجہ سے ہی اُن سے محبت کرتے ہیں۔

اپنے محبوب کی نشانیوں کو دیکھ کر محبوب کے دیدار کا طالب کیوں نہ شاد ہو۔

تم نے تو نبیؐ کے خوانِ کرم سے فیض اٹھایا ہے۔ پھر بھی اُن کا احسان بُھلا دیا۔

نبیؐ آیا اور خدا کی طرف سے پیام لایا، آفریں، اُس کی آمد خوش کن، چشم بد اُس سے دُور

نبیؐ نے (ایمان کا) راستہ دکھایا اور رخصت ہو گیا، سفر کی راہ تم پر آسان کر کے گزر گیا (مذہب کا لفظی ترجمہ: راہِ سفر)

تمہاری طرح ہم کب ناشکرے ہیں۔ ہم تو عارفانِ خدا کی پیروی کرتے ہیں

سارے خدا پرست اس راہ پر چلے ہیں اور وہ اس لئے چلے کہ اُن کے پاس حقیقت آشنا دل تھا۔

از رہ حق جان بجانان دادگان
خالصاً للہ بود اخلاص ما

عرس و این شمع و چراغ افروختن
عود در مجمر بر آتش سوختن

جمع گشتن دریکے ایوان ہمی
پنج آیت خواندن از قرآن ہمی

نان بنان خواہندگان دادن دگر
مردہ را رحمت فرستادن دگر

گر پی ترویح روح اولیاست
در حقیقت آنہم از بہر خداست

اولیا را گر گرامی داشتیم
نز پئ رومی و شامی داشتیم

از برای آنکہ این آزادگان
اصل ایمانست طرز خاص ما

ہمارا خاص شیوہ ایمان کی اصل بنیاد ہے، ہمارا اخلاص محض اللہ کے لئے ہوتا ہے۔

اگر (دینی بزرگوں کا) عرس منایا جاتا ہے، چراغاں ہوتا ہے، شمعیں روشن کی جاتی ہیں، انگھیٹی میں خوشبو جلاتے ہیں،

ایک مقام پر لوگ جمع ہوتے ہیں، اور قرآن کی پانچ آیتیں پڑتے ہیں، روٹی مانگنے والوں کو روٹی دی جاتی ہے۔

اور اپنے مُردوں کی رُوح کو ثواب پہنچایا جاتا ہے تو یہ سب خدا کے پسندیدہ بندوں کی

رُوحوں کو ثواب پہنچانے کے لئے سہی لیکن در اصل خدا کے لئے (خدا کی راہ میں) کیا جاتا ہے۔

اگر ہم اولیا کو عزیز رکھتے ہیں تو ان کے رومی و شامی ہونے کے سبب نہیں بلکہ وہ اس لئے (عزیز ہیں)

کہ ان آزاد انسانوں نے راہ راست پر چل کر اپنے محبوب پر جان قربان کردی۔

از شهود حق طرازی داشتند
با خدای خویش رازی داشتند

نورِ چشم آفرینش بوده اند
شمع روشن شاز بینش بوده اند

حق پرستانرا بباطل کارنیست
محو لیلیٰ را به محمل کارنیست

گرنه از لیلیٰ بود دیدار جوی
که به محمل آورد دیوانه روی

گرچه با لیلیست حرف از جان زدن
لیک بر محمل لکد نتوان زدن

آن ولی در یاد حق مستغرقست
عین حق گر نیست خود محو حقست

حق بود پیدا نهان دیگرچه ماند
چون ولی رفت ازمیان دیگرچه ماند

وہ مشاہدۂ حق کا طریقہ جانتے تھے،
اور اپنے خدا سے راز و نیاز رکھتے تھے۔

یہ لوگ عالمِ موجودات کی آنکھ کا نور تھے جنھوں نے بصیرت کی شمع روشن کر دی۔

حق کے ماننے والوں کو باطل سے کیا کام! جو لیلیٰ پر مٹا ہوا ہو اُسے محمل سے واسطہ نہیں ہوتا۔

اگر عشق کے دیوانے کو لیلےٰ کے دیدار کی تمنا نہ ہوتی تو وہ محمل کی طرف رُخ نہ کرتا۔

اگرچہ لیلیٰ کے ساتھ اپنی جان کی بات کرنا چاہتا ہے تاہم محمل کو لات نہ مارے گا (کیوں کہ اس کو لیلیٰ سے علاقہ ہے)

خدا کا ولی جو خدا کی یاد میں ڈوبا ہوا ہے وہ بذاتِ خود حق (خدا) نہ سہی، تاہم حق میں محو تو ہے۔

جب ولی ذات حق میں محو ہو اور جو کچھ بھی ظہور میں ہے وہ حق ہے تو اب باقی کیا رہا (سوائے حق کے)؟

خیز تا حق ادب داری نگاه
بی ادب را بردم تیغ ست راه

با ولی آویختی دیوانهٔ
یا بر آتش ریختی پروانهٔ

نیستی عارف که گویم خود مباش
بد مبیں و بد مگوی و بد مباش

بد شمردی رهروان پیش را
رهرو چالاک گفتی خویش را

گر سفر اینست منزلگه کجاست
'لا اله' گفتی و 'الاّ الله' کجاست

هست رسم خاس در هر مرز بوم
خود چه میخواهی زنفی این رسوم

نفی رسم کفر ما هم می کنیم
داد با دانش فراهم می کنیم

اٹھو ، ہوشیار ہو تا کہ ادب کا پاس رہے
بے ادب کا راستہ تلوار کی دھار پر ہوتا ہے

(اللہ کے) ولی سے الجھے ہو، دیوانے ہوئے ہو،
یا پروانے ہو کر آگ پر گرتے ہو؟

تم عارف خدا نہیں ہو کہ تم سے خودی مٹانے کو کہوں (البتہ) بُرا نہ
دیکھو، بُرا نہ کہو، بُرے نہ بنو۔

اگلوں کو تم نے بُرا سمجھا اور خود کو (شریعت کی راہ کا) بڑا ہوشیار
مسافر کہا۔

اگر (تمہارا) سفر یہی ہے تو پھر منزل کہاں ہوگی۔ اللہ کے سوا
سب کی نفی کر چکے تو اللہ کا اثبات کہاں ہے؟

ہر ایک سرزمیں کی رسم ریت ہوتی ہے، ان رسموں کے انکار سے
تمہارا منشا کیا ہے؟

ہم بھی کفر کی رسم سے انکار کرتے ہیں عقل و انصاف کا شیوہ
اختیار کرتے ہیں۔

نفی کفر آئین ارباب صفاست
نفی فیض ای تیره دل رسم کجاست

نفی رسم و ره هوا را می کشد
نفی فیضست اینکه ما را می کشد

ای گرفتار خم و پیچ خیال
نفی بی اثبات نبود جز ضلال

ور تو گوئی 'میکنم اثبات حق'
از چه روئی منکر آیات حق

دانم از انکار انکار آوری
پیچشی در زلف گفتار آوری

منکر اثبات گوئی نیستم
من حریف این دوروئی نیستم

اولیا خاصان شاهی نیستند
یعنی آیات الٰهی نیستند

کفر سے انکار کرنا پاکیزہ لوگوں کا دستور ہے، لیکن اے سیاہ باطن لوگو (یہ تو بتاؤ) فیض سے انکار کرنا کہاں کی رسم ہے؟

ریت رسم کا انکار خواہشِ نفسانی کو مارتا ہے مگر جو فیض پہنچتا ہے اس سے انکار ہم کو مار ڈالتا ہے

خیالات کی بھول بھلیوں میں پھنسنے والے، یہ محض گمراہی ہے کہ انکار تو ہو مگر اس کے ساتھ اقرار نہ ہو۔

اور اگر تم کہو کہ میں حق کا اثبات کرتا ہوں، تو پھر خدا کی نشانیوں (یعنی اولیا) سے انکار کیوں کرتے ہو؟

مجھے معلوم ہے کہ تم انکار سے انکار کرتے ہو اور بیان کی زلف کو (خواہ مخواہ) الجھاتے ہو۔

تم کہتے ہو کہ میں (حق کے) اثبات کا منکر نہیں ہوں، مگر میں اس دوزخی کو نہیں مانتا۔

(اگر تمہارا بیان صحیح ہے تو) اولیاء اللہ خاصانِ خدا نہ ہوئے اور اللہ کی نشانیاں ان سے ظاہر نہیں ہوتیں۔

(تو پھر) نبیوں سے جو معجزے ظاہر ہوئے ، وہ کس کی نشانیاں ہیں اور یہ صفات کس کی ذات کی بدولت پائی جاتی ہیں؟

تم اس سے بھی انکار کرتے ہو اور اُس سے بھی (یعنی اولیا سے) تو پھر حق سے تمہاری کیا مراد ہے (کیونکہ ان اولیا کی ہستی عین ذاتِ حق ہے)

جب تمہارا انکار اس حد کو پہنچا ہوا ہے تو پھر وہ کون سی آیت (نشانی) ہے تو تم نے قبول کی؟

میں نے کوئی بُری بات نہیں کہی اور اگر کہہ دی ہو تو بُرا مت ماننا، ذرا اپنے دل میں سوچو کہ تم نے کس کو بُرا کہا۔

تم تو دین و دنیا کے آقا سے انکار کرتے ہو، جن ہستیوں کو یقین کا مرتبہ حاصل ہے اُن کے منکر ہو۔

دکھے ہوئے دل کے ساتھ، جس میں کینہ نہیں ہے، اگر میں منکروں کا انکار کروں تو کیا حرج ہے!

شعر میں اپنے دل کا دکھ بیان کرنا، بحث چھیڑنا نہیں ہے، میں ایک رند آدمی ہوں، مجھے بحث کرنا نہیں آتا۔

من سبکروحم گران جان نیستم
صد نشان پیداست پنهان نیستم

وین که می گوئی توانا گردگار
چون محمدؐ دیگری آرد بکار

با خداوند دو گیتی آفرین
ممتنع نبود ظهوری این چنین

نغز گفتی نغز تر باید شنفت
آنکه پنداری که هست اندر نهفت

گرچه فخر دودهٔ آدم بُود
هم بقدر خاتمیت کم بُود

صورت آرایش عالم نگر
یک مه ویک مهر ویک خاتم نگر

این که میگویم جوابی بیش نیست
مهر و مه زان جلوه تابی بیش نیست

میں ہلکی پھلکی طبیعت والا، میرے سینے پر بوجھ نہیں رہتا۔ سیکڑوں نشانات ظاہر ہیں، میں کوئی پوشیدہ نہیں ہوں۔

اور یہ جو تم کہتے ہو کہ خدائے قادر چاہے تو محمدؐ کی مثل دوسرا پیدا کردے۔

جس خدا نے دونوں دنیائیں پیدا کی ہیں، اس کی ذات سے یہ ناممکن نہیں کہ وہ محمدؐ کا مثل ظہور میں لے آئے۔

تم نے اچھی بات کہی، اب اس سے اچھی سنو، تم جو سمجھتے ہو کہ عدم میں اُن کا مثل نہاں ہے جو ظہور میں آسکتا ہے۔

اگرچہ وہ (دوسرا محمد) نسلِ انسانی کے لئے فخر ہوگا لیکن پھر بھی اس میں خاتمیّت (خاتم المرسلین ہونے کی صفت) کی کمی رہ جائے گی۔

دیکھ کہ دنیا کی آرائش کس طرح ہے، اس میں ایک سورج ہے، ایک چاند ہے اور ایک ہی خاتم (آخری پیغمبرؐ) ہے۔

جو کچھ میں کہتا ہوں وہ تمہارا جواب ہے۔ مہر و ماہ اس کے جلوہ کی ایک چمک سے زیادہ نہیں ہیں (یعنی جلوہ کی چمک اور بھی ہوسکتی ہے مگر باعتبار واقع کے نہیں ہے)

آنکه مهر و ماه و اختر آفرید
می تواند مهر دیگر آفرید

حق دو مهر از سوی خاور آورد
کور باد آن کو نه باور آورد

قدرت حق بیش ازیں هم بوده است
هرچه اندیشه کم از کم بوده است

لیک در یک عالم از روئ یقین
خود نمی گنجد دو ختم المرسلین

یک جهاں تا هست یک خاتم بس ست
قدرت حق را نه یک عالم بس ست

خواهد از هر ذرّه آرد عالمی
هم بود هر عالمی را خاتمی

هر کجا هنگامۂ عالم بود
رحمة للعالمینی هم بود

جس نے سورج ، چاند اور ستارے بنائے، وہ چاہے تو دوسرا سورج بھی بنا سکتا ہے۔

اگر مشرق کی طرف سے دو سورج نکال دے تو جو اس پر ایمان نہ لائے وہ اندھا ہوگا۔

خدا کی قدرت اس سے بھی زیادہ ہے جتنی تم (اس کی قدرت) سمجھتے ہو، وہ بھی کم سے کم ہے۔

لیکن یقین کی رُو سے یہ بات نہیں مانی جا سکتی کہ ایک ہی دنیا میں دو دو آخری پیغمبر ہوں۔

جب تک ایک دنیا ہے ایک ہی اس کا آخری پیغمبر ہوگا۔ البتہ خدا کی قدرت ایک دنیا پر ختم نہیں ہوگئی۔

وہ چاہے تو ہر ایک ذرّے سے ایک دنیا پیدا کردے اور پھر ہر دنیا کا ایک خاتم المرسلینؐ ہو۔

جہاں کہیں بھی دنیا کی چہل پہل ہوگی وہاں کوئی رحمۃ للعالمینؐ (دنیاؤں کے لئے رحمت) بھی ضرور ہوگا۔

کثرت ابداع عالم خوب تر
یا بیک عالم دو خاتم خوب تر

در یکی عالم دو تا خاتم مجوی
صد هزاران عالم و خاتم بگوی

غالبؔ این اندیشه نپذیرم همی
خورده هم بر خویش می گیرم همی

ایکہ ختم المرسلینش خواندهٔ
دانم ازروی یقینش خواندهٔ

این "الف لامی" کہ استغراق راست
حکم ناطق معنی اطلاق راست

مَبدأ ایجاد هر عالم یکیست
گر دو صد عالم بود خاتم یکیست

خود همی گوئی کہ نورش آولست
از همہ عالم ظهورش آولست

بہتر کیا ہے؟ نئی نئی دنیاؤں کا وجود میں آنا یا ایک دنیا میں دو دو خاتم کا ہونا؟

اس ایک دنیا میں خاتم (آخری پیغمبر) کی امید رکھو، ہاں یہ کہو کہ لاکھوں دنیائیں ہوں اور ان کے اپنے اپنے خاتم ہوں۔

غالبؔ یہ کیا (فضول) بات کہی۔ یہ مجھے قبول نہیں، میں خود اپنی غلطی پکڑتا ہوں۔

یہ جو تم نے (محمدؐ کو) ختم المرسلین کہا تو ظاہر ہے کہ پُورے یقین سے ہی کہا ہوگا۔

یہاں (ختم المرسلین کے لقب میں) الف لام استغراق کا ہے اس کے معنی ہوئے کہ مطلق مرسلین (یعنی جتنے بھی رسولؑ ہو سکتے ہیں وہ اس میں شامل ہیں پس سب کے خاتم آنحضرت ہیں)۔

چوں کہ ہر عالم کا مبدا (پیدا کرنے والا) ایک ہی ہے، اس لئے اگر دو سو عالم بھی ہوں تو اُن کا خاتم ایک ہی ہوگا۔

تم خود کہتے ہو کہ اس (محمدؐ) کا نور اوّل ہے اور اُن کا ظہور سب سے اوّل ہوا۔

اوّلیت را بود شانی تمام
کی بهر فردی پزیرد انقسام

جوهرِ کُل برتنابد تثنیه
در محمدؐ ره نیابد تثنیه

تا نورزی اندر امکان ریو رنگ
حیّز امکان بود بر مثل تنگ

میم امکان اندر احمدؐ منزویست
چون ز امکان بگزری دانی که چیست

صانع عالم چنیں گرد اختیار
کس بعالم مثل نبود زینهار

این نه عجزست اختیارست ای فقیه
خواجه بی همتا بود لاریب فیه

اولیّت کی ایک شان ہے جو اوّل پر تمام ہو جاتی ہے۔ اولیّت منقسم ہوکر متعدد ذاتوں میں نہیں پائی جاتی۔

جوہرِ کل میں دو کے صیغے کی گنجائش نہیں، محمدؐ کی ذات میں دُوئی کا گزر نہیں ہو سکتا۔ (یعنی جس کی ذات کل عالم کی اصل ہے اس کی مثل کہاں ہوسکتی ہے)

جب کہ امکان مثل محمدؐ کے ساتھ مغالطہ آمیز دلیل پیدا نہ کرو اس وقت تک قدرتِ خداوندی کے دائرے میں (محمدؐ کا) مثل نہیں سماسکتا۔

امکا ن کا میم احمدؐ میں چھپا ہوا ہے اگر امکان کو ساقط کردو تو جان لو کہ کیا رہا (یعنی احمد سے میم گرایا تو احد رہا۔ اور ذاتِ احد کی مثل محال ہے۔)

دنیا کے پیدا کرنے والے کی مرضی یہی تھی کہ دنیا میں محمدؐ کے مثل ہرگز نہ ہونے پائے۔

اے عالمِ دین، یہ قدرت خدا کی بے بسی نہیں بلکہ اختیار ہے۔ رسولؐ بے مثال ہیں اور رہیں گے اس میں کوئی شک نہیں (یعنی خدا مثلِ محمدؐ پیدا کرنے سے عاجز نہیں ہے بلکہ ارادۃً ایسا کیا کہ اُن کی مثال محال رہے)

هر کرا با سایہ نہ پسندد خدا
ہمچو اوئی نقش کی بندد خدا

ہم گہر مہر منیرش چون بُود
سایہ چون نبود نظیرش چون بود

منفرد اندر کمال ذاتیست
لا جرم مثلش محال ذاتیست

زین عقیدت بر نگردم والسلام
نامہ را درمی نوردم والسلام

خدا نے جس ہستی کا سایہ تک نہ بنایا ہو اس کا مثال کیسے بنادے گا؟

روشن سورج بھی اُن کی اصل میں موجود نہیں، جس وجود کا سایہ نہ پڑتا ہو اُس کا ثانی کیسے ہوسکتا ہے؟

رسول اپنی ذاتی صفات میں یکتا ہیں (اس لئے) ان کا مثال ہونا قطعی ناممکن ہے۔

میں اس عقیدے سے منہ نہیں پھیر سکتا، اب تحریر تمام کرتا ہوں، والسلام!

رباعیات وقطعات نعتیه

رباعی

شب چست سویدای دل اهل کمال
سرمایه ده حسن بزلف وخط وخال
معراج نبیؐ بشب ازان بود که نیست
وقتی شایسته تر ز شب بهر وصال

قطعه

سه تن ز پیمبران مرسلؑ
گشتند بقرب حق مشرف
عیسیؑ ز صلیب و موسیؑ از طور
ختم الرسلؐ از براق و رفرف

قطعه تهنیت عید

تا بود چار عید در عالم
برتو یارب خجسته باد وهجیر
عید شوال وعید ذوالحجّه
عید بابا شجاع وعید غدیر

اُردو نعتیہ اشعار

اس کی اُمّت میں ہوں میں میرے رہیں کیوں کام بند
واسطے جس شہؑ کے غالبؔ گنبدِ بے در کُھلا

رکھتے ہو تم قدم مری آنکھوں سے کیوں دریغ
رتبہ میں مہر و ماہ سے کمتر نہیں ہوں میں

کرتے ہو مجھ کو منع قدم بوس کس لئے
کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہوں میں

کس واسطے عزیز نہیں جانتے مجھے
لعل و زمرّد زر و گوہر نہیں ہوں میں

(نظم طباطبائی شرح دیوان غالبؔ میں صفحہ ۱۲۵ پر لکھتے ہیں ان تینوں شعروں میں صاحب معراج کی طرف خطاب کیا گیا ہے)

عرش پر تیرے قدم سے ہے دماغِ گردِ راہ
آج تنخواہ شکستن ہے کلاہ جبرئیل کی

غالب کی منقبت

غالبؔ کے فارسی اور اُردو کلام میں منقبتی اشعار بصورت قصیدہ، غزل، مخمس، ترکیب بند، ترجیع بند، مسدس، رباعی، مثنوی، قطعہ اور مفرد اشعار بڑی تعداد میں نظر آتے ہیں۔ غالبؔ کے منقبتی اشعار میں غضب کا جوش ہے۔ ظ۔انصاری کے لفظوں میں ''حضرت علیؑ کا نام زبان پر آجائے تو غالب کی روح جھوم اٹھتی ہے۔'' یادگار غالب میں حالیؔ لکھتے ہیں۔ ''غالبؔ نے تمام عبادات وفرائض میں سے صرف دو چیزیں لے لی تھیں ایک تو حیدوجودی اور دوسرے نبیؐ اور آلِ نبیؐ کی محبت اور اس کو وہ وسیلۂ نجات سمجھتے تھے۔'' مرحوم عندلیبؔ شادانی لکھتے ہیں کہ غالب کے زمانے میں تقریباً ایک درجن شعرا غالبؔ تخلص کرتے تھے لیکن اسد اللہ خاں اسدؔ کے غالبؔ ہونے کا واحد سبب حضرت علیؑ سے اسد اللہ خاں کی عقیدت وشیفتگی ہی تھی۔ حضرت علیؑ سے غالبؔ کی یہ عقیدت بچپن ہی سے تھی چنانچہ پچیس سال کی عمر سے قبل جو دو قصیدے انھوں نے اُردو میں حضرت علیؑ کی شان میں تصنیف کئے اس کے ہر ہر شعر سے خلوص وعقیدت کا پتہ چلتا ہے۔ ہم نے اس مضمون میں غالبؔ کے منقبتی قصاید کو منقبتوں سے اِس لئے الگ نہیں کیا کہ منقبت خود قصیدہ کی ایک قسم ہے جیسا کہ عربی میں نعت کو قصیدۂ نعتیہ کہتے ہیں اُسی طرح منقبت حقیقت میں قصیدہ منقبتی ہے۔ منقبت کے معنی کسی کی توصیف، ثنا یا تعریف کرنا ہے۔ منقبت بزرگان دین کی تعریف اور مدحت کے لئے مختص کی گئی ہے۔ منقبت تقریباً ہر شعری ہیئت میں لکھی جاسکتی ہے۔ یعنی فردیات، قطعات، رباعیات، غزلیات، مخمسات، مسدسات، ترکیب بند، ترجیع بند، قصائد، مثنوعات وغیرہ وغیرہ چنانچہ اِسی لئے غالبؔ کے اُردو اور زیادہ تر فارسی کلام میں ہر صنف سخن میں منقبتی اشعار کی جھلک نظر آتی ہے۔ مشہور واقعہ ہے کہ سلطنت صفویہ کے تاجدار عباس صفوی اور ان کی ملکہ نور کی مدح میں ملک الشعرا ملاّ کاشی نے قصیدہ لکھ کر روانہ کیا تو پادشاہ صفوی نے دونوں قصیدوں کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ اس میں مبالغہ اور غلط بیانی سے کام لیا گیا ہے چنانچہ ہم اس مقام کے حامل نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ محمدؐ وآل محمدؐ کی شان میں قصیدہ منقبت کہا جائے کیوں کہ جو کچھ بھی کہو گے وہ ان کے اعلیٰ مقامات سے نیچے ہی رہے گا اور اس میں ثواب بھی ملے گا اور دربار سے انعام بھی۔ چنانچہ ملاّ کاشی نے پھر ہفت بند کا قصیدہ حضرت علیؑ اور اولادِ علیؑ کی شان میں لکھا جو آج بھی فارسی ادب کا شاہکار سمجھا جاتا ہے اور جس پر صدیوں سے تضمین کر کے منقبتیں لکھی جا رہی ہیں۔

شاید ثوابِ دارین کی خاطر غالبؔ نے اپنے کلام کا ایک بڑا حصّہ عشق محمدؐ وآل محمدؐ سے چھلکتے ہوئے

آبدار اشعار کی تصنیف کے لئے وقف کر دیا اور خصوصاً حضرت علیؑ کی مدح سرائی کو نماز عشق جان کر تمام عمر اسی عبادت میں صرف کر دی۔

غالبؔ ندیم دوست سے آتی ہے بوئے دوست
مشغول حق ہوں بندگی بوترابؑ میں

غالبؔ ہر لحظہ اپنی زندگی کو حضرت علیؑ سے وابستہ کرنا باعث سعادت سمجھتے تھے۔ نثر ہو یا نظم نجی خطوط ہوں یا کتابی تقاریظ اپنے دلی جذبات اور عقیدت کو ظاہر کرنے کے موقع کو کبھی بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔ ہم نے اس کتاب میں غالبؔ عاشق محمدؐ و آل محمدؐ کے زیر عنواں ان کے خطوں میں شامل کچھ نکات نقل کئے ہیں جن کی تکرار یہاں ضروری نہیں۔ ڈاکٹر فاروقی نے بہت سچ کہا ہے کہ ''غالبؔ سے پہلے شاید ہی اُردو کا کوئی شاعر ایسا نکلے جس نے علوی نظریۂ حیات کو اپنا مطمعٔ نظر بنایا ہو اور اس دائرے میں آنے والے خیالات کو اپنی شاعری میں مرکزی حیثیت دی ہو۔''

وہ علوی انسان "Superman" کا تصوّر جو نطشے نے گوئٹے کے فاوست سے لے کر اپنے نظریات میں عروج پر پہنچایا اُسی وقت غالبؔ کی تخلیق میں حضرت علیؑ کی صورت و سیرت میں موجود تھا جس کا عکس غالبؔ کی فارسی کی اُس غزل میں ملتا ہے جیسے علاّمہ اقبالؔ نے جاوید نامہ کی انگوٹھی میں نگینہ کی طرح جڑ دیا ہے۔

بیا کہ قاعدۂ آسماں بگر دانیم   قضا بگردنِ رطل گراں بگردانیم
ز حیدریم من و تو زما عجب بنود   گر آفتاب سوئے خاوراں بگردانیم

آؤ تا کہ آسماں کی گردش کو پلٹ دیں تقدیر جو لکھی جا چکی بدل دیں۔ تو اور میں حیدری ہیں اور یہ ہمارے لئے کوئی تعجب کی بات نہیں اگر ہم نے ڈوبتے سورج کو پلٹا لیا ہو۔

علاّمہ اقبالؔ نے اِسی علوی انسان کے نظریہ کو یوں بیان کیا ہے:

ھر کہ بر افلاک گردو بوترابؑ   بازگر داند ز مشرق آفتاب

جو بھی آسمانوں پر حضرت علیؑ کے مانند حاکمیت حاصل کر لے وہ سورج کو اُس کے راستے سے ہٹا سکتا ہے۔

غالبؔ کہتے ہیں :

ہے دو عالم صید انداز، شہِ دُلدل سوار　　　　یاں خط پرکار ہستی حلقۂ فتراک ہے

غالبؔ کی حضرت علیؑ کے ساتھ بے پایاں عقیدت اور والہانگی کا صحیح اندازہ اُن کی معروف نامکمل مثنوی ''ابرِ گہر بار'' کے مطالعہ سے ہوتا ہے۔ اس مثنوی میں(1098) اشعار ہیں۔ یہ مثنوی غالبؔ نے اپنی جوانی میں لکھی اور لوگ سفر کلکتہ یعنی 1827-1829 کے دوران اس سے واقف ہوئے۔ یہ مثنوی اس لئے نامکمل رہی کہ غالبؔ اس میں غزوات پیغمبرؐ اکرم لکھنا چاہتے تھے لیکن اس کی نوبت نہ آئی۔ اِس مثنوی میں حمد، نعت، مناجات، معراج نامہ، مغنّی نامہ اور حکایت کے ساتھ (120) اشعار پر مشتمل منقبت ہے۔ جس کا ہر شعر غالبؔ کے قلب کی واردات ہے، ہم چند منتخب اشعار کو ترجمے کے ساتھ بغیر کسی مزید تشریح کے یہاں پیش کرتے ہیں۔

لبم در شمار ولی اللٰہیست
دلم راز دار علیؑ اللٰہیست

میرے لبوں پر ہر دم ''ولی اللہ'' ہے (کہ یہ قال ہے) اور میرے دل میں علی الٰہی کا راز ہے (کہ یہ حال ہے)

چو مربوب ایں اسم سامیستم
نشانمند ایں نامِ نامیستم

چونکہ میں اس بلند مرتبہ اسم کا پروردہ ہوں اسی لئے اسی نام کا نشان مجھ پر ہے

بلندم بدانش نہ پستم ہمے
بدیں نام یزداں پرستم ہمے

میں عقل میں بلند ہوں پست نہیں ہوں اس لئے اس نام سے خدا پرستی کرتا ہوں

نیابد اندیشہ جز با علیؑ
ز اسما نہ اندیشم الاعلیؑ

خیال کو راحت اسی کے دم سے ہے اور
کوئی اسم میرے تصور پر حاوی ہے تو یہی علیؑ کا نام ہے

ببزم طرب ہمنوایم علیستؑ
بہ گنج غم اندہ ربایم علیستؑ

خوشی کی محفل ہو تو علیؑ میرے رفیق جاں اور
غم کا گوشہ ہو تو غم ہلکا کرنے والے علیؑ ہیں

بہ تنہائیم راز گوئے باوست
بہ ہنگامہ ام پایہ جوئے باوست

تنہائی میں دل کی بات انھیں سے کہتا ہوں اور
جب معرکہ آرائی ہو تو انھیں سے بلندیٔ مرتبہ چاہتا ہوں

مرا ماہ و مہر و شب و روز اوست
دل و دیدہ را محفل افروز اوست

میرے لئے چاند سورج ، دن رات ، سب کچھ علیؑ ہیں
دل و نگاہ کی رونق انھیں کے دم سے ہے

بہ صحرا بہ دریا براتم از وست
بہ دریا ز طوفاں نجاتم از اوست

خشکی اور تری دونوں جگہ نجات کی راہ دکھانے والے وہی ہیں۔
دریا میں طوفان آجائے تو وہی چھٹکارا دلواتے ہیں

خدا گوہری را کہ جاں خوانمش
ازاں داد تا بَروے افشانمش

خدا نے یہ جوہر جسے جان کہتے ہیں
اسی لئے مجھ کو عطا کیا کہ علیؑ پر قربان کردوں

مرا مایہ گر دل و گر جاں بود
ازو دانم از خود ز یزداں بود

دل و جاں کا جو سرمایہ مجھ کو ملا ہے،
چاہے وہ خدا کی طرف سے ملا ہو، لیکن میں اسے علیؑ کی طرف
سے شمار کرتا ہوں۔

کنم از نبیؐ روئے در بُوتراب
بہ بنگرم جلوۂ آفتاب

نبیؐ کی طرف منہ کرکے میں علیؑ کو دیکھتا ہوں اور
اس چاند میں سورج کا نور دیکھتا ہوں

زیزداں نشاطم بہ حیدرؑ بُود
ز قلزم بجو آب خوشتر بُود

خدا کی طرف سے جو نشاطِ رُوح میسر آتا ہے وہ مجھے حیدر (علیؑ سے ملتا ہے)
جس طرح سمندر کے پانی سے نہر کا پانی زیادہ خوشگوار ہوتا ہے

نبیؐ را پزیرم بہ پیمان او
خدارا پرتسم بہ ایمان او

علیؑ کا عہد نبیؐ سے ہے اور میرا عہد علیؑ سے، اس لئے نبیؐ سے میرا عہد ہوا
میں تو خدا کو بھی یوں مانتا ہوں کہ علیؑ اسے مانتے ہیں

خدایش روانیست هر چند گفت
علیؑ را توانم خداوند گفت

اگرچہ علیؑ کو خدا کہنا جائز نہیں،
تاہم انھیں خداوند (مالک) کہہ سکتا ہوں ، (اور کہتا ہوں)

پس از شاہ کس غیر دستور نیست
خداوند من از خدا دُور نیست

بادشاہ کے بعد کسی کا مقام آتا ہے تو وزیر کا،
میرے خداوند (اس کے وزیر ہیں اس لئے) خدا سے دور نہیں

پدیدار در خاندانِ نبیؐ
بہ گیتی دراز وَے نشان نبیؐ

نبیؐ کے خاندان میں وہ بہت نمایاں ہیں
اور دُنیا میں نبیؐ کا نشان اُن سے قائم ہے

بیک سلک روشن دہ ویک گہر
نبیؐ را جگر پارہ او را جگر

نُور کی ایک مالا ہے جس میں گیارہ موتی ہیں (علیؑ کے بعد گیارہ امام اور ہیں)
جو نبیؐ کے جگر کے ٹکڑے ہیں اور علیؑ کے جگر ہیں۔

علیؑ راست بعد از نبیؐ جائے او
ہماں حکم کل دارد اجزائے او

نبیؐ کے بعد علیؑ کو اُن کی مسند پہنچتی ہے
اور اُن کے ٹکڑے بھی، 'کُل' کی حیثیت رکھتے ہیں

همانا پس از خاتم المرسلینؐ
بود تا بہ مہدیؑ علیؑ جانشیں

چنانچہ آخری رسولؐ کے بعد (بارھویں امامؑ) مہدی تک علیؑ کی ہی جانشینی (خلافت) چلتی رہتی ہے

نژاد علیؑ با محمدؐ یکسیت
محمدؐ هماں تا محمدؐ یکسیت

علیؑ کی نسل محمدؐ ہے،
اور اسی طرح محمدؐ رسول اللہ سے لے کر (بارھویں امام) محمد تک ایک ہی ہیں۔

در احمدؐ الف نام ایزد بود
ز میم آشکارا محمدؐ بود

احمدؐ کے نام میں الف ایزد (خدا) کا ہے ،اور میم کا حرف محمدؐ کے نام سے آیا ہے۔

الف میم را چوں شوی خواستار
نماند ز احمدؐ بجز هشت و چار

الف اور میم کا گر تو طلب گار ہو (لے لے) تو احمدؐ میں سے صرف 'حد' رہ جاتا ہے جس کے عدد بارہ ہی ہوتے ہیں (اور امام بارہ ہیں)

علیؑ آں ز دوش نبیؐ را فرش
علیؑ آں یدُاللہ را کف کفش

علیؑ وہ ہیں کہ نبیؐ کا کاندھا اُن کی سواری بنا
علیؑ وہ ہیں کہ ان کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہے

بہ سائل ز خواہش فزوں ترشپار
بہ لب تشنۂ جُرعہ کوثر سُپار
مانگنے والے کو وہ اس کی طلب سے بھی زیادہ دیتے ہیں
اگر آدمی ایک گھونٹ کا پیاسا ہو تو اُسے حوضِ کوثر عطا کرتے ہیں

براھیم کوئے سلیماں فرے
مسیحا دمی مصطفےٰؐ گوھرے
پیغمبرؑ ابراہیم کی عادتیں اور پیغمبرؑ سلیمان کی سی شان انھوں نے پائی ہے
مسیحا کا (مردوں کو زندہ کرنے والا) نفس (پھونک ، سانس) اور
محمدؐ مصطفےٰ کا اصل جوہر اُن کو ملا ہے

زشش سو بسویش نگاہ ھمہ
ولادت گھش قبلہ گاہ ھمہ
چھوں (۶) سمتوں سے سب کی نگاہیں اُن کی جانب اٹھتی ہیں اور
اُن کی جائے پیدائش (کعبہ) سب کی قبلہ گاہ ہے۔

کسانی کہ اندازہ پیش آورند
سخنہا ز آئین و کیش آورند
وہ لوگ جو ناپ تول کے عادی ہیں،
مذہب اور عقیدے کی بحث چھیڑ دیتے ہیں

بنا دانی از شورِ گفتارِ من
سگالند زانگونہ ھنجارِ من
میرے بیان کے جوش و خروش کو دیکھ کر
اپنی نا سمجھی کی وجہ سے میرے خیالات کے متعلق

کہ آرایش گفتگو کردہ ام
بحیدرؓ ستائی غلو کردہ ام

یہ نتیجہ نکال لیتے ہیں کہ ہو نہ ہو میں نے زیب داستاں سے کام لیا ہے اور علیؑ کی مدح میں مبالغے کی حد سے گذر گیا ہوں

مرا خود دل از غصّہ بیتاب باد
ز شرم تنک مائیگی آب باد

خود میرا دل غم و غصّہ کے مارے بے چین ہے اور اس شرم سے کہ حوصلہ پورا نہیں ہوتا ، پانی پانی ہو جائے

بہ رَدّ قبولِ کسانم چہ کار
علیؓ بایدم با جھانم چہ کار

مجھے لوگوں کی پسند اور نا پسند سے کیا مطلب، دنیا سے غرض نہیں ، مجھے غرض تو علیؑ سے ہے

در اندیشہ پنھاں و پیدا علیستؓ
سخن کز علیؓ می کنم با علیستؓ

خیال میں ظاہر و باطن علیؑ ہی علیؑ ہیں علیؑ کے متعلق جو کچھ میں کہتا ہوں ، اس کے مخاطب بھی علیؑ ہیں

مرا ناسزا گفتن آئیں مباد
لبِ من رگ ساز نفریں مباد

کسی کو برا کہنا (تبرّا کرنا) میرا شیوہ نہ ہو میرے ہونٹوں پر نفرت کی راگنی نہ آئے

جوانی بریں در بسر کردہ ام
شبے در خیالش سحر کردہ ام

علیؑ کے آستانے پر میں نے اپنی جوانی گذاری اور
ان کے تصور میں (جوانی کی) رات کاٹ دی

کنونم کہ وقت گزشتن رسید
زمانِ بحق باز گشتن رسید

اور اب جب کہ چلنے کا وقت آگیا اور
خدا کی طرف واپسی کا زمانہ قریب ہے

بود گرچہ ثابت کہ چوں جان دہم
علیؑ گویم و جاں بیزداں دہم

اگرچہ یہ بات طے ہے کہ جب میں جان دوں گا تو
علیؑ کا نام میری زبان پر ہوگا

بہ ھند و عراق و بہ گلزار و دشت
بہ سوئے علیؑ باشدم باز گشت

ہندوستان ہو ، عراق ہو ، باغ ہو یا جنگل
چاہے جہاں زندگی تمام ہو ، میری روح علیؑ کی طرف ہی جائے گی

خوشا عرفیؔ و گوھر افشاندنش
باندازِ دعوئے پر افشاندنش

شاعر عرفیؔ اور اس کی گوہر فشانی کے کیا کہنے کہ
جو دعوا کیا تھا ، اس کے مطابق پرواز کرکے دکھادی

تن مُردہ چون رہ بمژگاں رَود
اگر زندہ خواھد خود آساں رَود

جب مُردہ اپنی پلکوں سے راہ طے کر کے جا سکتا ہے تو، زندہ تو آسانی سے جا سکتا ہے (اشارہ عرفیؔ کے اس شعر کی طرف :

ز کاوش مژہ از گور تا نجف بروم
اگر بہ ہند ہلاکم کنی و گر بہ تتار)

زدل گریہ اندوہ رشکم برد
نہ مژگاں مگر سیل اشکم برد

آنسو دل سے وہ غم بہا لے جائیں گے جو (عرفیؔ کے انجام بخیر پر)
مجھے رشک کے مارے ہوتا ہے،
مجھے پلکیں تو (نجف تک) نہ پہنچائیں گی البتہ آنسو پہنچا دیں گے

من ایں کار بر خود گرفتم بچشم
بمژگاں گر او رفت رفتم بچشم

میں نے خوشی خوشی یہ کام اپنے ذمّہ لیا ہے
وہ اگر پلکوں سے وہاں تک گیا تو میں آنکھوں سے جاؤں گا

کہ دل خستۂ دھلوی مسکنے
زخاک نجف باشدش مدفنے

اگر یہ دہلی کا دل شکستہ باشندہ
نجف کی مٹی میں مل جائے

خـدایـا بـدیـں آرزویـم رسـاں
ز اشک مـن آبـے بـجـویـم رسـاں

اے خدا میری یہ آرزو پوری کردے،
یہ جو آنسو بہا رہا ہوں، اُن کی موج میری نہر میں رواں کردے
(یعنی میری مراد برلا)

ز غـالـبؔ نشـان جـز بـراں در مبـاد
چـنیں بـاد فـرجـام و دیگـر مبـاد

غالبؔ کا نشان علیؑ کے آستانے پر ہی ہو،
اس کے سوا کہیں نہ ہو ، غالبؔ کا انجام اب یہی ہو ، اس کے
علاوہ کوئی اور انجام نہ ہو۔

غالبؔ نے اپنی نعت اور منقبت کی تخلیق کے ذیل میں کہا تھا

از غالبؔ دل خستہ مجو منقبت و نعت
دریاب بخون جگر آغشتہ فغاں را

یعنی اگر غالبؔ کی نعت اور منقبت کا جائزہ لوگے تو تمھیں خون جگر سے تر دل کی آواز ملے گی۔
یقیناً غالبؔ کی نعتیں اور منقبتیں دل کی گہرائیوں سے نکلے ہوئے نالے ہیں جن کی لئے خون میں آغشتہ اور جن کا اثر نشتر سے زیادہ تیز ہے۔

بھرا ہے غالبؔ دل خستہ کے کلام میں درد
غلط نہیں ہے کہ خونیں نوا کہیں اس کو

دردِ دل در نظم گفتن نیست بحث
من کہ رندم شیوہ من نیست بحث

برصغیر کی منقبتوں میں ساقی ناموں کی بہار گلہائے عقیدت کو تروتازگی دیتی ہے۔ غالبؔ نے ساقی ناموں کے مضامین کو نئے طرز سے پیش کیا ہے جس کی آئندہ آنے والے تخلیقی اذہان نے تقلید کی اور یہ فارسی رسم وراہ اب خالصتاً اُردو مزاج کے مطابق ہوگئی۔

مانع بادہ کشی نادان ہے لیکن اسدؔ
بے ولائے ساقی کوثر کشیدن منع ہے

خرابات جنوں میں ہے اسدؔ وقت قدح نوشی
بعشق ساقی کوثر بہار بادہ پیمائی

بہت سہی غم گیتی شراب کم کیا ہے
غلام ساقی کوثر ہوں مجھ کو غم کیا ہے

کل کے لے کر آج نہ خسّت شراب میں
یہ سوئے ظن ہے ساقی کوثر کے باب میں

غالبؔ کے قصیدوں اور طولانی نظموں کے علاوہ اُردو غزلیات اور فردیات میں اور بعض خطوں میں ولائے علیؑ کی خوشبو سے معطر دل کی گہرائی سے نکلے ہوئے اشعار جو معنیٰ آفرینی اور گیرائی مطالب سے مزیّن ہیں جگہ جگہ محراب عشق کے نقش ونگار کی طرح نظر آتے ہیں۔

جس جگہ ہو مسند آرا جانشین مصطفیؐ
اُس جگہ تخت سلیماں نقشِ پائے مور ہے

غالبؔ ہے رتبہ فہم تصوّر سے کچھ پرے
ہے عجز بندگی کہ علیؑ کو خدا کہوں

خدا کے بعد نبیؐ اور نبیؐ کے بعد امامؑ
یہی ہے مذہب حق والسلام والاکرام

میں قائل خدا و نبیؐ و امام ہوں
بندہ خداکا اور علیؑ کا غلام ہوں

منصور فرقہ علیؑ اللہیاں منم آوازہ ای انا اسداللہ افگنم

غالبؔ نام آورم نام و نشانم مپرس ھم اسداللھیم وھم اسداللھیم

غالبؔ ز ھندوستاں بگوریز فرصت مفت تست
در نجف مردن خوشست و در صفاہاں زیستن

آھی بعشق فاتح خیبر کنیم طرح در گنبد سپہر مگر در کنیم طرح

غالبؔ کی زندگی میں سکون محال تھا۔غم دوراں نے زندگی کو ابال جان بنا رکھا تھا۔غالبؔ بھی آخر انسان تھے مشکلات کا تمام زندگی مقابلہ کرتے تھے۔ نابغۂ روزگار اور عظیم ترین ذہانت اور تخلیقی ذہن رکھنے کے باوجود جب مشکلات زمانہ سے جی گھبراتا فوراً علیؑ کے نام کا ورد کر کے دل کو سکون بخشتے۔

کیا غم ہے اس کو جس کا علیؑ سا امام ہے
اتنا بھی اے فلک زدہ کیوں بدحواس ہے

کثرت اندوہ سے حیراں و مضطر ہے اسدؔ
یا علیؑ وقت عنایات و دم تائید است

ناتوانی سے نہیں سردر گریبانی اسدؔ
ہوں سراپا یک خم تسلیم جو مولاؑ کرے

اے اسدؔ مایوس مت ہو از در شاہِ نجف
صاحب دلہا وکیل حضرت اللہ ہے

اُردو میں غالبؔ کے دو کلاسیک قصیدے حضرت علیؓ کی شان میں موجود ہیں جو مکمل اور ضروری تشریح کے ساتھ اس کتاب کا جزو ہیں۔ اس مضمون کی طوالت کا لحاظ کرتے ہوئے ہم صرف مطلع، مقطع اور نمونتاً چند اشعار بغیر کسی تشریح کے پیش کریں کہ تاکہ ہر کس اپنی ہمّت اور قدرت کے اعتبار پر ان کا مطالعہ کر سکے۔

ایک قصیدہ جس میں غالبؔ کا جوش عقیدت مینائے عشق سے اُبل رہا ہے جس کو قصیدۂ حیدری کہتے ہیں جو قصیدہ گوئی میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے اس کا مطلع ہے۔

ساز یک ذرّہ نہیں فیض چمن سے بے کار
سایۂ لالۂ بے داغ سویدائے بہار

اس قصیدے میں (110) اشعار ہیں۔ چند اشعار نمونتاً یہاں پیش کیے گئے ہیں۔

مشقِ نقش قدم نسخۂ آب حیوان
جادہ دشت نجف عمر خضر کا طومار

موج طوفان غضب چشمۂ مۓ چرخ حباب
ذوالفقار شہ مرداں خط قدرت آثار

دشت تسخیر ہو گر گرد خرام دلدل
نعل در آتش ھر ذرّہ ہے تیغ کہسار

مدح میں تیری نہاں زمزمۂ ذات نبیؐ
جام سے تیرے عیاں بادۂ جوشِ اسرار

دوسرا قصیدہ جس میں (67) اشعار ہیں اس کا مطلع ہے۔

دہر جز جلوے یکتائی معشوق نہیں
ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خود بیں

اس قصیدے میں بھی جوش، والہانہ عقیدت اور شیفتگی ہے۔ چند شعر اور مقطع پر سلسلہ تحریر کو آگے بڑھاتے ہیں۔

کس سے ہو سکتی ہے مداحی ممدوح خدا
کس سے ہو سکتی ہے آرائشِ فردوس بریں

جنس بازار معاصی اسداللہ اسدؔ
کہ سوا تیرے کوئی اس کا خریدار نہیں

صَرف اعدا اثرِ شعلۂ دودِ دوزخ
وقف احباب گل و سنبل و فردوس بریں

آخری شعر کا لہجہ صوفیانہ نہیں۔ یہاں تولّا کے ساتھ تبرّا یعنی دشمنوں سے برات بھی ہے۔

☆......☆......☆

غالبؔ کی منقبت امام مھدیؑ

غالبؔ کے فارسی کلام میں ایک منقبت امام مھدیؑ کی شان میں بھی ہے۔ یہ منقبت (77) اشعار پر مشتمل ہے۔ اس منقبت کا عنوان ''منقبت ائمہ اثنی عشر امام مھدی علیہ السلام'' نسخۂ عرشی میں، ''قصیدہ در منقبت دوازدھم امام'' دیوان فارسی غالبؔ مطبوعہ لکھنو میں نظر آتا ہے۔ بقول قاضی عبدالودود صاحب اس کا ایک خطی نسخہ بانکی پور میں ہے جس کا عنوان نعت صاحب الامر امام محمد مھدیؑ ہے۔

اس منقبت کا مطلع یہ ہے

ھست از تمیز گربہ ھما استخواں دھد
آئین دھر نیست کہ کس را زیاں دھد

کانٹ کہتا ہے ''بہت سے اشعار ایسے ہوتے ہیں جن میں آزاد حسن ہوتا ہے وہ پھولوں کی طرح اپنے معنی نہیں بیان کرتے بلکہ اپنی خوشبو سے مشام جان کو مسرور کرتے ہیں اگر ان کے نثر کرنے اور ان کے مطالب کے دریافت کرنے کی کوشش کی جائے تو وہ کوششیں ایسی ہوگی جس طرح کوئی شخص پھولوں کی خوشبو کو پانے کی غرض سے ان کے پتوں کو توڑ کر علیحدہ کرے۔''

یہی حال غالبؔ کی نعتوں اور منقبتوں کے چہروں کا ہے یہاں ہر شعر حُسن معانی سے لبریز ہے جس کو پڑھنے والا محسوس تو کر سکتا ہے کیونکہ یہ خوشبو کی طرح مشام جان کو مسرور کرتے ہیں لیکن تفسیر اور تعبیر کے لئے وہ الفاظ نہیں لاسکتا جو ان خوشبوؤں کو عطر کی طرح قید کرسکیں۔ اس منقبت کے مطلع ہی سے غالبؔ کا لہجہ اور طرزِ بیان ظاہر ہوا جس میں مصرعہ ثانی میں یہ کہہ کر کہ دنیا کا قانون ہے کہ کسی کو نقصان نہ دے وہ مصرعہ اولی کو ایہام اور معنی آفرینی سے بھر دیتے ہیں کہ جس کے کئی معانی میں یہ خیال ابھرتا ہے کہ سر دیکھ کر تاج دیا جاتا ہے۔ غالبؔ نے منقبتوں میں قصیدہ کی طرح مطلع، تشبیب، گریز، مدح اور دعا وغیرہ کا التزام کیا ہے۔ حالیؔ ''یادگار غالبؔ'' میں لکھتے ہیں۔ ''قصاید میں مرزا نے کہیں خاقانیؔ کا تتبع کیا ہے، کہیں سلمانؔ وظہیرؔ کا اور کہیں عرفیؔ ونظیریؔ کا اور ہر ایک منزل کامیابی کے ساتھ طے کی ہے مرزا کی تشبیب بہ نسبت مدح کے نہایت شاندار اور عالی رتبہ ہوتی ہے۔''

امام مھدیؑ سے مخاطب ہو کر غالبؔ اپنی تعلی مدحت کی وجہ سے بنا کر کہتے ہیں۔

چون من بمدح جاہ تو بندم بہ یک دیگر
آن گونہ گوں گھر کہ قلم در بناں دھد
چیند ز گرد و پیش گھر ریزہ ھا ظہیرؔ
کارایش سریر قزل ارسلاں دھد

یعنی تری مدحت کے موتی جو میرے قلم سے نکلتے ہیں اُن کی مالا بناتا ہوں۔ ظہیر میرے اطراف سے یہ جواہرات کے ٹکڑے جمع کرتا ہے اور یہ ہیرے موتی قزل ارسلان کی مسند کی آرائش کرتے ہیں۔

غالبؔ کی منقبت میں ممدوح سے طلب عارفانہ تجلّی کی عکاس ہے یعنی یہاں فقیرانہ روش نہیں بلکہ عاشقانہ مزاج ہے۔

کام دلم کہ پرسشی از شۂ نبود بیش
گر مرزباں نداد امام زماںؑ دھد

سلطانِ دیں محمد مھدیؑ کہ رای او
منشور روشنی بشہ خاوراں دھد

دلی آرزو اور سرور پوچھنے یا طلب کرنے سے پہلے حکمرانوں سے نہیں بلکہ امام زماں مھدؑی سے ملتا ہے کیوں کہ وہ دین کا سلطان امام مھدؑی مشرق کے بادشاہ سورج کو بھی روشنی عطا کرتا ہے۔ غالبؔ کی اس منقبت میں عمدہ مطالب ہجر کی تشبیب میں بیان کیئے گئے ہیں کیونکہ حضرت مھدؑی پردۂ غیب میں ہیں شاعر ان کے ہجر میں بیتاب ہے اور ان کے ظہور کی تمنا کر کے کہتا ہے۔

ذود آ کہ فیض مقدم ھمنام مصطفیؐ
آفاق را طراوت باغ جناں دھد
ذود آ کہ شھسوار نظر گاہ لافتیٰ
پردازش رکاب و طراز عناں دھد

جلد آ اے ہمنام مصطفیؐ اور اپنے قدموں کے فیض سے دنیا کو جنت کی دلکشی عطا کر جلد آ اے (لافتیٰ) کے

نورِ نظر اور میدانِ جنگ میں گھوڑے کی رکاب کو قدموں سے رونق دے کر لگام تھام لے۔

میکائیل آنجلو کا قول ہے کہ مصوّر تصویر ہاتھ سے نہیں بلکہ دماغ سے کھینچتا ہے بلکہ اُسی طرح ایک فطری شاعر شعر قلم سے نہیں بلکہ جذبہ سے بناتا ہے۔ چنانچہ شعر کاغذ پر نمودار ہونے سے پہلے صفحۂ ذہن پر جذبوں کی روشنائی سے روشن ہو جاتا ہے جس کی مثالیں غالبؔ کے اشعار میں قدم بقدم ملتی ہیں۔ غالبؔ کا کمال یہ بھی ہے کہ سہلِ ممتنع میں ادق مضامین کو ایسے بیان کرتے ہیں کہ شعر آبِ زلال کی طرح دل میں اُتر کر تسکین پیدا کر دیتا ہے۔

اس شعر کی کیفیت دیکھئے جو امام مھدؑی کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔

باید ز التفات تو یک جذبۂ قوی

کان جذبہ ام نجات ز بند گراں دھد

تری محبت اور لطف کے طفیل مجھے ایسا طاقتور جذبہ عطا کر کہ وہ بندِ گراں کو توڑ سکے اور مجھے نجات حاصل ہو جائے۔ یہاں معنی بیان نہیں ہو سکتے بلکہ محسوس کئے جا سکتے ہیں اور غالبؔ ہی کی زبان میں یوں تفسیر کئے جا سکتے ہیں۔

واہ رے تقریر کی لذّت کہ جو اُس نے کہا

میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

مولانا شبلی نعمانی شعرالعجم حصہ پنجم میں صوفی شاعر حکیم سنائی کی شاعری پر ریویو کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"حکیم سنائی نے تصوف میں دو مستقل کتابیں لکھیں حدیقہ اور سیر العباد۔ حدیقہ میں تصوف کے اکثر مقامات مثلاً صبر و رضا، توکل، قناعت وغیرہ کے مستقل عنوان قرار دیئے ہیں۔ لیکن تصوف سے پہلے علم کلام کا اثر زیادہ غالب تھا اس لئے شورش انگیز مباحث بھی شامل کر دیئے ہیں مثلاً امیر معاویہ کی لعن و طعن کا بھی ایک عنوان ہے حالانکہ جس دل میں محبت کا گھر ہو اس میں دشمنی کی کہاں گنجائش ہے۔"

بقول شبلی صوفی شعرا کسی کی بدی نہیں چاہتے اس روش پر اگر غالبؔ کی منقبت کے آخری دو شعر دیکھے جائیں تو معلوم ہوگا کہ غالبؔ کے اشعار بھی تصوف برائے شعر گفتن کے زمرے میں ہونگے۔ یہاں غالبؔ کہتے ہیں۔ اے امام مھدؑی آپ کی ولا کی نسیم سے گلشنِ زندگی میں بہار قائم رہے اور آپ کے دشمنوں کے پیروں کے نیچے ہمیشہ آگ رہے جب تک کہ آتش فشانوں سے دھواں نکلتا رہے۔

بادا نسیم باغ ولای تو عطر بیز

تا نو بہار تازگیٔ بوستاں دہد

بادا گلیم بخت عدوی تو شعلہ خیز

تا در زمانہ دود ز آتش نشاں دہد

☆......☆......☆

غالبؔ عزادارِ امام حسینؑ

یوں تو کہنے کو غالبؔ نے امام حسینؑ کی شان میں دو منقبتیں اور ایک قصیدہ ضریحیہ، فارسی میں اور ایک سلام اور ایک ناتمام مرثیہ اُردو میں لکھا ہے لیکن در حقیقت یہ تمام نظمیں مضامین اور مطالب کی نوعیت سے مرثیہ ہی معلوم ہوتی ہیں۔ پہلی فارسی منقبت جس کا مطلع ہے۔

مگر مرا دل کافر بود شب میلاد
کہ ظلمتش دھد از گور اھلِ عصیان یاد

یہ منقبت (112) اشعار پر مشتمل ہے جس میں مدحیہ، مناجاتی اور رثائی اشعار ہیں۔

دوسری فارسی منقبت جو (63) اشعار پر مبنی ہے اس کا مطلع ہے۔

ابر اشکبار و ما خجل از نا گریستن
دارد تفاوت آب شدن تا گریستن

یہ منقبت دراصل نئے انداز کا مرثیہ ہے۔

تیسری منقبت جس کو قصیدہ ضریحیہ کہا گیا ہے باسٹھ (62) شعروں کی نظم ہے جس میں کربلا سے لکھنؤ میں ضریح کی آمد کا ذکر ہے۔ قیصر التواریخ میں ضریح کی آمد شعبان 1270 ھجری مطابق مئی 1854ء بتائی گئی ہے۔

غالبؔ کا اُردو مرثیہ جو صرف مسدس کے تین بند یعنی کُل (9) نو اشعار پر ملتا ہے خود اپنی جگہ ایک کامل دستاویز عزا مانا گیا ہے اس کے علاوہ غالبؔ کا ایک اُردو میں بالکل نئی طرز کا سلام ہے جس میں (20) اشعار ہیں۔ مرثیہ کا مطلع ہے۔

ہاں اے نفسِ بادِ سحر شعلہ فشاں ہو
اے ماتمیانِ شہِؑ مظلوم کہاں ہو

سلام کا مطلع یہ ہے

سلام اُسے کہ اگر بادشاہ کہیں اس کو
تو پھر کہیں کہ کچھ اس کے سوا کہیں اس کو

اُردو ادب میں مرثیہ مسدّس میں کہنے کا رواج ہے اور کلاسیک مرثیے میں چہرے سے لے کر بین تک

مختلف اجزا ہوتے ہیں لیکن فارسی میں اس طریقہ کا مرثیہ مفقود ہے۔ فارسی میں قدیم اُردو مرثیہ کی طرح مرثیہ ہر ہیّت میں رقم کیا جاتا ہے چنانچہ یہاں غالبؔ نے اگرچہ مدحت کا عنوان دیا لیکن چہرے یا تشبیب سے گریز کرتے ہی رثائی مطالب میں کھو گئے جو ایک فطری امر تھا۔ اس مختصر مضمون میں ہم ان نکات پر سطحی روشنی ڈالیں گے۔

غالبؔ اپنی پہلی منقبت میں کہتے ہیں۔

غـزل سـرایـم و در مهـر پیچـم از انـدوه

تـرانـه سـنجـم و بـرخیزم از سـر فـریـاد

یعنی میں اگرچہ میں غزل سرائی کررہا ہوں لیکن میں دردوغم سے تڑپ رہا ہوں میرے نغموں سے فریاد بلند ہورہی ہے۔ امام حسینؑ کی مدح کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

ستـم رسـیـده امـامـا بـخـون طـپیـده سـرا

کـه کـربلا ز تـو گـردیده قبلـه گـاه بلاد

اے ستم زدہ امامؑ آپ اپنے خون میں غلطاں ہوئے آپ کی وجہ سے کربلا شہروں کا قبلہ گاہ بن گیا ہے۔

زهـے بـرتبـه مـلـقـب بسید الشهداؑ

زهـے بـه نطفـه مـوشح بـه سید السجـادؑ

ز نقش پـای تـو محراب سازی اقطاب

ز گـرد راه تـو، سـجـاده بـافي اوتـاد

چـراغ بـزم عـزای تـو دودهٔ خـونبـار

نشـان مـحـو ولای، تـو خـاطـر نـاشـاد

آپ کو سید الشہداؑ کا لقب ملا آپ کے فرزند کو سید السجادؑ کہا گیا۔ مذہبی سرداروں نے ترے نقشِ پا سے محراب سجدہ گاہ بنائی اور برگزیدہ شخصیتوں نے تیری گردِ راہ سے مصلّے بنالئے۔ تری بزمِ عزا کا چراغ خون کے آنسو بہاتا ہے اور تری محبت دلوں کو سکون اور سرور عطا کرتی ہے۔

بـرهبـری کـه گـدایـان کوئـی غفلـت را

ز نـور شـرع چـراغـی بـرهـگـزار نهـاد

تو نے گمراہوں کو راستہ دکھانے کے لئے روشن چراغ رکھے ہیں۔

غمت اگر ھمہ مرگست من بدان زندہ
ولایت ار ھمہ در دست من بدان دلشاد

میرے آقا میں تیرے غم کی دولت سے زندہ اور تیری محبت سے خوش اور دل شاد ہوں۔

اس منقبت کے مقطع میں کہتے ہیں میرے آقا جب روزِ محشر اپنے غلاموں کو جمع کریں تو غالبؔ آوارہ کہاں ہے آپ کی زبان پر ہو یعنی روزِ محشر مجھے یاد فرمایئے۔

کہ چون بحشر غلامان خویش بشماری
کجاست غالبؔ آوارہ؟ بر زبانت باد

غالبؔ کی دوسری منقبت کی ردیف ''گریستن'' یعنی رونا یا گریہ کرنا ہے اس مشکل اور تنگ ردیف میں یہ غالبؔ کی معجز بیانی نہیں تو کیا ہے کہ (63) ترسٹھ اشعار میں غضب کی وسعت اور معنی آفرینی دکھائی ہے۔ مطلع کے قافیہ ''نا'' اور ''تا'' کے ساتھ معنی کا دفتر کھولا ہے۔

ابر اشکبار و ما خجل از نا گریستن
دارد تفاوت آب شدن تا گریستن

ابر تو رو رہا ہے اور ہم کیونکہ نہیں رو رہے ہیں اس لئے شرمندہ ہیں اور اسی شرم سے پگھل رہے ہیں اور پگھلنے اور رونے میں بہت فرق ہے۔

غالبؔ لکھتے ہیں ہم کو خلق ہی امام حسینؑ پر رونے کے لئے کیا گیا ہے۔

مارا بمسلک اثر خامۂ قضا
در سرنوشت بود مهیا گریستن

کہتے ہیں صرف معاش کے لئے دوڑنا کفر ہے اور غم دوراں میں گریہ کرنا ننگ و عار ہے۔

کفرست کفر درپی روزی شتافتن
ننگست ننگ در غم دنیا گریستن
رشک آیدم به ابر که در حد وسع اوست
بر خاک کربلاے معلیٰ گریستن

مجھے برستے ہوئے ابر پر رشک آ رہا ہے جو کربلا کی خاک پر برس رہا ہے۔

مزد شفاعت و صلۂ صبر و خون بہا
چیزی ز کس نخواستہ الا گریستن
اے آنکہ در حرم حجرالاسود از غمت
دارد بخود نہان چو سویدا گریستن

حضرت فاطمہؑ نے شفاعت کا اجر اور صلہ، ناحق خون کا خوں بہا کچھ نہیں چاہا مگر صرف حسینؑ کی مصیبت پر اشک بہانا۔ دیکھو کعبہ میں حجر اسود حسینؑ کے غم میں اپنے دل پر کالا دھبہ رکھ لیا ہے جو گریہ کرتا ہے۔

ہر کس بچشم بسکہ پزیرفت ایں برات
قسمت نیافت بر ہمہ اعضا گریستن
غالبؔ منم کہ چون بطراز ثنای شاہؑ
سنجم ز غصہ در دم انشا گریستن
گویند قدسیان کہ ورق را نگاہدار
از تو گہر فشاندن و اس ما گریستن

علامہ اقبالؔ غالبؔ سے بہت متاثر تھے انھوں نے بھی غمِ حسینؑ میں رونا اپنا شعار بنایا۔

رونے والا ہوں شہیدِ کربلا کے غم میں میں
کیا دُر مقصد نہ دیں گے شافعِ محشر مجھے

غالبؔ کہتے ہیں جس کسی نے اپنی آنکھ سے حسینؑ کے غم میں رونے کا کام لیا اُس کے تمام دوسرے اعضا رونے سے نجات پا گئے یعنی تکلیف و آلام اور درد و بیماریوں سے بچ گئے۔ غالبؔ جب شاہ شہداں کی ثنا لکھتا ہے تو اس درد و مصیبت سے لکھتے وقت رونے لگتا ہے اور آنسو کاغذ پر موتی بن کر گرتے ہیں اور میرے اشعار سُن کر قدسی کہتے ہیں تم موتی لٹا رہے ہو کاغذ پر اسے سنبھال کر رکھو اور ہم رو رہے ہیں تمہارے اشعار سُن کر۔

تیسری منقبت جس میں ضریح کی کربلا سے لکھنؤ تک آمد کا ذکر ہے اور منقبت کے چہرے میں امام زین العابدینؑ کا اسیروں کے ساتھ کربلا سے سفر اور بے کفن جنازوں کی غم انگیز مرقع کشی ہے اُردو مرثیوں کے شہادت اور بین کے شعروں کی یاد تازہ کر دیتی ہے۔ غالبؔ امام سجادؑ جو قافلہ سالار ہیں اُن کو مخاطب کر کے کہتے ہیں۔

کیا تم دیکھ رہے ہو کہ عباسؑ غازی سو رہے ہیں نہ بازو میں مشک ہے اور نہ ان کی کمان میں تیر۔

تھکے ہوئے نوشا حضرت قاسمؑ جو ناشاد خاک پر پڑے ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ ظالموں کے ظلم سے علی اکبرؑ جیسا جوان مر گیا اور اس کی جوانی خاک میں مل گئی۔ کیا تمہارے دل میں طاقت ہے دیکھنے کی کہ معصوم علی اصغرؑ کا بدن خون سے بھرا ہوا ہے اور تم نے اپنا کلیجہ دانتوں میں دبایا ہوگا جب حسینؑ ابن علیؑ کو شہیدوں کے جنازوں کے درمیاں دیکھا ہوگا۔

اس مرثیہ نما نظم میں مجتہد سید محمد کا ذکر خیر اور شاہ واجد علی شاہ کی تعریف بھی ہے اور زیارت اور ضریح کے استقبال کے لئے لکھنؤ کی عوام کا ذکر بھی ملتا ہے۔

محیط داد و دین سید محمد کز فره مندی

مر او را در جهان آگهی صاحبقران بینی

سفالی بینی از ریحان فردوس برین کاینک

بباغ جم حشم واجد علیشاهش مکان بینی

ضیای زان زیارت گاه بر روی زمین بارد

که خاک لکهنؤ را مردم چشم جهان بینی

بر انگیزد قیامت مردگان را این قیامت بین

که از فیض ورودش در تن هر ذره جان بینی

جز آن بیدست و پا کز خاک نتواند که برخیزد

باستقبال تازان اهل شهر از هر کران بینی

غالبؔ کے اُردو مرثیہ اور سلام پر ہم نے علیحدہ مضمون میں گفتگو کی ہے اس لئے یہاں اس کی تکرار سے اجتناب کرتے ہیں۔ اس مضمون کو ہم غالبؔ کے دو اشعار پر ختم کرتے ہیں۔

بزم ترا شمع و گل خستگیٔ بوترابؑ

ساز ترا زیر و بم واقعۂ کربلا

گفتمش باز گو طریق حیات

گفت غالبؔ بکربلا رفتن

یعنی اُس سے میں نے زندہ جاوید رہنے کا راز پوچھا تو اُس نے کہا: غالبؔ کربلا جاؤ۔

غالبؔ عاشقِ حضرت عباسؑ

غالبؔ کی پچاس (50) اشعار پر مشتمل منقبت جو حضرت عباسؑ کی شان میں ہے خاص جذبۂ آہنگ سے چھلک رہی ہے جس کا راز غالبؔ کی حضرت عباسؑ سے بچپن سے خاص نسبت ومحبت ہے جس کا اقرار انھوں نے منقبت میں کیا ہے۔

از کودکیم درس ولای تو روانست
دانی خود ازیں بیش که گفتم بتو کم است

بچپن سے میری جان میں تری ولا رچی ہوئی ہے اور تو خود جانتا ہے جتنی مدح میں نے کی ہے کم ہے۔
عشق کا تقاضہ ہے کہ دل میں خاص ذوق اور شورش پیدا کرے چنانچہ جب دل میں تڑپ پیدا ہوتی ہے تو زبان سے خود بہ خود پرجوش الفاظ نکلتے ہیں جیسا کہ حضرت عباسؑ کی منقبت میں غالبؔ نے مطلع میں کہا ہے

آوارۂ غربت نتواں دید صنم را
خواهم که دگر بت کده سازند حرام را
سهلست که عشاق ز بیداد ننالند
زیں قوم محبت طلبد ذوق ستم را

حضرت عباسؑ لشکر حسینؑ کے عملدار ہیں۔ باوفا ہیں۔ دریا پر قبضہ کر کے پانی چلو میں بھر کر پھینک دیا اور پانی سے اپنے ہونٹ بھی تر نہ کیئے کیونکہ ان کے آقا حسینؑ پیاسے تھے۔

؎ روهمت از آں تشنه جگر جوی که از مهر
بر تشنگی شاهؑ فدا ساخته دم را
عباسؑ علمدار که فرجام شکوهش
بازیچهٔ طفلاں شمرد شوکت جم را
آں شیر قوی پنجه که گردیده ز بیمش
دائر تب دیگر تب شیران اجم را

حضرت عباسؑ کی ہمت اور محبت دیکھو کہ امام حسینؑ کی پیاس پر پیاسے رہ کر اپنی زندگی فنا کر دی۔ وہ

عباسؑ جو لشکر حسینیؑ کے علمدار ہیں اور جن کی شکوہ اور عظمت کے سامنے جم شہنشاہ کی حکومت بچوں کے کھیل کے مانند معمولی ہے۔ عباسؑ وہ قوی پنجہ شیر ہیں جن سے عجم کے شیر ہراساں ہیں۔ آپ کا روضہ امام حسینؑ کے قریب ہے کیوں کہ یہ دونوں موتی یعنی حسینؑ اور عباسؑ اگرچہ دو طرف یعنی (دو ماں) سے ہیں لیکن ایک ہی صلب (حضرت علیؑ) سے ہیں چنانچہ ان میں جدائی کا امکان نہیں جس طرح سیپی کی جدائی موتی اور سمندر سے ممکن نہیں۔

جیسا کہ غالبؔ کا اندازِ بیان ہے وہ ہمیشہ فارسی سخن وروں سے اپنا تقابل کرتے ہیں اور تحسین کے طلب گار ہیں۔ کہتے ہیں۔

کو بلبل شیراز و کجا طوطی آمل
تا پایہ بسنجیم نواسنجیٔ ہم را
لا بلکہ اگر خواہم ازین ہر دو سخنور
تحسین روش کلک دل آشوب رقم را

کہاں ہے بلبل شیراز (حافظؔ) اور کہاں ہے آمل کا طوطی (طالبؔ آملی) جو میرے نغموں کو درک کر سکیں میں ان دونوں عظیم شاعروں سے تحسین و آفرین کا طلب گار رہوں۔

یہ پوری منقبت اس کتاب میں موجود ہے۔ منقبت کا لطف اس کے تمام پڑھنے میں ہے ہم نے یہاں بطور تبرک چند اشعار پیش کیے اور یہ تحریر غالبؔ کے اس شعر پر ختم کرتے ہیں جس کا اشارہ غالبؔ نے اپنے اُردو کلام میں کیا ہے۔

سو سال سے ہے پیشۂ آبا سپاہ گری

آبای مرا تیغ و مرا کلک بسازست
دستیست جداگانہ بھر کار ہمم را

میرے اجداد کو شمشیر اور مجھے قلم سازگار رہے سچ ہے پر ہمّت اور حوصلے کے لئے ایک جداگانہ ہاتھ دستیاب رہتا ہے۔

منقبت اسد الله الغالب علی بن ابی طالب علیه السلام

خواهم که همچو ناله ز دل سر بر آورم
دود از خود و شراره ز آذر بر آورم

چاک افگنم ز ناله، بدین نیلگون پرند
روی عروس فتنه ز چادر بر آورم

نشتر به باسلیق شکایت فرو برم
خون دل از رگ مژهٔ تر بر آورم

مرهم ز داغ تازه بزخمِ جگر نهم
پیکان ز دل بکاوشِ نشتر بر آورم

طومارِ شکوهٔ نفس از دل بدر کشم
برق از نورد بال کبوتر بر آورم

آتش زنم ز آه بدین خیمهٔ کبود
دود از نهاد چرخ ستمگر بر آورم

مانند برگ بید ز اندوه بے بری
با خویشتن درافتم و خنجر بر آورم

آتش بہ ژند و موید برسم درافگنم
گرد از بت و برهمن و بت گر برآورم

پای ادب ز گوشۂ دامن بدر کشم
دستِ تظلمی بر داور بر آورم

جای کہ گم کند نفس از بیم راه لب
افغان ز دل چو دود ز مجمر برآورم

در مکتبی کہ خامہ بدزدد نوا ز خوف
از نقطہ خط و ز آینہ جوهر برآورم

بر منبری کہ زینہ ز پاس نفس بود
هوئی چو سالکانِ قلندر برآورم

ناچار چون خدای بدادم نمی رسد
من نیز کام خویش ز مظهر برآورم

فرمان سرفرازی مشت غبار خویش
از شهسوار دوش پیمبرؐ برآورم

یارب ز یا علیؑ نشناسم قلندرم
یک می ز آبگینۂ و ساغر برآورم

در دل بجستجو همه ایزد در آورم
وز لب بہ گفتگو همه حیدرؑ برآورم

هر شکوه کز فلک بدلست از ره زبان
در بارگاه قاتل عنتر برآورم

دست از جفای گردش گردون بسر زنم
آه از ستیزه کارئ اختر برآورم

مکتوب شکوۂ غم دل بے نهایت ست
از مژدۂ کدام رقم سر برآورم

باشد که جوش دل بخروش آردم که من
حرمی نه گفته قصۂ دیگر برآورم

گویم علیؑ ست آنکه ز فرد عطای او
جویم اقل و یک قلم اکثر برآورم

از سُمِ دلدلش چو غباری شود بلند
یاقوت ریزہ بیزم و گوہر برآورم

در لجۂ خیالش اگر سر فرو برم
ناگاہ چون حباب ز کوثر برآورم

جائیکہ از صیانت عدلش سخن رود
پروانہ را بہ طبع سمندر برآورم

چون سبزہ ہر سری کہ نہم در رہش بخاک
از در ز سقف گنبد اخضر برآورم

در شوق کوش از خس و خاشاک را و خویش
خاقانِ چین بچینم و قیصر برآورم

بر در گہش ز پیچ و خم نقش پای خویش
منشور سرفرازئ سنجر برآورم

ہم درمیان مدح ز اندوہ بیکسی
افسانہ ہائی غیر مکرر برآورم

اندوہ چہرہ دستئ اعدا چو بشمرم
از داغ سینہ قطعۂ محضر بر آورم

بیداد سطوت شرکا گر بیان کنم
آمیزش از طبیعت عنصر بر آورم

تمکین خود بر آتش دل گر نشان دہم
رقص شرر ز طینت اخگر بر آورم

چون التفات شاہ نوید طلب دہد
کونین را متاع محقّر بر آورم

در لابہ کوشیم و چو غلامانِ خُرد سال
صد خواہش محال میسر بر آورم

ہم تیر را بکلبہ قلمزن لقب دہم
ہم زہرہ را بحجرہ نواگر بر آورم

ز استادگان طرف بساطی کہ در کشم
افزون ز صد ہزار سکندر بر آورم

عمامهٔ قضا بسر مشتری نهم
خورشید را برهنه ز خاور برآورم

خلوت بدرس معرفت حق طلب کنم
سلمان برون نشانم و بوذر برآورم

قنبر درین میانه اگر سر گران شود
برخیزم و ستیزه به قنبر برآورم

تا خود اساسِ هستیِ من بر کند علیؑ
خود را فراز قلعهٔ خیبر برآورم

گستاخیم فرو خورد و من بخویشتن
غوغای پایه سنجیِ کیفر برآورم

گریم به های های و زنم سر بسنگ راه
چندانکه مغز سربره اندر برآورم

گردن بزخم ریزهٔ خارا بدست خویش
بشگافم و زبان ز پس سر برآورم

شاها! اگر ز درد ننالم بدین نمط
اندُه چگونه از دلِ مضطر برآورم

چون برق از تپیدنِ جان در کشاکشم
گر دل بود ز سینه به خنجر برآورم

نی پای آنکه از سرِ راحت توان گزشت
نی جای آن که خار ز بستر برآورم

دانی که از ردای تو تاری کشیده ام
از پیرهن اگر تن لاغر برآورم

تاکی درین نورد ز بیداد ناکسان
هر دم نفس ز سینه مکدّر برآورم

آخر نه من ز خیل گدایان درگهم
تاکی نوای گدیه بهر در برآورم

تاکی بعرض درد تغابن برین بساط
روی از تپانچه چون گل احمر برآورم

تا کی بشمع کشتۂ بزمِ مراد خویش
شیون ز بی نیازئ صرصر بر آورم

حیف ست کز تو باشم و از بهرِ وجه رزق
دستِ طمع بہ پیش برادر بر آورم

امروز داد خستگئ من بده کہ من
از سینہ خار حسرت محشر بر آورم

در عرصہ از ھجوم بلا جای آن نماند
کز گرد این سپاہ گران سر بر آورم

ناگاہ مژدۂ ظفرم ده کزان نشاط
عالم بخویش و گرد ز لشکر بر آورم

نتوان باوج جلوہ گہِ مدعا رسید
اما گر از نگاہ تو شهپر بر آورم

وقت دعاست تا نفس مشک ساز دل
چون دود از فتیلۂ عنبر بر آورم

خواهم که نالِ کلک نیابش نگار را
همچون شعاع مهر منور برآورم

داغ غمت بسینۂ غالبؔ ز روشنی
با مهر نیمروز برابر برآورم

رحمی کنم بجانِ بداندیش دولتت
کام دلش ز دشنه و خنجر برآورم

منقبت امیر المومنین علی علیه السلام

دوش آمد و ببوسه لبم بر دهان نهاد
راز دهان خویش بلب درمیان نهاد

وانگه بمنع ریزش راز لب از زبان
مهری ز بوسهٔ دگرم بر زبان نهاد

چون لب ز بوسه گنج گهرهای راز شد
بر گنجِ لب ز تیزیٔ دندان نشان نهاد

زان مشت مشت گل که ببالای هم فشاند
از بیمِ باد رائحه در مغزِ جان نهاد

زان رخ که دمبدم ز کنارم بسینه سود
گوشی بروی دل پیٔ درکِ فغان نهاد

تا دید جز بچاک گریبان ندوخت چشم
تاری درونِ روزنِ سوزن روان نهاد

شد صحن خانه دجلهٔ خون چون فرو فشرد
آن آستین که بر مژهٔ خونفشان نهاد

گستردنی چنانکه تو دانی نبود نرم
بگرفت بالشِ پر و در زیر ران نهاد

نازم به پیش بینی ساقی که هم ز پیش
آورده بود باده و از ما نهان نهاد

چون بود باده تیز روی بر گماشتم
تا رفت و آمد و شکر آورد و خوان نهاد

زان پس که جلوهٔ شفق اندر اياغ دید
زان پس که ریزهٔ شکر اندر دهان نهاد

چشم و لبش نوازش انباز برنتافت
از پیشگه شراب و شکر بر کران نهاد

منظور بود جلوهٔ یکتائی خودش
آئینه را به عنف در آئینه دان نهاد

از بذله در کمین شکار افگنی نشست
تیری ز ترکشِ سخن اندر کمان نهاد

زان گونه گون سخن که بهنجارِ رمز گفت
منت ز نطق بر خرد خرده دان نهاد

گفت اے که در هوای تو رسوا شدم بشهر!
مهر تو بند بر دل نازک گران نهاد

پوشم دگر ز لاله رخان رخ که روزگار
داغِ وفا بناصیۂ ارغوان نهاد

بر ساز این ترانه که آن دلربا سرود
بر رغمِ این سپاس که آن دل ستان نهاد

گفتم که اے نہالِ قد خارزار خوی
گفتم که اے ستاره وش آسمان نهاد

شب تار و خانه خالی و همسایگان بخواب
در ره گزر ز تو که تواند نشان نهاد

گویم دگر بخلق کرا دلنشین شود
کان محو ناز پای برین آستان نهاد

در سرکشی فسانۀ شهری مدار باک
کاین شهره مهر بر لب وهم و گمان نهاد

کینهائی آشکار تو خود پرده دار تست
گر ناز خوان آشتی درنهان نهاد

دستی که چشم خلق ز خونش ندیده پاک
صد ره مهر بر دل پُر خون توان نهاد

گویند تا دلی که ز خنجر زهم درید
گویند تا سری که بنوک سنان نهاد

انگیز این سخن بدل دوست کار کرد
برداشت از طرب دل و بر امتحان نهاد

بعد از هزار لابه که از روے ناز بود
بهر ثنای شه قلم در بنان نهاد

نفس نبیؐ خدای نصیری امام خلق
آن منت عظیم که حق بر جهان نهاد

هنگامہ گرم ساز صف واصلان علیؑ
کز نور علم شمع ببزم عیان نهاد

پروردگار ناطقۂ عارفان علیؑ
کز حرف حق بکام و زبان داستان نهاد

زان پیشتر کہ حسن ز ذوق نمانما
آئینہ در مقابل اعیان عیان نهاد

از خوبی وجود وی ایزد بعلم خویش
گلدستۂ بہ مجمع روحانیان نهاد

آورد حق ز خلوت خاصش بچار سو
تا عامہ را متاع نظر بر دکان نهاد

کوس بلند پایگیٔ جاہ خویشتن
نیز از فروتنیست کہ بر لا مکان نهاد

یزدان کہ راز خویش نبیؐ را بلب سپرد
یزدان کہ سوز خویش علیؑ را بجان نهاد

شمعی ز آتش شجر طور برفروخت
وان را بخلوت 'علی اللهیان' نهاد

ای کز نوازش اثر اسم و رسم تو
نامم زمانه غالبؔ معجز بیان نهاد

گفتار من ز نازش مدح تو باج و ساو
بر قهرمان سنبله و توأمان نهاد

هر چند چون منی نتواند ترا ستود
گویم لطیفۂ کہ توان دل بران نهاد

عنقای قاف قدر تو اوج هوا گرفت
زو ماند بیضۂ کہ درین آشیان نهاد

مردم نبرده راه بجای گمان کند
کایزد اساس چرخ برین خاکدان نهاد

اندیشۂ بلند رو لامکان نورد
چون خواست بام کاخ ترا نردبان نهاد

دیدش همان بجا چو سپهر از فراز کوه
بعد از هزار پایه که بر فرقدان نهاد

در علم خود ز خوی تو حق ساخت گلشنی
جز حق دگر که داند اساسش چسان نهاد

مانا که نامور ملکی اندران مقام
بنیاد نخلبندئ آن بوستان نهاد

هر فضله کان فتاد به پیرایش از نهال
مزدور باغ در سبد باغبان نهاد

چون جنس خانه خیز عزیزست نام آن
فردوس و خلد و جنت و باغ جنان نهاد

بودست عین ثابتهٔ جوی انگبین
کیفیتی کزان لب شکر فشان نهاد

دوزخ شد انچه در دل خصم تو هم بعلم
سوز فراق آن چمن بیخزان نهاد

فریاد رس شہا ! ز سپہرم شکایتیست
کان جز بشاہ خوش نبود درمیان نہاد

با نکہت گلم بہ اثر ہمنفس شمرد
با منشی خودم بہ سخن ہمزبان نہاد

پیدا بکارسازیِ سودم نہاد دل
پنہان بنای کار مرا بر زیان نہاد

بیرونقی ز قحط خریدار چشم داشت
کاین مایہ نرخ گوہر نطقم گران نہاد

از شہرتی کہ مزدِ جگرکاوی منست
بر جان من سپاس ہزار ارمغان نہاد

چرخم مگر ز جملۂ زندانیان گرفت
کاینگ مدار من بدمی آب و نان نہاد

زین بے حیا بپرس کہ ما را کدام روز
مسند فراز تختگہِ خاوران نہاد

زین بینوا بجوی که مارا کدام شب
بالین و بستر از سمن و ارغوان نهاد

بالش ز مخمل ار نبود خشت قحط نیست
باری بود سری که ببالین توان نهاد

دود چراغ در شب و خون جگر بروز
سی سال خوردم و فلکش رایگان نهاد

یاقوت چید گر ز بساطم سفال خواند
ور خود پلاس داد بمن پرنیان نهاد

گر برد رنجی از تن زارم تلف نکرد
وان را ذخیره از پئے روح و روان نهاد

هر کزلک ستم که ز کینم به سینه راند
از تیزیش نشان بسر استخوان نهاد

اندیشه آن خطوط که دارم بر استخوان
نشمرده همشمارۀ ریگ روان نهاد

هر چند بر طبیعت امکان گذاشتم
نگسست بند غم که ز اول گران نهاد

باری بدست و ساعد خیبر کشای خویش
کایزد دران مجال کشادی چنان نهاد

بگسل بزعم من که گمان میکنم که چرخ
این بند استوار گران جاودان نهاد

زندانی اگر طلبد وایهٔ ز شاه
بند از عسس روا نبود بر زبان نهاد

زین رو بود که غالبؔ مسکین به بند چرخ
دل بر عطای پادشه انس و جان نهاد

هان همنشین اگر نگری کاین گهر فروش
گنج سخن بقافیهٔ شایگان نهاد

یاد آر عذر خواهیِ سلمان که گفته است
رسمیست بس قدیم نگوئی فلان نهاد

نازم بہ نطق خویش کہ در شاہراہ مدح
خود مست رفت و بر دگران ترجمان نہاد

چون پایہ سنج مستیٔ خویش ست لا جرم
نام قصیدہ ناطقہ رطل گران نہاد

منقبت امیر المؤمنین علیه السلام

صبحی که در هوای پرستاریِ وثن
جنبد کلید بتکده در دست برهمن

در رُفت و رعب دیر دم گرم راهبان
آرد برون گداختۀ شمع از لگن

خیزند دسته دسته مغان نه شسته روی
در اهتمام چیدن برسم ز نارون

از شور دیریان بگمان خروش صور
اموات را ز رقص بتن بر درد کفن

رخشد ستاره از رخ ناشستۀ صنم
بالد بنفشه از قد خم گشتۀ شمن

بر روی خاک جلوه کند سایه در نظر
بر بوی دوست حلقه زند مرغ در چمن

خواهد چراغ کشته چو شخص بریده سر
خیزد گل شگفته چو رنجور خسته تن

بر جام مل ز دیدۂ شبنم چکد نگاہ
بر روی گل ز طرۂ سنبل دود شکن

غوغای روز پردہ کشاید ز خوب و زشت
آوای کوس خواب رباید ز مرد و زن

برخیزم و شرارۂ آذر بھر دو کف
روبم ز رخت خواب و فشانم ز پیرھن

بر بوی طرۂ کہ شبم بر مشام خورد
بر رہ گزار باد بدم در کشم ختن

از ذوق مژدۂ کہ نگارم بخواب داد
در انبساط وجد بھم برزنم چمن

گرداب خانہ زاد محیط ست لا جرم
گردم بذوق دوست ھمان گرد خویشتن

چون برگ گل ز باد سحرگاھیم زبان
رقصد بنام حیدرؑ کرار در دھن

فیض دم 'انا اسد الله' برآورم
منصور لا ابالی بے دار و بے رسن

ساغر پی صبوح لبالب کنم ز می
چونان کہ لب ز زمزمۂ یا ابوالحسن

شاہ نجف، وصی نبیؐ، مرتضیٰ علیؑ
آن از ائمہ اوّل و ثانی ز پنجتن

ذاتش دلیل قاطع ختم نبوت ست
وقت غروب مہر دمد ماہ بے سخن

مہ والی شب ست و ولیعہد آفتاب
باید بروشنئ مہ از مہر دم زدن

پیغمبر آفتاب و فروغش جمال دین
بعد از نبیؐ امامؑ مہ و پیروان پرن

اے از تو بودہ رونق دین محمدی
رویت سہیل و کعبہ ادیم و عرب یمن

بالیده از تو علم و عمل در پناه دین
ای آبروی خلوت و ای فخر انجمن

جز بر تو و نتائج پاکت ز سروری
نامیست چون خدنگ نگاه و چه ذقن

گر دشمن تو هست توانا شگفت نیست
جانش ز ذوق تیغ تو خون گشته در بدن

از کینه مهربانی و از عجز پردلی
زانگونه شد پدید ز عدل تو در زمن

کز نره شیر بچۀ آهو نخورده رم
الا ز ماده شیر هم از جوشش پهن

در دشت رهرو تو نتوشد مگر رحیق
بر تخت پیرو تو نپوشد مگر خشن

یادت کنند روشنئ خور ز هر نفس
نامت برند حلقۀ پروین شود دهن

سوز غم تو بینم و نازم به بخت خویش
کایزد مرا نسوخت بداغ نسوختن

طبعیست جز بذوق تو نا گشته منبسط
جانیست جز به مهر تو نابوده مرتهن

خواهم ز فرط رشک که در مجمع حواس
مهر ترا بخویش بدزدم ز خویشتن

داغ غلامیٔ تو مرا بر جبین دل
جوش مناقب تو مرا در خیال من

نوریست از بطانهٔ توفیق جلوه گر
بحریست درمیانهٔ ابریق موجزن

مستم بدین طرب که بپروازش خیال
دارم بیاد روی تو خلوت در انجمن

شادم بدین هوس که بمدح تو جاودان
بندم هزار دسته ز نسرین و نسترن

کافور فرّ ایزدیم ده که خویش را
مرهم نهم به خستگیٔ بند اهرمن

گفتی ز می بحشر و نرنجم ازین درنگ
مستی دهد زیاده چو صهبا شود کهن

لیکن ز رهروان بسر این رباط نیز
نتوان دریغ کرد سفالی ز دُرد دن

آنم که تاب غیرت آوای من کشد
از شاخ سدره طائر قدسی بباب زن

کلکم بدان مثابه ز ریزی که بسترد
نقش نگار ارمنی از چشم کوهکن

بر رهگزار قافیه خاص اندریں زمین
نگزاشتم نچیده گلی غیر یاسمن

کوتاهیٔ سخن نبود از ره قصور
دانند اهل فن که منم اوستاد فن

در مدحت تو ذوق فشانم نه باد خوان
دریوزۂ گہر کنم از دل نہ از عدن

دام مرا شکار فراوان بود، ولی
سیمرغ گشت قافیہ بگزشتم از زغن

داری سر غریب نوازی زہی نشاط!
غالبؔ ندیدہ ای کہ غریبست در وطن

منقبت ابوالائمہ مرتضٰی علی علیہ السلام

نازم بہ گران مایگی دل کہ ز سودا
ہر قطرۂ خون یافتہ پرواز سویدا

اجزاے وجودم ز گدازی کہ ز جان یافت
پالود بدان شیوہ کہ دل کشت سراپا

دریاب مذاقم ز کلامم کہ نباشد
مینای مرا پنبہ بغیر از کف صہبا

نال قلم از جوش گداز دل خویشم
سیراب بود ہمچو رگ ابر ز دریا

رخشانئ معنی دمد از پردۂ لفظم
چون شمع ز فانوس و می لعل ز مینا

میراث رسیدست ز خونین نفسانم
داغی شرر اندا و بیانی جگر آلا

یابی تہ خاکستر ہر حرف شراری
آتشکدہ کاواست دمم پارسیان را

آنم کہ بافزایش اندازۂ فطرت
آنم کہ بہ آرایش انداز تماشا

نطقم ز دم انگیختہ از مغز خرد جوش
کلکم ز رقم ریختہ بر صفحہ ثریا

ہین عیسیٰؑ و سامان نوالش نفس گرم
ہان موسیٰؑ و برہان کمالش ید بیضا

چون دشت پر از لالۂ خود روست بساطم
از جادہ نوردان نکنم مزد تقاضا

چون لعل رگ ابر گداز جگر ستم
خونم ہمہ در دامنِ خود می چکد امّا

گوئی مژۂ اشک فشانم کہ سراسر
بر گنج گہر میزنم از نار سراپا

ہر زمزمہ کز کام و زبانم بتراود
جوید ز رہ پردۂ گوشم بدلم جا

چون سیل کہ از بادیہ خیزد ببہاران
مالد بزمین سینہ و گیرد رہ دریا

ہر چند درین عرصہ بہر رنگ کہ خواہی
با نیک و بد دہر بسر میرود امّا

دل می طلبد دوستی و دشمنئ خلق
لب تشنۂ خونند چہ اعدا چہ احبّا

ہشدار کہ مجنون نتوان شد بتکلف
دیوانہ توان گشت و لیکن بمدارا

گر حوصلۂ ہمپائی نمی بود درین راہ
دریا ختمی زہرہ ز تاب و تب غوغا

آزادگی از موج برون برد گلیمم
ورنہ من واین دعوی واین حوصلہ ؟ حاشا!

در جیب رفیقان گل شاداب فشاندم
ہرچند تف تشنگیم سوخت بہ صحرا

دربزم حریفان رگ مهتاب کشودم
گر خود همه گردون نمکم ریخت به صهبا

نفرین نزند سیلی صرصر بچراغم
تحسین ندماند ز رگ ساز من آوا

از بسکه سیه مست میٔ جنبش کلکم
در پردهٔ هر نقش دلم میرود از جا

بیراهه اگر گام زنم خرده مگیرید
در عربده راهم ز درازیست بپهنا

نظارهٔ خوبان و می و نغمه حرامست
دیدیم و شنیدیم، سمعنا و اطعنا!

با این همه هر جا کند آهنگ خرابی
سرگرمیٔ شوقی که بود حوصله فرسا

با نغمهٔ مطرب نتوان شد متعصب
از جلوهٔ ساقی نتوان کرد تبرّا

شوقست کہ چون نشأہ توحید رساند
از دار برد پایۂ منصور ببالا

شوقست کہ فرہاد ازو مردہ بہ سختی
شوقست کہ مجنون شد ازو بادیہ پیما

شوقست کہ مرآت مرا دادہ بہ صیقل
شوقست کزو طوطی طبعم شدہ گویا

شوقست کز اعجاز اثرہاے قبولش
آئینۂ پیدائی حرف ست ورق ہا

قانع بہ سخن نیستم و باک ندارم
نز خویش سپاس ست و نہ از غیر محابا

نظارگیٔ جلوۂ اسرار خیالم
در آئنۂ چشم حسود و دل اعدا

ز آویزش دونان ز سخن باز نمانم
سیلاب مرا زین خس و خاشاک چہ پروا

شوقم همه رازست من و عربده هرگز
سوزم همه سازست من و شکوه مبادا

گر مهر و گر کین همه رعنائی وهم ست
شاد آنکه به نیرنگ نگردید فریبا

اندیشه دو صد گلکده گل برده بدامن
اما همه از نقش و نگار پر عنقا

چون پردۂ شب بار مصور بخیالست
این کارگهِ وهم ز پیدائی اشیا

آن وعظ فقیهانۂ زاهد که نزیبد
بر صفحۂ دین نقش رواجِ غم دنیا

وان نغمۂ مستانۂ رندان که نیرزد
دم سردئ امروز بسرگرمي فردا

آن حسن و دم ناز ز افسونِ ادائی
جان باز دمیدن به تن صورت دیبا

وان عشق و گہ عجز بامید نگاہی
از خویش گزشتن بسر راہ تمنا

گردیدن ہفت اختر و نُہ چرخ بہر سو
زین عربدہ بالیدن آثار بہر جا

گل کردن صد رنگ بہار از جگر خاک
برجستن یکدستہ شرار از رگ خارا

ہنگامۂ ابلیس و نشان دادن گندم
افسانۂ آوارگئ آدمؑ و حوّاؑ

دانستہ شود ہرچہ ز اسرار تعین
سنجیدہ شود ہرچہ ز آثار من و ما

از خامۂ نقاش برون نامدہ ہرگز
ہر نقش کہ بینی ز پس پردہ ہویدا

وحدت ہمہ حدیست معین کہ خود از وی
ہستی ہمہ جزئیست حقیقی کہ مر او را

طرفی نتوان بست بسر گرمئ اوهام
هرگز نتوان کرد پراگنده بر اجزا

آئینه به پیشِ نظر و جلوه فراوان
دل پر هوس و صاحب خلوتکده تنها

پیدا و نهان مشغلۀ حب ظهورست
چون پرده برافتد نه نهانست نه پیدا

مدهوش ره و رسم فنایم خبرم نیست
بیخویش قدح میزنم از خمکدۀ لا

ایمانِ من اے لذت دیدار کجائی
در کام مذاقم بچکان رشحۀ الا

آن رشحه که گوئی ز گرانمایگئ ناز
مهریست ، به گنجینۀ کیفیت اسما

آن رشحه که ساریست در اعداد چو واحد
آن رشحه که حالیست بصورت چو هیولیٰ

آن رشحہ کہ آئینۂ تصویر نمائی ست
اسرار رقمہای حیات ابدی را

آن رشحہ کہ گر در طلبش باش شتابند
کوشش ز عرق مزد دہد لولوی لا لا

آن رشحہ کہ گر در صدفش باز چکانند
از موج گہرہا دمد انگارۂ دلہا

آن رشحہ کہ بیخواست چکد از کفِ ساقی
در عرض قدح در زدن اندر خمِ صہبا

زان رشحہ نم فیض قبولست مرادم
ساقی علی عالی و خمخانہ تولا

در سجدہ رو ای خامہ! کہ این اسمِ مبارک
منجملۂ اسمائے الٰہی ست، ہمانا

گرد سر این نام کہ معراج بیان ست
سبحانک یا ربِ تقدس و تعالیٰ

آن مصطفوی رتبه که تشریف ولایش
بر تارک سلمان بنهاد افسر ُمنا ٔ

آن شاه کرم پیشه که هنگام رکوعش
بالید خم حلقهٔ خاتم ز مصّلا

هم شوکت آثار علیؑ بود که داؤدؑ
صد چشم بره داشت ز اجزاے زره وا

چون اسلحه سازان که بسازند سرو برگ
تا مرد کند جلوه گری در صف هیجا

هم مژدهٔ دیدار علیؑ بود که میریخت
در پردهٔ احیا ز لب و کام مسیحا

چون باد بهاری که بهنگامِ وزیدن
از گل فگنند غلغله در خطهٔ غبرا

از مکر مستش ناف زمین ناف غزالست
مشکین ز چه شد ورنه لباس حرم آیا؟

نے نے غلطم کز اثر ذوق ظہورش
زان قطعہ دل خاک زند جوش سویدا

آن خام اسرار ید اللّٰہ کہ باشد
منقوش بہ اسمی کہ بود عین مسمیٰ

شد مہر نبوت فوہ تا ساخت پیمبرؐ
از دوش نگین خانۂ یاقوت کف پا

تا حلقہ بگوش ست ز نقش سم دلدل
بر طالع این دائرہ رشکست فلک را

یال و دمش از پرتو دیدار گل افشان
گرد سمش از جلوۂ رفتار شفق زا

وان تیغ دو سر کز اثر شرک زدائی
بر کوکبۂ کفر زند صاعقۂ لا

چون طرح شود با الف صیقل ایمان
در دیدۂ توفیق دھد جلوۂ الا

سررشتۂ نطقم بہ گسستن زدہ اینک
"از کار فروبستۂ دل عقدہ کشایا"

پیداست کہ ہیچی ہمہ را چہ ستاید
من ذرہ تو خورشید، من و مدحِ تو حاشا!

اندیشہ بخاری و رگ خامہ گیاہی
با فکر چہ نیروی و بہ تحریر چہ یارا؟

خواہم کہ ز جوش نفس و ولولۂ شوق
بر شیوۂ عشاق کنم مدح تو انشا

مطلع ثانی

اے داغ غمت مردمک دیدۂ اشیا
عکس تو ہر آئینہ ز ہر آئنہ پیدا

در جنب گرانمایگیٔ قدر تو عالم
چون ذرہ بہ صحرا بود و قطرہ بدریا

نقش قدم مورچہ پیشت بشب تار
چون جوہر آئینہ ز آئینہ ہویدا

در پیش نگاہ تو فلک پردۂ عینک
در چشم خیال تو جہان محملِ لیلیٰ

میخوار ترا ننگ ز پیمانۂ جمشید
بیمار ترا رنج ز تیمار مسیحا

خاشاک درت تاج سرافرازی رضوان
نقش قدمت غازۂ رخسارۂ حورا

ہم موجۂ رفتار تو ذوق رخِ یوسفؑ
ہم جادۂ راہ تو رگ خواب زلیخا

در گرد خرام تو نگہ ریشۂ طوبیٰ
در بزم تماشای تو مژگان یدِ بیضا

تقدیر بر خسارۂ توقیع امامت
زد از رقم نام تو گلگونۂ طغرا

توفیق بہ آئینۂ اسرار نبوت
کرد از اثر رای تو پرداز مہیا

رفتار تو گر آئنۂ خاک زداید
از پردۂ هر ذره دمد دیدۂ بینا

اعجاز تو گر سوی نباتات گراید
از ریشۂ هر برگ برآید لب گویا

گویند که کوثر می ناب ست سراسر
گویند که فردوس نگارست سراپا

آن چشمه ز ظرف قدحت رشحۂ باقی
وان سبزه ز بزم طربت خردۂ مینا

مهر تو درین عرصه بسوداگرِ ایمان
بخشد بسلم قیمت موعودۂ کالا

روے تو درین پرده بجویندۂ دیدار
امروز دهد حاصل دریوزۂ فردا

در پردۂ سازم جگر اندوده خطا نیست
کز برق و شفق باز برد جلوه به یغما

دانی کہ مرا دعویٔ فضل و هنری نیست
دیبـاے مـن از نـقـش کـمـالست معرا

در دایـرۂ فـکـر ز آشـفتـگیٔ رای
هـر دم نـفسم پیچ خـورد چـون خط ترسا

از صعوۂ بے بـال و پـر مـن چہ کشاید
پـرواز ثـنـایت طـلبد شهپر عـنقـا

آنـم کـہ ربـاعـی ز غـزل بـاز ندانم
تـاریخ بـمعنی نشنـاسم ز معمـا

ذوق تـو دمـانیده ز لـب سبزۂ گفتـار
مـدحِ تـو دوانیده بـدل ریشۂ احیـا

نـطـقـم بشمار عـدد حرف علیؑ شد
در رشتۂ تـحـریر ز شوخیٔ گهر آما

تکـرار رخ قـافیہ چـندانکہ خراشید
شـوقـم بـجـراحـت نمک افشاند ز ایطا

ترکانه زدم زمزمهٔ مدح و ثنایت
در منطق اجداد نه بر مسلک آبا

این پارسیٔ سادہ ز آرائش دعویٰ
وین بندگیٔ پاک ز آلایش غوغا

دور از اثر عربده و بحث و ستیزہ
منظور نگاہ دل و جان بخش تو بادا

در عرض ثنایت نفسم جوہر معنی
در بزم ولایت لقبم غالبؔ شیدا

سیراب سفالم ز نمِ رشحهٔ کوثر
گلپوش مزارم ز ہجوم پیِ مولیٰ

ترکیب بند در منقبت حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام

آن سحر خیزم کہ مہ را در شبستان دیدہ ام
شب نشینان را درین گردندہ ایوان دیدہ ام

اینت خلوتخانۂ روحانیان کانجا ز دور
زہرہ را اندر ردای نور عریان دیدہ ام

ہر یکی فارغ ز غیر و ہر یکی نازان بخویش
لولئ را در دو عشرتگہ دو مہمان دیدہ ام

ہرگز ای نادان بہ رسوای نہ بندی دل کہ من
ماہ را در ثور و کیوان را بہ میزان دیدہ ام

رفتہ ام زان پس بہ سیر باغ و مرغان را بباغ
سر بہ شرم خواب زیر بال پنہان دیدہ ام

کلک موج نکہت گل، دم ز گردش نازدہ
نامۂ فیض سحر ننوشتہ عنوان دیدہ ام

شانۂ باد سحرگاہی بہ جنبش نامدہ
طرۂ سنبل بہ بالین بر پریشان دیدہ ام

باد سرمستانه می جنبد و شبنم می چکد
غنچه را در رخت خواب آلوده دامان دیده ام

صبح اول گو بروی کس نیاورد از حیا
صبح ثانی را برین هنگامه خندان دیده ام

محرم راز نهان روزگارم کرده اند
تا بحرفم گوش ننهد خلق خوارم کرده اند

چشمم از انجم بدیدار عزیزان روشن است
شام پندارم جواهر سرمۂ چشم من است

تاچه بنمایند هان باید نظر بر پرده دوخت
ظلمت شام است جلباب و هر اختر روزن است

رامیان چرخ را آماجگه جز خاک نیست
جان پاک از اختران بیند اثر تا در تن است

ای که گفتی هفت کوکب در شمار آورده ام
زانمیان بهرام شورانگیز و کیوان پُر فن است

دشمنی دارم برون زین هفت کز غارتگری
هم بشب دزد متاع و هم بروزم رهزن است

اهل معنی را نگه دارد بسختی آسمان
سفله را بر گنج زر بینی که بند آهن است

لطف طبع از مبدء فیاض دارم نی ز غیر
دشت را خود رو بود گر سرخ گل ور سوسن است

کار چون نازک بود علت نگنجد درمیان
غنچه در تنگی قبایش بی نیاز از سوزن است

از عطارد نبودم فیض سخن کان تنگ چشم
خود بحکم هم فنی از رشک بامن دشمن است

من که با ساقی ز والائ فرو ناید سرم
آفتاب آسا ، به زور خویش گردد ساغرم

روشناس چرخ در جمع اسیرانش منم
نور چشم روزن دیوار زندانش منم

ثـابـت و سیّـار گـردون را رصـد بستم بـه علم
رشتـهٔ تسبیـح گـوهـرهـای غـلتـانـش مـنـم

نـی ز دانـش کـامیـاب و نـی بسختـی تنگدل
شـرمسـار کـوشـش بـرجیـس و کیوانـش منم

در لـئیمـی شهـرهٔ دهـر از تهیدستـی اسـت چـرخ
رفتـه مسکیـن را ز یـاد و گـنـج پـنـهـانـش منم

تیـر تـازد گـر بـه ادریسـی بخـاک اندازامـش
زهـره نـازد گـر بـه بـلـقیسـی سلیمـانش منم

کـعبـه بـامـن از مـروت عـذرخـواه پـای ریـش
وز ادب شـرمـنـدهٔ خـار مـغیـلانـش مـنـم

در غـریبـی خـویـش را از غـصـه در دل مـی خلم
خـورده ام از شسـت غـم تیـری کـه پیکانـش منم

نـوش چـون راه لبـم گیـرد ادا فـهـمـش نیم
نیـش چـون مـغـز دلـم کـاود زبـاندانـش منم

مانده ام تنها به گنج از دور باش پاس وضع
خانهٔ دارم که پندارند دربانش منم

پایهٔ من جز بچشم من نیابد در نظر
از بلندئ اخترم روشن نیابد در نظر

خون گرستم گریه گلبانگ تماشا زد بمن
چشم آن دارم که غم خود زین سپس سازد بمن

شاهد من پایهٔ من در وفا داند که چیست
میکشد عمداً بناز آنگاه می نازد بمن

بامن اندر همنشینان روی گرداند ز من
بی من اندر نازنیان گردن افرازد بمن

ریخت خونم بر سر ره تا حنا بندد بپای
کرد خاک راه خویشم تا فرس تازد بمن

چون بغیر از عمر کان مفت ست هیچم مایه نیست
نبودم بیم زیان گر چرخ کج بازد بمن

بر منش دستی تواند بود زان بالاترم
دل نبازم شیر گردون ، پنجه گر بازد بمن

هر کرا گردون بلند آوازه تر خواهد بدهر
نوبت شاهی دهد وانگاه بنوازد بمن

بادشاهان را ثنا گفتن نه کار هر کس است
دیده ور شاهی که کار گفتن اندازد بمن

ور تو گوئی باشه را مایه نبود بیم نیست
خود بشاهان مایه بخشم گر بپردازد بمن

آن که چون در ملک هستی سکۂ شاہی زند
سکۂ شاہی بطغرائی ید اللٰہی زند

نو بہار آمد که رقصد بر سر دیوار گل
سر کشد چون شعلہ شمع از درون خار گل

عاشقان با عندلیبان دشمن و من در شگفت
کز چه ماند گرچه خوش باشد بروی یار گل

هم بدشت از کوه تا بنگاه دهقان لاله زار
هم بشهر از باغ شه تا خانهٔ خمار گل

قاتل ما چون سبکدست است ما هم سرخوشیم
سر ز دوش افتاده و نفتاده از دستار گل

او پر از لیلیٰ نازک و غم جانگداز
بر سر آشفتهٔ مجنون مزن زنهار گل

بستر خارم نسازد رنجه زان ترسم که دوست
داندم در شب ببالین دیدهٔ خونبار گل

آسمان سرگشته بود آسودگی جستم ز خاک
باغبان بیگانه بود آوردم از بازار گل

جنبد از باد و من انگارم که چون جنبیده مهر
گشته از فریاد مرغان چمن بیدار گل

چون نارزد شاخ گل بر خویش چون بیند که باد
از وی افشاند بپای حیدرؑ کرار گل

آن که در معراج از ذوق رخ زیبای او
خواجه را در چشم حق بین بود خالی جای او

صبح سر مستانه پیر خانقه را در زدم
او سخن سر کرد از حق من دم از حیدرؑ زدم

شیخ حیران ماند در کار من و غافل که من
بوسه ها از ذوق پای خواجه بر منبر زدم

کرد یادش در صف او باش دوشم شرمسار
خشت از خم کنده را بر شیشه و ساغر زدم

بزم شوقش را نوائین شمع و خوش پروانه ایست
بسکه بیتابانه خود را بر دم خنجر زدم

یافتم خاکی ز راهش اشک شادی ریختم
خواست از من بادشاهش خنده بر افسر زدم

عذر از حق خواستم تا خواجه را گفتم چنا
رشته از جان تافتم تا صفحه را مسطر زدم

محضری آورده قاصد از علی اللٰهیان
پیش ازان کز خویش پرسم مهر بر محضر زدم

ذوق پابوسش جگر را تشنه تر دارد بوصل
در بهشت از گرمی دل غوطه در کوثر زدم

بر نتابم آرزوی چاره در دل خستگی
تکیه کردم بر علیؑ تا تکیه بر بستر زدم

ناتوانی را که لطفش طرح نیرو افگند
فربهی حرز فسون سازان ز بازو افگند

در عدم پندار پیداۓ سلیمان زاستی
آه ازین عالم گرش در چشم موری جاستی

هستی ایزد را و عالم سیمیای ایزدی ست
لا جرم هر ذره را آن فره در سیماستی

هر نوا نام دگر دارد ز فرق زیر و بم
ورنه خود یک زخمه و یک تار و یک اواستی

در تماشگاه جمع الجمع بر وفق نمود
قطره ها سرچشمه و سرچشمه ها دریاستی

گر صمد گویند ور حق کثرت اندر ذات نیست
ما علیؑ گفتیم و آنهم اسمی از اسماستی

جنبش هر شی به آئین است کان شی در وجود
هم بدان ساز است گر پنهان و گر پیداستی

نطق من گر صورت شاهد گرفتی فی المثل
جای گرد از رهگزارش بوی گل برخاستی

دین حق دارم معاذ الله نصیری نیستم
گر نداند عیب جو، باری خدا داناستی

با علی ویرا ست عهد حق پرستی بسته ام
وان به روزی بود کش روز ازل فرداستی

حرف حق از خواجه یادم بود تا گفتم بلی
ذوق ایمان در نهادم بود تا گفتم بلی

خوش بود دریوزهٔ فیض الٰهی از علیؑ
گرچه از هر در نصیب هر طلبگاری رسد

کهنه دانم گر دهندم طلیسان مشتری
تازه گردم از ردای خواجه گر تاری رسد

عاشقم لیکن ندانی کز خرد بیگانه ام
هوشیارم با خدا و با علی دیوانه ام

غالبا! حسن عقیدت برنتابم بیش ازین
هم ز خود بر خویش منت برنتابم بیش ازین

نیست ز اسمای الٰهی بر زبانم جز علیؑ
بیخودم پاس محبت برنتابم بیش ازین

بسته ام دل در هوای ساقی کوثر بخلد
طعنه از حوران جنت برنتابم بیش ازین

خاصه از بهر نثار بادشه خواهم همی
آبروی دین و دولت برنتابم بیش ازین

خوش بود دریوزۂ فیض الٰهی از علیؑ
گرچه از هر در نصیب هر طلبگاری رسد

کهنه دانم گر دهندم طلیسان مشتری
تازه گردم از ردای خواجه گر تاری رسد

عاشقم لیکن ندانی کز خرد بیگانه ام
هوشیارم با خدا و با علی دیوانه ام

غالبا! حسن عقیدت برنتابم بیش ازین
هم ز خود بر خویش منت برنتابم بیش ازین

نیست ز اسمای الٰهی بر زبانم جز علیؑ
بیخودم پاس محبت برنتابم بیش ازین

بسته ام دل در هوای ساقی کوثر بخلد
طعنه از حوران جنت برنتابم بیش ازین

خاصه از بهر نثار بادشه خواهم همی
آبروی دین و دولت برنتابم بیش ازین

در نجف وقت نماز آرم بسوی کعبه روی
قید قانون شریعت برنتابم بیش ازین

باده در خلوت بعشق ساقی کوثر خورم
نازش ناموس نسبت برنتابم بیش ازین

عاشق شاهم نه کافر، عشق شاهان کفر نیست
از غلط فهمان شماتت برنتابم بیش ازین

چون بخوابم روی ننماید نهم بر مرگ دل
جانگدازیهای حسرت برنتابم بیش ازین

بوده ام رنجور تا ذوق سلوکم روی داد
لا جرم رنج ریاضت برنتابم بیش ازین

از فنا فی الشیخ مشهودم فنا فی الله باد
محو گشتم در علیؑ دیگر سخن کوتاه باد

مخمس

در مهد دستبرد بہ اژدر کند علیؑ
رفع نزاع باز و کبوتر کند علیؑ
از جور چرخ پرسش من گر کند علیؑ
زور آزمائی کہ بہ خیبر کند علیؑ
دانم ہمان بہ گنبد بی در کند علیؑ

رسمیست خسروانہ کہ شاهان بہ روز بار
گیرند کار خویش ز دستور و پیشکار
دستور شہ ، نبیؐ و خداوند دستیار
می گویم و ہر آئینہ گویم ہزار بار
کار خدا بہ عرصۂ محشر کند علیؑ

گر کار تست ہرزہ برو کو بکو بہ گرد
چون سوقیان بہ عربدہ درچار سو بہ گرد
سلطان دین علیست ' بیا ' گرد اور بہ گرد
جان رونما پزیر و درین جستجو بہ گرد
کز غرفۂ خیال تو سر ، بر کند علیؑ

ایمان و بغض خواجه چراغیست و تند باد
یا رب! کسی اسیر هوا و هوس مباد!
باوی نیارم از ستم روزگار یاد
دین بر خورد ز دانش و دانش رسد به داد
تا کار دین بجای پیمبرؐ کند علیؑ

روی نکوی خواجه نه بینند گر بخواب
اصحاب کهف را نبود زینهار تاب
شد کام بخش هر که ز شاهست کامیاب
دریوزهٔ فروغ کند از وی آفتاب
گر ماه را به مایه توانگر کند علیؑ

یزدان که مست کرد روان را ببوی او
آویخت هشت خلد بیک تار موی او
چشمم مباد گر نگرم جز به سوی او
جرم هزار رند به بخشم به روی او
گر خود مرا به محکمه داور کند علیؑ

گفتم، بود فروغ جمالش نظر فروز
گفتم، بود نگاه عتابش نظاره سوز
گویم که نطق تشنهٔ گفتن بود هنوز
پیش وی آفتاب نماید چراغ روز
در چاشتگه چراغ اگر بر کند علیؑ

اینک شیوع فتنهٔ روز قیامتست
پیدا ز هر نورد هزاران علامتست
اسلام را دگر چه امید سلامتست
بر دست آن که خاتم قوس امامتست
آرایش جهان مگر از سر کند علیؑ

هر چند چرخ قاعده گردان عالمست
بعد از نبیؐ امامؑ نگهبان عالمست
اندر کف امامؑ، رگ جان عالمست
دل داغ رو نوردئ سلطان عالمست
بازش بجای خویش مقرر کند علیؑ

گفتم، بود فروغ جمالش نظر فروز
گفتم، بود نگاه عتابش نظاره سوز
گویم که نطق تشنهٔ گفتن بود هنوز
پیش وی آفتاب نماید چراغ روز
در چاشتگه چراغ اگر بر کند علیؑ

اینک شیوع فتنهٔ روز قیامتست
پیدا ز هر نورد هزاران علامتست
اسلام را دگر چه امید سلامتست
بر دست آن که خاتم قوس امامتست
آرایش جهان مگر از سر کند علیؑ

هر چند چرخ قاعده گردان عالمست
بعد از نبیؐ امامؑ نگهبان عالمست
اندر کف امامؑ، رگ جان عالمست
دل داغ رو نوردیٔ سلطان عالمست
بازش بجای خویش مقرر کند علیؑ

منقبت

ہزار آفریں برمن و دینِ من
کہ منعم پرستیست آئین من

چراغے کہ روشن کند خانہ ام
تو گوئی منش نیز پروانہ ام

حریفے کہ نوشم می از ساغرش
بھر جرعہ گردم بگردِ سرش

برانم کہ دادار یکتاستے
فروغ حقائق ز اسماستے

بھر گوشہ از عرصۂ ایں طلسم
دھد روشنائی جداگانہ اسم

ہراں شی کہ ہستی ضرورش بود
باسمے ز اسما ظھورش بود

مجھ پر اور میرے دین پر ہزار آفریں
کہ اپنے منعم کی پرستش میرا دین ہے

وہ چراغ جو میرے گھر میں اجالا کرتا ہے
گویا میں خود بھی اس کا پروانہ ہوں

وہ ہمدم جن کے ساغر پیتا ہوں
ہر ایک گھونٹ پر اُن کے قربان جاتا ہوں

میرا ایمان یہ ہے کہ دُنیا کا حاکم ایک ہے
اور اس کے ناموں سے حقیقتوں کی جلوہ گری ہے

دنیا کے طلسم میں جتنے گوشے ہیں،
سب کو علیحدہ اسم (خدا) سے روشنی پہنچ رہی ہے

جس چیز کو بھی عالم وجود میں لاتا ہے
خدا اپنے ایک اسم سے اسے پیدا کردیتا ہے

کزاں اسم روشن شود نام او
بداں باشد آغاز و انجام او

بود ہر چہ بینی بسودائے دوست
پرستارِ اسمے ز اسمائے دوست

ہر آئینہ در کارگاہ خیال
کز انجاست انگیزشِ حال و قال

لبم در شمار ولی الٰہیست
دلم راز دار علیؑ الٰہیست

چو مربوب ایں اسم سامیستم
نشانمند ایں نامِ نامیستم

بلندم بدانش نہ پستم ہمے
بدیں نام یزداں پرستم ہمے

نیا ساید اندیشہ جز با علیؑ
ز اسما نہ اندیشم الاّ علیؑ

اور اسی اسم سے اس چیز کا نام وابستہ ہو جاتا ہے
اس کی ابتدا اور انتہا وہی اسم ہوتا ہے

جو کچھ تمہیں نظر آتا ہے وہ سب اسی سے لو لگائے ہوئے ہے اور
کسی ایک اسم کے آگے سجدہ کئے جاتا ہے

یقیناً خیال کے اس کارخانے میں
جس سے حال اور قال پیدا ہوتا ہے

میرے لبوں پر ہر دم "ولی اللہ" ہے (کہ یہ قال ہے) اور میرے دل
میں علی الٰہی کا راز ہے (کہ یہ حال ہے)

چونکہ میں اس بلند مرتبہ اسم کا پروردہ ہوں اسی لئے
اسی نام کا نشان مجھ پر ہے

میں عقل میں بلند ہوں پست نہیں ہوں
اس لئے اس نام سے خدا پرستی کرتا ہوں

خیال کو راحت اسی کے دم سے ہے اور
کوئی اسم میرے تصوّر پر حاوی ہے تو یہی علیؑ کا نام ہے

بزم طرب همنوایم علیسْ
بہ کنج غم اندہ ربایم علیسْ

بہ تنہائیم راز گوئے باوست
بہ ہنگامہ ام پایہ جوئے باوست

درآئینۂ خاطرم رو دہد
بہ اندیشہ پیوستہ نیرودہد

مرا ماہ و مہر و شب و روز اوست
دل و دیدہ را محفل افروز اوست

بہ صحرا بہ دریا براتم ازوست
بہ دریا ز طوفاں نجاتم از اوست

خدا گوہری را کہ جاں خوانمش
ازاں داد تا بَروے افشانمش

مرا مایہ گر دل و گر جاں بود
ازو دانم از خود ز یزداں بود

خوشی کی محفل ہو تو علیؑ میرے رفیق جاں اور
غم کا گوشہ ہو تو غم ہلکا کرنے والے علیؑ ہیں

تنہائی میں دل کی بات انھیں سے کہتا ہوں اور
جب معرکہ آرائی ہو تو انھیں سے بلندیٔ مرتبہ چاہتا ہوں

میرے دل کے آئینے میں انھیں کا جلوہ نظر آتا ہے اور
فکر کو ہمیشہ انھیں سے قوت ملتی ہے

میرے لئے چاند سورج ، دن رات ، سب کچھ علیؑ ہیں
دل و نگاہ کی رونق انھیں کے دم سے ہے

خشکی اور تری دونوں جگہ نجات کی راہ دکھانے والے وہی ہیں۔
دریا میں طوفان آجائے تو وہی چھٹکارا دلواتے ہیں

خدا نے یہ جوہر جسے جان کہتے ہیں
اسی لئے مجھ کو عطا کیا کہ علیؑ پر قربان کردوں

دل و جاں کا جو سرمایہ مجھ کو ملا ہے،
چاہے وہ خدا کی طرف سے ملا ہو، لیکن میں اسے علیؑ کی طرف
سے شمار کرتا ہوں۔

کنم از نبیؐ روئے در بُوتراب
بَمہ بنگرم جلوۂ آفتاب

زیزداں نشاطم بہ حیدرؑ بُود
ز قلزم بجو آب خوشتر بُود

نبیؐ را پزیرم بہ پیمان او
خدارا پرتسم بہ ایمان او

خدایش روانیست ھر چند گفت
علیؑ را توانم خداوند گفت

پس از شاہ کس غیر دستور نیست
خداوندِ من از خدا دُور نیست

نبیؐ را اگر سایہ صورت نداشت
ترکد ندارد ضرورت نداشت

دو پیکر دو جادر نمود آمدہ
اثر ھا بیگ جا فرود آمدہ

نبیؐ کی طرف منہ کرکے میں علیؑ کو دیکھتا ہوں اور
اس چاند میں سورج کا نور دیکھتا ہوں

خدا کی طرف سے جو نشاطِ رُوح میسّر آتا ہے وہ مجھے حیدر (علیؑ سے ملتا ہے)
جس طرح سمندر کے پانی سے نہر کا پانی زیادہ خوشگوار ہوتا ہے

علیؑ کا عہد نبیؐ سے ہے اور میرا عہد علیؑ سے، اس لئے نبیؐ سے میرا عہد ہوا
میں تو خدا کو بھی یوں مانتا ہوں کہ علیؑ اسے مانتے ہیں

اگرچہ علیؑ کو خدا کہنا جائز نہیں،
تاہم انھیں خداوند (مالک) کہہ سکتا ہوں، (اور کہتا ہوں)

بادشاہ کے بعد کسی کا مقام آتا ہے تو وزیر کا،
میرے خداوند (اس کے وزیر ہیں اس لئے) خدا سے دور نہیں

نبیؐ کا سایہ نہیں پڑتا تھا تو کیا تعجب،
اس کی ضرورت ہی کیا تھی

دو جسم تھے جو الگ الگ ظاہر ہوئے
اور اُن کے اثرات ایک ہی جگہ ظاہر ہوتے تھے (اس لئے سایہ ایک ہی نظر آیا)

دو فرخندہ یار گرانمایہ بیں
دو قالب زیک نور ویک سایہ بیں

بداں اتحادی کہ صافی بود
دو تن رایکے سایہ کافی بود

ازاں سایہ یک جا گرایش کند
کہ احمدؐ ز حیدرؑ نمایش کند

بھر سایہ کافتد ز بالائے او
بود از نبیؐ سایہ ھمپائے او

زھے قبلۂ اھل ایماں علیؑ
بہ تن گشتہ ھمسایۂ جاں علیؑ

پدیدار در خاندانِ نبیؐ
بہ گیتی درازؔ ی نشان نبیؐ

بیک سلک روشن دہ ویک گھر
نبیؐ را جگر پارہ اورا جگر

یہ دونوں مبارک اور صاحبِ مرتبہ دوست تھے ، ایک ہی نور
اُن دونوں جسموں میں تھا تو ایک جسم کا سایہ پڑا

جو اتحاد اس قدر لطیف ہو وہاں
دو جسموں کے لئے ایک ہی سایہ کافی ہے

دونوں کا سایہ اس لئے ایک جگہ پڑتا ہے کہ
حیدرؑ کی ذات سے احمدؐ ظاہر ہوں

اس لئے علیؑ کے قد سے جہاں بھی سایہ پڑتا ہے
نبیؐ کا سایہ اسی کے ساتھ ساتھ رہتا ہے اور ایک ہو جاتا ہے

اہلِ ایمان کے قبلہ و کعبہ علیؑ کا کیا کہنا کہ،
اپنے جسم سے جانِ نبیؐ کے ہمسایہ ہوگئے ہیں
(دونوں کا سایہ ایک ساتھ ظہور کرتا ہے)

نبیؐ کے خاندان میں وہ بہت نمایاں ہیں
اور دُنیا میں نبیؐ کا نشان اُن سے قائم ہے

نُور کی ایک مالا ہے جس میں گیارہ موتی ہیں (علیؑ کے بعد گیارہ امام اور ہیں)
جو نبیؐ کے جگر کے ٹکڑے ہیں اور علیؑ کے جگر ہیں۔

جگر پاره ها چوں برابر نهند
به گفتن جگر نام آں بر نهند

علیؑ راست بعد از نبیؐ جائے او
هماں حکم کل دارد اجزائے او

همانا پس از خاتم المرسلینؐ
بود تا به مهدیؑ علیؑ جانشیں

نژاد علیؑ با محمدؐ یکسیت
محمدؐ هماں تا محمدؐ یکسیت

در احمدؐ الف نام ایزد بود
ز میم آشکارا محمدؐ بود

الف میم را چوں شوی خواستار
نماند ز احمدؐ بجز هشت و چار

ازیں نغمه کاینگ ره هوش زد
بدل ذوقِ مدحِ علیؑ جوش زد

جگر کے ٹکڑوں کو اگر ایک جگہ برابر ملا کر رکھ دیا جائے تو
اُن کو جگر ہی کہا جائے گا

نبیؑ کے بعد علیؑ کو اُن کی مسند پہنچتی ہے
اور اُن کے ٹکڑے بھی، 'کُل' کی حیثیت رکھتے ہیں

چنانچہ آخری رسولؐ کے بعد (بارہویں امامؑ)
مہدی تک علیؑ کی ہی جانشینی (خلافت) چلتی رہتی ہے

علیؑ کی نسل محمدؐ ہے،
اور اسی طرح محمدؐ رسول اللہ سے لے کر (بارہویں امام) محمد تک ایک ہی ہیں۔

احمدؐ کے نام میں الف ایزد (خدا) کا ہے ،اور
میم کا حرف محمدؐ کے نام سے آیا ہے۔

الف اور میم کا گر تو طلب گار ہو (لے لے) تو احمدؐ میں سے صرف
'حدٗ' رہ جاتا ہے جس کے عدد بارہ ہی ہوتے ہیں (اور امام بارہ ہیں)

یہ نغمہ جب ذہن میں آیا تو
دل میں علیؑ کی مدح کا جوش اٹھا۔

ز کویش بہ گلشن سخن می کنم
ستم برگل و نسترن می کنم

ز نطقش بہ گفتار خواں می نہم
سخن را شکر در دہان می نہم

ز لطفش بہ ہستے خبر می دہم
بریگ رواں دجلہ سر می دہم

علیؑ آں ز دوش نبیؐ را فرش
علیؑ آں یدُاللہ را کف کفش

خدارا گزیں بندۂ رازدار
خدا بندگان را خداوندگار

بہ تن بینش افروزِ آفاقیاں
بدَم دانش آموزِ اشراقیاں

بہ کثرت ز توحید پیوند بخش
بہ بے برگ نخل برومند بخش

اب میں گلشن میں اُن کے کوچہ کا ذکر چھیڑتا ہوں اور
گلاب اور سیوتی کو شرما کر اُن پر ستم کرتا ہوں

اُن کے کلام سے عالمِ سخن میں ایک خوان رکھتا ہوں اور
سخن کے دہن میں شکر دیتا ہوں

موجودات کو اُن کے کرم کی خبر دیتا ہوں گویا
ریگ و رواں پر دجلہ بہاتا ہوں

علیؑ وہ ہیں کہ نبیؐ کا کاندھا اُن کی سواری بنا
علیؑ وہ ہیں کہ ان کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہے

وہ خدا کے منتخب رازدار بندے ہیں اور
خدا کے بندوں کے لئے آقا و مالک کا درجہ رکھتے ہیں

اپنے جسمانی وجود سے وہ اہلِ دنیا کی بصیرت بڑھاتے ہیں اور
اپنے کلام سے اشراقی فلسفیوں کو علم عطا کرتے ہیں

کثرت کو وحدت وجود سے ربط دیتے ہیں اور
محتاج کو (جس کو پتہ بھی میسر نہیں) پھل دینے والا درخت
عطا کرتے ہیں۔

بہ سائل ز خواہش فزوں ترسپار
بہ لب تشنۂ جُرعہ کوثر سپار

نوید ظفر گردے از لشکرش
حساب نظر فردے از دفترش

گداز غمش کیمیائے سرشت
غبار رہش سیمیائے بہشت

نگہہ کوثر آشامد از رُوئے او
رواں تازہ رو گردد از بوئے او

نیاز ردہ گوشش ز آوازِ وحی

ضمیرش سرا پردۂ راز وحی

براہ حق اندر نشانہا ازو
بہر نکتہ در داستانہا ازو

بہ پیوند او ربط ہر سلسلہ
خود او را رہے خضر ہر مرحلہ

مانگنے والے کو وہ اس کی طلب سے بھی زیادہ دیتے ہیں
اگر آدمی ایک گھونٹ کا پیاسا ہو تو اُسے حوضِ کوثر عطا کرتے ہیں

اُن کے لشکر سے اٹھا ہوا گرد و غبار فتح کی بشارت ہے اور
فکر و نظر کا پورا حساب ان کے دفتر کی ایک بیاض کے برابر ہے

اُن کے غم (الفت) سے جو رقّتِ قلب پیدا ہوتی ہے وہ فطرت کے
لئے کیمیا ہے اور ان کی راہ میں جو غبار اٹھے وہ جنت کی آرائش ہے

نگاہ اُن کے چہرے پر پڑتی ہے تو گویا حوضِ کوثر پیتی ہے اور
اُن کی مہک آجائے تو جان میں تازگی آجاتی ہے

علیؑ کے کانوں کو وحی سننے کی زحمت نہیں اٹھانی پڑی،
وحی کا راز اُن کے دل پر آپ سے آپ ظاہر تھا

حق کی راہ میں ان سے نشاناتِ راہ موجود ہیں اور
اُن کے ہر نکتہ میں (جو وہ بیان کریں) داستانیں پوشیدہ ہیں

اُن کے علاقہ سے صوفیا کا ہر سلسلہ قائم ہے
خضر جو (جو بھٹکنے والوں کو راہ بتاتے ہیں) ہر مرحلے کے رہنما
ہیں، ان کے بندے ہیں (یعنی پیروی کرتے ہیں)۔

گذشته به معشوقی از همسری
بدوش نبیؐ پایش از برتری

زمین فلک در گزر گاه او
غبارِ سحر خیزیٔ آه او

اگر پارهٔ گشته پستی گرا
بُود پارهٔ همچناں بر هوا

بیاد حق از خواهشِ نفس دُور
ز شادی ملول و به انده صبور

بچشمی که گرید به بزم اندروں
دل آسوده خسپد برزم اندروں

بدرویشیش فرّ شاهنشاهی
زهی خاکساری و ظلّ الٰهی

هوا و هوس گشته فرماں پذیر
به فرماں روائی حصیرش سریر

نبی کے شانے پر پاؤں رکھ کر کھڑے ہوئے تو برتری مل گئی اور
دلبری میں ہم سری کی حد سے گذر گئے

اُن کی گذرگاہ میں فلک کا فرش،
اُن کی صبح کی آہ سے (جو عشقِ الٰہی میں بلند کرتے ہیں) غبار ہو جاتا ہے

اس غبار کا ایک ٹکڑا نیچے کی طرف مائل ہو کر (زمین بن گیا) تو،
دوسرا ہوا کے اوپر قائم رہا

خدا کی یاد میں وہ ایسے محو ہوتے ہیں کہ نفس کی خواہش
پاس نہیں آتی، خوشی سے کچھ خوش نہیں ہوتے اور غم میں صبر سے کام لیتے ہیں

علیؑ کی وہ آنکھیں جو محفل میں آنسو بہاتی ہیں،
جنگی ہنگامے کے وقت سُکھ کی نیند لیتی ہیں

فقیری میں وہ شاہانہ دبدبہ رکھتے ہیں ، اُنکی خاکساری کے کیا
کہنے ، خدا کا سایہ ہونے کی صفت ہے اُن میں

دنیاوی خواہش اُن کی فرماں بردار ہیں اور
فرماں روائی میں اُن کا (درویشانہ) بوریہ ہی تخت ہے۔

خرد زلہ خوارش بہ فرزانگی
قضا پیشکارش بہ مردانگی

نہانش بیاد آوری دلکشاست
عیانش بری نام مشکل کشاست

براہیم کوئے سلیماں فرے
مسیحا دمی مصطفےؐ گوہرے

لباس وفا را طراز علم
جہانِ کرم را صباح ازل

نہادش بہ خلقِ خدا مہر خیز
جبینش بدرگارہ حق سجدہ ریز

نوید نجاتِ اسیرانِ غم
نظرگاہ احرامیانِ حرم

زشش سو بسویش نگاہ ہمہ
ولادت گہش قبلہ گاہ ہمہ

اُن کی دانائی اور حکمت کا یہ عالم ہے کہ عقل اُن سے غذا پاتی ہے
اور اُن کی مرّوت کی پیشکار قضائے الٰہی ہے (یعنی جو کچھ خلق
پر آثارِ رحمت ہیں، وہ اُن کے کرم کے سبب ہیں)

دل ہی دل میں خاموشی سے اُن کی یاد راحت بخش ہے
اور اگر زبان پر لاؤ تو اُن کا نام مشکل کشا ہے

پیغمبرؑ ابراہیم کی عادتیں اور پیغمبرؑ سلیمان کی سی شان انھوں نے پائی ہے
مسیحا کا (مردوں کو زندہ کرنے والا) نفس (پھونک ، سانس) اور
محمدؐ مصطفٰے کا اصل جوہر اُن کو ملا ہے

اُن کے لباسِ وفا کے لئے ان کا عمل آرائش ہے اور
کرم کی دنیا کے لئے وہ ازل کی صبح ہیں (کرم کا نقطۂ آغاز ہیں)

طبیعت ایسی پائی ہے کہ مخلوق اُن سے محبت کرنے لگے اور
پیشانی ایسی کی خدا کے سجدہ میں مشغول

غم کے ماروں کو نجات کی خوش خبری اُن کی ذات سے ہے، اور
کعبے کا طواف کرنے والوں کی نظر اُن کی طرف رہتی ہے

چھیوں (٦) سمتوں سے سب کی نگاہیں اُن کی جانب اٹھتی ہیں اور
اُن کی جائے پیدائش (کعبہ) سب کی قبلہ گاہ ہے۔

روان و خرد گردے از راہ او
نہ ایزد ولے کعبہ درگاہ او

حددثش نمود حدوث جہاں

بگردندگے درگہش آسماں

اگر خاک بازان دشتِ نجف
بہ خورشید سازی کشایند کف

چو انجم بشب مہر گیتی فروز
نیارند مردم شمردن بروز

نبیؐ را جگر تشنۂ روئے او
خدارا بخواہش نظر سوئے او

کسانی کہ اندازہ پیش آورند
سخنہا ز آئین و کیش آورند

بنا دانے از شورِ گفتارِ من
سگالند زانگونہ ہنجارِ من

اُن کے غبارِ راہ سے جان اور عقل بنے ہیں
علیؑ خدا نہیں تاہم اُن کی درگاہ کعبہ کا سا مرکز بن گئی ہے

اُن کا پیدا ہونا جہاں کے پیدا ہونے کا نشان ہے (یعنی سببِ وجود)
ان کی درگاہ کے گرد آسمان کی گردش ہے

دشتِ نجف کی خاک میں ہاتھ ڈالنے والے (یعنی نیاریے)
اگر اس پر آمادہ ہو جائیں کہ سورج ڈھالیں تو (اُن کو یہ مرتبہ نصیب ہے کہ)

جس طرح رات کو تارے شمار کرنا مشکل ہے ،
اسی طرح لوگ دن کو سورجوں کی تعداد نہ گن سکیں گے

نبیؐ کا دل ان کے دیدار کا منتظر رہا ہے، اور
خدا کا جی چاہتا ہے کہ اُن کی طرف دیکھا کرے

وہ لوگ جو ناپ تول کے عادی ہیں،
مذہب اور عقیدے کی بحث چھیڑ دیتے ہیں

میرے بیان کے جوش و خروش کو دیکھ کر
اپنی نا سمجھی کی وجہ سے میرے خیالات کے متعلق

کہ آرایش گفتگو کردہ ام
بحیدرؑ ستائی غلو کردہ ام

مرا خود دل از غصّہ بیتاب باد
ز شرم تنک مائیگی آب باد

چہ باشد ازیں بیش شرمندگی
کہ خور را ستائم برخشندگی

بہ بحر از روانی سرائم سرود
بخلد از ریاحیں فرستم درود

بہ گلشن برم برگے از نسترن
بہ پیچاک سنبل فروشم شکن

ستایم کسے را کہ درداستاں
شوم با سخن آفریں ہمزباں

بہ رَدّ قبولِ کسانم چہ کار
علیؑ بایدم با جہانم چہ کار

یہ نتیجہ نکال لیتے ہیں کہ ہو نہ ہو میں نے زیب داستاں سے
کام لیا ہے اور علیؑ کی مدح میں مبالغے کی حد سے گذر گیا ہوں

خود میرا دل غم و غصہ کے مارے بے چین ہے اور
اس شرم سے کہ حوصلہ پورا نہیں ہوتا، پانی پانی ہو جائے

اس سے بڑھ کر شرم کی بات بھلا کیا ہوگی کہ
سورج کی تعریف کروں اور کہوں کہ واہ کیا چمک دمک ہے

سمندر کی تعریف کروں کہ واہ کیا روانی ہے اور
جنت کو ریحان کا تحفہ بھیجوں

سیوتی کے پھول کی پتی باغ کے پاس لے جاؤں اور
سنبل کے گچھے کے ہاتھ ایک پیچ یا شکن بیچوں

میں اور ایسی ذات کی مدح کروں کہ
ستائش میں خدا کی ہم زبانی ہو جائے!

مجھے لوگوں کی پسند اور نا پسند سے کیا مطلب ،
دنیا سے غرض نہیں ، مجھے غرض تو علیؑ سے ہے

در اندیشه پنهان و پیدا علیستؑ
سخن کز علیؑ می کنم با علیستؑ

دلم در سخن گفتن افسرده نیست
همانا خداوند من مرده نیست

چو خواهم حدیثے سرودن ازو
بود گفتن از من شنودن ازو

گر از بندہ ہائے خدا چوں منی
که در خرمن ارزد به نیم ارزنی

علیؑ را پرستد به کیش خیال
چه کم گردد از دستگاہ جلال

گلستاں که هر سو هزارش گلست
همه سبزہ و لاله و سنبلست

اگر رفت برگ خزانی ازاں
چمن را نباشد زیانی ازاں

خیال میں ظاہر و باطن علیؑ ہی علیؑ ہیں
علیؑ کے متعلق جو کچھ میں کہتا ہوں ، اس کے مخاطب بھی علیؑ ہیں

میرا دل اظہار میں بجھا ہوا نہیں ہے۔
کیوں کہ میرے آقا اور مالک (زندہ ہیں) مردہ نہیں

جب میرا دل چاہتا ہے کہ اُن کی بات کروں ،
تو میں کہتا ہوں وہ سنتے ہیں

خداوند عالم کے بندوں میں سے اگر کوئی ایک آدھ مجھ جیسا ،
ہیچ آدمی جس کی حیثیت ڈھیر میں آدھی رائی کے دانے برابر ہے

(خدا کے بجائے) علیؑ کی پوجا ہی کو اپنا ایمان بنالے تو
خدا کی شان کے خزانے میں کیا کمی آجائے گی (کچھ نہیں)

باغ کی مثال لو، اس میں ہر طرف ہزاروں پھول کھلے ہیں
جدھر دیکھوں ، سبزہ ، لالہ اور سُنبل ہے

اگر اس باغ میں سے ایک خزاں مارا پتا گیا بھی تو کیا گیا ،
چمن کا کوئی نقصان نہ ہوا۔

ندارد غم و غصّہ یزدان پاک
علیؑ را اگر بندہ باشم چہ باک

تو غافل ز ذوق ثنا گوئیم
سزا گویم و ناسزا گوئیم

مرا ناسزا گفتن آئیں مباد
لبِ من رگ ساز نفریں مباد

بود گرچہ با ہر کسم سینہ صاف
من و ایزد البتّہ نبود گزاف

کہ تا کینہ از مہر بشناختم
بکس غیر حیدرؑ نہ پرداختم

جوانی بریں در بسر کردہ ام
شبے در خیالش سحر کردہ ام

کنونم کہ وقت گزشتن رسید
زمانِ بحق باز گشتن رسید

خدائے پاک غم و غصّے کے جذبات سے پاک ہے،
اب اگر میں (اس کی بندگی کے بجائے)
علیؑ کی بندگی کروں تو اس میں ہرج کیا ہے؟

تمہیں کیا معلوم کہ مجھے علیؑ کی ستائش کا کتنا شوق ہے
میں ایک جائز بات کہتا ہوں تو تم مجھے بے جا الزام دیتے ہو

کسی کو برا کہنا (تبرّا کرنا) میرا شیوہ نہ ہو
میرے ہونٹوں پہ نفرت کی راگنی نہ آئے

اگرچہ ہر شخص کی طرف سے دل صاف ہے تو
خدا گواہ کہ یہ کہنا شیخی نہیں

کہ جس دن سے محبت اور کینے میں تمیز آئی ہے
تبھی سے علیؑ کے سوا کسی اور کی محبت دل میں نہیں سمائی

علیؑ کے آستانے پر میں نے اپنی جوانی گذاری اور
ان کے تصور میں (جوانی کی) رات کاٹ دی

اور اب جب کہ چلنے کا وقت آگیا اور
خدا کی طرف واپسی کا زمانہ قریب ہے

دما دم بجنبش درائے دلست
شنیدن رھین صدائے دلست

کہ برخیزو آھنگ رہ سازدہ
بہ جمّازۂ خفتہ آواز دہ

بہ شب گیرزیں تیرہ مسکن برآ
بجنباں درای و برفتن ذرآ

نجف کاں نظرگاہ امیدتست
طرب خانۂ عیش جاویدتست

نہ دورست چنداں کہ فرسخ شمار
برنجاند اندر شمردن یسار

دلیرانہ راھی بریدن تواں
بہ آرامگاھے رسیدن تواں

برانست دل بلکہ من نیزھم
کہ چوں جاں خود آنجاست تن نیزھم

دل کوچ کا گھنٹہ بار بار بجا رہا ہے
دل کی آواز سننے پر کان لگے ہوئے ہیں

دل کہتا ہے کہ اب اٹھ ، سامانِ سفر تیار کر
سوتی ہوئی اونٹنی کو آواز دے

رات ہی سے اس تاریک مسکن سے نکل،
سفر کا گھنٹہ بجا اور چل دے

تمہاری امید کی آخری منزل نجف ہے
وہیں پہنچ کر عیشِ جاوداں نصیب ہوگا

یہاں سے نجف کا فاصلہ اتنا بھی نہیں ہے کہ
کڑے کوس شمار کرنے والے کا بایاں ہاتھ گنتے گنتے دکھ جائیں

دلیری کے ساتھ یہ راہ طے ہوسکتی ہے اور
اپنی آرام گاہ پر پہنچ سکتے ہو

دل کیا، میں خود بھی یہ طے کئے بیٹھا ہوں کہ
جب میری جاں وہاں پڑی ہے تو جسم کو بھی پہنچا کر دم لوں گا

بود گرچہ ثابت کہ چوں جاں دہم
علیؑ گویم و جاں بیزداں دہم

بہ ہند و عراق و بہ گلزار و دشت
بہ سوئے علیؑ باشدم باز گشت

ولیکن چوں آں ناحیہ دلکشست
اگر در نجف مردہ باشم خوشست

خوشا عرفیؔ و گوہر افشاندنش
باندازِ دعوئے پر افشاندنش

کہ ناگاہ کار خود از پیش بُرد
بدشت نجف لاشۂ خویش بُرد

تنِ مُردہ چوں رہ بمژگاں رَود
اگر زندہ خواہد خود آساں رَود

چو عرفیؔ سرو برگ نازم کجا
بدعوئے زبانِ درازم کجا

اگرچہ یہ بات طے ہے کہ جب میں جان دوں گا تو
علیؑ کا نام میری زبان پر ہوگا

ہندوستان ہو ، عراق ہو ، باغ ہو یا جنگل
چاہے جہاں زندگی تمام ہو ، میری روح علیؑ کی طرف ہی جائے گی

لیکن (نجف میں مرنے اور کہیں اور مر رہنے میں فرق یہ ہے کہ)
وہ مقام عمدہ ہے اور وہیں جان دینا اچھا ہے۔

شاعر عرفیؔ اور اس کی گوہر فشانی کے کیا کہنے کہ
جو دعوا کیا تھا ، اس کے مطابق پرواز کرکے دکھادی

اتفاق کی بات کہ اس نے اپنا کام چلا لیا اور،
نجف کی خاک تک اپنی لاش پہنچوا کر دم لیا

جب مُردہ اپنی پلکوں سے راہ طے کرکے جا سکتا ہے تو ،
زندہ تو آسانی سے جا سکتا ہے (اشارہ عرفیؔ کے اس شعر کی طرف:
ز کاوشِ مژہ از گور تا نجف بروم
اگر بہ ہند ہلاکم کنی و گر بہ تتار)

عرفیؔ (جو مر کر بھی نجف گیا) اس کی تقدیر کہاں سے لاؤں
اس کا سا دلیرانہ دعویٰ کیسے کردوں

چو عرفیؔ بدرگاھم آں روئے کو
چناں داد رس جذبہ زان سوئے کو

نگویم غلط با خودم خشم نیست
زمژگانِ خویشم خود ایں چشم نیست

مزن طعنہ چوں پایۂ خاص ہست
نباشد اگر جذبہ اخلاص ہست

چو اینست واز خواجہ آں بایدم
زغم چشم قلزم نشاں بایدم

زدل گریہ اندوہ رشکم برد
نہ مژگاں مگر سیل اشکم برد

من ایں کار بر خود گرفتم بچشم
بمژگاں گر او رفت رفتم بچشم

بہ گریم زغم بو کہ شادم کنند
گہر سنج گنج مُرادم کنند

عرفیؔ کی دعا کو جو قبولیت نصیب ہوئی وہ قبولیت حاصل کرنے
کا میرا منہ کہاں ہے
ادھر سے فریاد سننے والے کا جذبہ مجھ کو کہاں ملنے والا۔

غلط عرض نہیں کر رہا ہوں کچھ اپنے آپ سے ناراض نہیں ہوں،
اپنی پلکوں سے البتہ اتنی امید نہیں

جب خاص مقام حاصل ہے تو طعنہ مت دو،
اگر جذبہ نہیں ہے، نہ ہو، خلوص کا رشتہ تو قائم ہے

جب صورتِ حال یہ ہے اور آقا سے مجھے وہ مطلوب ہے تو
غم سے ایسی آنکھیں چاہتا ہوں جو دریا بہا دیں

آنسو دل سے وہ غم بہا لے جائیں گے جو (عرفیؔ کے انجام بخیر پر)
مجھے رشک کے مارے ہوتا ہے،
مجھے پلکیں تو (نجف تک) نہ پہنچائیں گی البتہ آنسو پہنچا دیں گے

میں نے خوشی خوشی یہ کام اپنے ذمہ لیا ہے
وہ اگر پلکوں سے وہاں تک گیا تو میں آنکھوں سے جاؤں گا

غم سے تڑپ کر روؤں گا اور امید ہے کہ مجھے شاد کیا جائے گا اور
میری تمنّا کا خزانہ موتیوں سے مالامال کر دیا جائے گا۔

بگریم کہ سیلم ز سر بگزرد
نہ از سر ز دیوار و در بگزرد

سرشکے کہ از دیدۂ من چکد
دگر بارہ از چشم روزن چکد

طلب پیشگان را بدعویٰ چہ کار
ز بخشندہ یزدانم اُمیّد وار

کہ جاں بردر بوترابم دہد
دراں خاک فرمان خوابم دہد

چہ کاہد ز نیروئ گرداں سپہر
چہ کم گردد از خوبئ ماہ و مہر

کہ دل خستۂ دہلوی مسکنے
ز خاک نجف باشدش مدفنے

خدایا بدیں آرزویم رساں
ز اشک من آبے بجویم رساں

اتنا روؤں گا کہ سیلاب اشک سر سے گذر جائے
سر کیا معنی در و دیوار سے گذر جائے

جو آنسو میری آنکھ سے ٹپکیں گے وہ
یوں رواں ہوں گے کہ روزن دیوار سے نکل جائیں گے

جن کا کام ہے سوال کرنا انھیں دعویٰ کرنے سے کیا مطلب
میں تو بخشنے والے خدا سے اُمید وار ہوں کہ

وہ ابو تراب (علیؑ) کے آستانے پر مجھے جان بخشے اور
وہاں پہنچا کر مجھے حکم ہو کہ آخری نیند سو جاؤں

گھومنے والے آسمان (تقدیر) کی قوت میں کیا کمی آجائے گی
چاند سورج کے حُسن میں کیا فرق پڑ جائے گا

اگر یہ دہلی کا دل شکستہ باشندہ
نجف کی مٹی میں مل جائے

اے خدا میری یہ آرزو پوری کردے،
یہ جو آنسو بہا رہا ہوں، اُن کی موج میری نہر میں رواں کردے
(یعنی میری مراد برلا)

نفس در کشم جائے گفتار نیست
تو دانی و ایں از تو دشوار نیست

کزیں بعد در عرصۂ روزگار
بروے زمیں یا بکنجِ مزار

زغالبؔ نشاں جز براں در مباد
چنیں باد فرجام و دیگر مباد

اب میں ضبط سے کام لیتا ہوں ، کچھ نہیں کہتا ، کہنے کی گنجائش
بھی نہیں رہی ، تُو میری آرزو سے واقف ہے ، اور تیرے لئے اس کام
کا پورا کرنا مشکل بھی نہیں ہے

اس کے بعد دنیا میں جہاں بھی ہوں
زمین کے اوپر یا قبر کے اندر

غالبؔ کا نشان علیؑ کے آستانے پر ہی ہو،
اس کے سوا کہیں نہ ہو ، غالبؔ کا انجام اب یہی ہو ، اس کے
علاوہ کوئی اور انجام نہ ہو۔

قصیدۂ حیدری

سازِ یک ذرّہ نہیں فیضِ چمن سے بیکار
سایۂ لالۂ بیداغ سُویدائے بہار

مستیِ بادِ صبا سے ہے بہ عرضِ سبزہ
ریزۂ شیشۂ مے جوہرِ تیغِ کہسار

سبز ہے جامِ زمرّد کی طرح داغِ پلنگ
تازہ ہے ریشۂ نارنج صفت رُوئے شرار

مستیِ ابر سے گلچینِ طرب ہے حسرت
کہ اس آغوش میں ممکن ہے دوعالم کا فشار

کوہ و صحرا ہمہ معموریِ شوقِ بلبل
راہِ خوابیدہ ہوئی خندۂ گُل سے بیدار

سونپے ہے فیضِ ہوا صورتِ مژگانِ یتیم
سرنوشتِ دوجہاں ابر بیک سطرِ غُبار

کاٹ کر پھینکیے ناخن تو بہ اندازِ ہلال
قوّتِ نامیہ اُس کو بھی نہ چھوڑے بیکار

کف ہر خاک بگردوں شدہ ، قُمری پرواز
دامِ ہر کاغذِ آتش زدہ ، طاؤس شکار

میکدے میں ہو اگر آرزوے گُل چینی
بُھول جا یک قدحِ بادہ بطاقِ گلزار

موجِ گُل ڈھونڈھ بخلوت کدۂ غنچۂ باغ
گُم کرے گوشۂ میخانہ میں گر تو دستار

کھینچے گر مانیِ اندیشہ چمن کی تصویر
سبز مثلِ خطِ نوخیز ہو خطِّ پرکار

لعل سے کی ہے پئے زمزمۂ مدحتِ شاہ
طوطیِ سبزۂ کہسار نے پیدا مِنقار

وہ شہنشاہ کہ جس کی پئے تعمیرِ سرا
چشمِ جبرئیل ہوئی قالبِ خشتِ دیوار

فلکُ العرش ہجومِ خمِ دوشِ مزدور
رشتۂ فیضِ ازل سازِ طنابِ معمار

سبزۂ مُہ چمن ویک خطِ پشتِ لبِ بام
رفعتِ ہمّتِ صد عارف ویک اوجِ حصار

واں کے خاشاک سے حاصل ہو جسے یک پَرکار
وہ رہے مروحۂ بالِ پری سے بیزار

خاکِ صحرائے نجف جوہرِ سیرِ عُرفاء
چشمِ نقشِ قدم آئینۂ بختِ بیدار

ذرّہ اُس گرد کا خُرشید کو آئینۂ ناز
گرد اُس دشت کی اُمید کو اِحرامِ بہار

آفرینش کو ہے واں سے طلبِ مستیِ ناز
عرضِ خمیازۂ ایجاد ہے ہر موجِ غبار

سنگ بہ کارگہِ ربطِ نزاکت ہے کہ ہے
خندۂ بیخودیِ کبک بدندانِ شرار

کشتۂ افعیِ زلفِ سیہِ شیریں کو
یستوں سبزے سے ہے سنگِ زمرّد کا مزار

حسرتِ جلوۂ ساقی ہے کہ ہر پارۂ ابر
سینۂ بیتابی سے ملتا ہے بہ تیغِ کہسار

دشمنِ حسرت عاشق ہے رگِ ابرِ سیاہ
جس نے برباد کیا ریشۂ چندیں شبِ تار

چشم بر چشم چھپے ہے بتماشا مجنوں
ہر دو سو خانۂ زنجیر نگہ کا بازار

خانہ تنگ ہجومِ دو جہاں کیفیت
جامِ جمشید ہے یاں قالبِ خشتِ دیوار

محرمِ دردِ گرفتاریِ مستی معلوم
ہوں نفس سے صفتِ نغمہ بہ بندِ رگِ تار

تھا سرِ سلسلہ جنبانیِ صد عمرِ ابد
سازھا مفتِ بریشمکدہ نالۂ زار

لیکن اس رشتۂ تحریر میں سر تا سرِ فکر
ہوں بقدرِ عددِ حرفِ علی سُبحہ شمار

دوست اس سلسلۂ ناز کے ، جوں سنبل و گل
ابرِ میخانہ کریں ساغرِ خُرشید شکار

لشکرِ عیش بہ سرشارِ تماشاے دوام
کہ رہے خونِ خزاں سے ہمنا پاے بہار

زلفِ معشوق کشش سلسلۂ وحشتِ ناز
دلِ عاشق شکن آموزِ خمِ طرۂ یار

مے تمثال پری نشۂ مینا آزاد
دل آئینہ طرب ساغرِ بختِ بیدا

سنبلِ و دامِ کمیں خانۂ خوابِ صیاد
نرگس و جامِ سیہ مستیِ چشمِ بیدار

طرّہ ھا ، بسکہ گرفتارِ صبا ہیں شانہ
زانوے آئینہ پہ مارے ہے دستِ بیکار

بسکہ یک رنگ ہیں دل کرتی ہے ایجاد نسیم
لالے کے داغ سے جوں نقطہ و خط ، سنبل زار

اے خوشا ! فیضِ ہوائے چمنِ نشو نما
بادہ پُر زور و نفس مست و مسیحا بیمار

ہمتِ نشو و نما میں یہ بلندی ہے کہ سرو
پرِ قمری سے کرے صیقلِ تیغِ کہسار

ہر کفِ خاک جگر تشنۂ صد رنگ ظہور
غنچے کے میکدے میں مستِ تامل ہے بہار

کس قدر عرض کروں ساغرِ شبنم یارب؟
موجۂ سبزۂ نوخیز ہے لبریزِ خمار

غنچۂ لالہ سیہ مستِ جوانی ہے ھنوز
شبنمِ صبح ہوئی رعشۂ اعضائے بہار

جوشِ بیدادِ تپش سے ہوئی عریاں آکر
شاخِ گلبن پہ صبا چھوڑ کے پیراھنِ خار

سازِ عریانیِ کیفیتِ دل ہے لیکن
یہ مَے تند نہیں موجِ خرامِ اظہار

موجِ مے پر ہے براتِ نگرانی امید
گلِ نرگس سے کفِ جام پہ ہے ، چشمِ بہار

گلشن و میکدہ سیلابِی یک موجِ خیال
نشّہ و جلوۂ گہ بر سرِ ھم فتنہ غبار

پشتِ لب تہمتِ خط کھینچے ہے بیجا یعنی
سبز ہے موجِ تبسم بہ ہوائے گفتار

جائے حیرت ہے کہ گلبازیِ اندیشۂ شوق
اس زمیں میں نہ کرے سبز قلم کی رفتار

کسوتِ تاک میں ہے نشّۂ ایجادِ ازل
سُبحۂ عرضِ دو عالم بکفِ آبلہ دار

بنظرِ گاہِ گلستانِ خیالِ ساقی
بیخودی دامِ رگِ گل سے ہے پیمانہ شکار

بہ ہوائے چمنِ جلوہ ہے طاؤس پرست
باندھے ہے پیرِ فلک موجِ شفق سے زنار

یک چمن جلوۂ یوسف ہے بچشمِ یعقوب
لالہ ہا داغ براگندہ و گلہا بے خار

بیضۂ قمری کے آئینے میں پنہاں صیقل
سروِ بیدل سے عیاں عکسِ خیالِ قدِ یار

عکسِ موجِ گل و سرشاریِ اندازِ حباب
نگہِ آئینہ کیفیتِ دل سے ہے دو چار

کس قدر سازِ دو عالم کو ملی جرأتِ ناز
کہ ہوا ساغرِ بے حوصلۂ دل سرشار

ورنہ وہ ناز ہے جس گلشنِ بیداد سے تھا
طور مشعل بکف از جلوۂ تزیہ بہار

سایۂ تیغ کو دیکھ اُس کے ، بذوقِ یک زخم
سینۂ سنگ پہ کھینچے ہے الف ، بالِ شرار

بتکدہ بہرِ پرستش گری قبلۂ ناز
باندھے زنارِ رگِ سنگ میانِ کہسار

سُبحہ گرداں ہے اُسی کی کفِ امید کا ابر
بیم سے جس کے صبا توڑے ہے صد جا زنار

رنگریزِ گل و جامِ دوجہاں ناز و نیاز
اوّلیں دورِ امامت طرف ایجادِ بہار

جوشِ طوفانِ کرم ساقیِ کوثر ساغر
نُہ فلک آئنہ ایجادِ کفِ گوہر بار

پہنے ہے پیرہنِ کاغذِ ابری نیساں
بہ تُنک مایہ ہے فریادیِ جوشِ ایثار

پر یہ دولت تھی نصیبِ نگہِ معنیِ ناز
کہ ہوا صورتِ آئینہ میں جوہر بیدار

اے خوشا! مکتبِ شوق و بلدستانِ مراد
سبقِ ناز کی ہے عجز کو صد جا تکرار

مشقیِ نقشِ قدم نسخۂ آبِ حیواں
جادۂ دشتِ نجف عمرِ خضر کا طومار

جلوہ تمثال ہے ہر ذرّہ نیرنگ سواد
بزمِ آئینۂ تصویر نما مشتِ غبار

دو جہاں طالبِ دیدار تھا یارب کہ ھنوز
چشمکِ ذرّہ سے ہے گرم نگہ کا بازار

ہے نفس مایۂ شوقِ دو جہاں ریگِ رواں
پاے رفتار کم و حسرتِ جولاں بسیار

فیض سے تیرے ہے اے شمع شبستانِ بہار
دلِ پروانہ چراغاں پہ بلبل گلزار

شکل طاؤس کرے آئینہ خانہ پرواز
ذوق میں جلوہ کے تیرے بہ ہوائے دیدار

تیری اولاد کے غم سے ہے بروئے گردوں
سلک اختر میں مہ نومژۂ گوہر بار

دشتِ الفت چمن و آبلہ مہماں پرور
دلِ جبرئیل کفِ پا پہ ملے ہے رخسار

یاں تک انصاف نوازی کہ اگر ریزۂ سنگ
بے خبر دے بکفِ پاے مسافر آزار

یک بیاباں تپشِ بالِ شرر سے صحرا
مغزِ کہسار میں کرتا ہے فرو نشترِ خار

فرش اس دشتِ تمنا میں نہ ہوتا گر عدل
گرمیِ شعلۂ رفتار سے جلتے خس و خار

ابرِ نیساں سے ملے موجِ گہر کا تاواں
خلوتِ آبلہ میں گم کرے گر تو رفتار

یک جہاں بسملِ اندازِ پرافشانی ہے
دام سے اُس کے قضا کو ہے رہائی دشوار

موجِ طوفانِ غضب چشمۂ مہ چرخ حباب
ذوالفقارِ شہِ مرداں خطِ قدرت آثار

موجِ ابروے قضا جس کے تصور سے دو نیم
بیم سے جس کے دلِ شحنۂ تقدیر فگار

شعلہ تحریر سے اُس برق کی ہے کلکِ قضا
بالِ جبرئیل سے مسطر کشِ سطرِ زنہار

موجِ طوفاں ہو اگر خونِ دو عالم ہستی
ہے حنا کو سرِ ناخن سے گزرنا دشوار

دشت تسخیر ہو گر گردِ خرامِ دلدل
نعل در آتشِ ہر ذرّہ ہے تیغِ کہسار

بالِ رعنائیِ دُم وجہِ گلبندِ قبا
گردشِ کاسۂ سُم چشمِ پری آئنہ دار

گردِ رہ اُس کی بھریں شیشۂ ساعت میں اگر
ہر نفس راہ میں ٹوٹے نفسِ لیل و نہار

نرم رفتار ہو جو کوہ پہ وہ برق گداز
رفتنِ رنگِ حنا ہے تپشِ بالِ شرار

ہے سراسر رویِ عالمِ ایجاد اُسے
جیبِ خلوتکدۂ غنچہ میں جولانِ بہار

جس کے حیرتکدۂ نقشِ قدم میں مانی
خونِ صد برق سے باندھے بکفِ دست نگار

ذوقِ تسلیمِ تمنا سے بگلزارِ حضور
عرضِ تسخیرِ تماشا سے بدامِ اظہار

مطلعِ تازہ ہوا موجۂ کیفیّتِ دل
جامِ سرشارِ مے و غنچۂ لبریزِ بہار

گردِ جولاں سے ہے تیری بگریبانِ خرام
جلوۂ طور نمک سودۂ زخمِ تکرار

جس چمن میں ہو ترا جلوۂ محروم نواز
پرِ طاؤس کرے گرم نگہ کا بازار

جس ادبگاہ میں تو آئنہ شوخی ہو
جلوہ ہے ساقیِ مخموریِ تابِ دیوار

تو وہ ساقی ہے کہ ہر موجِ محیطِ تنزیہ
کھینچے خمیازے میں تیرے لبِ ساغر کا خمار

گردباد آئنہ فتراک دماغِ دلہا
تیرا صحرائے طلب محفلِ پیمانہ شکار

ذوقِ بیتابیِ دیدار سے تیرے ہے ہنوز
جوشِ جوہر سے دلِ آئنہ گلدستۂ خار

تیرا پیمانۂ مے نسخۂ ادوارِ ظہور
تیرا نقشِ قدم آئینۂ شانِ اظہار

آیتِ رحمتِ بسملۂ مصحفِ ناز
مسطرِ موجۂ دیباچۂ درسِ اسرار

قبلۂ نورِ نظر کعبۂ اعجازِ مسیح
مژۂ دیدۂ نخچیر سے فیضِ بیمار

تہمتِ بیخودیِ کفر نہ کھینچے یارب
کمیِ ربطِ نیاز و خطِ نازِ بسیار

ناز پروردۂ صد رنگ تمنا ہوں ولے
پرورش پائی ہے چوں غنچہ بخونِ اظہار

تنگیِ حوصلہ گرداب دو عالم آداب
دیدِ یک غنچہ سے ہوں بسملِ نقصانِ بہار

رشکِ نظارہ تھی یک برقِ تجلی کہ ہنوز
تشنۂ خونِ دو عالم ہوں بعرضِ تکرار

وحشتِ فرصتِ یک جیب کشش نے کھویا
صورتِ رنگِ حنا ہاتھ سے دامانِ بہار

شعلہ آغاز و لے حیرتِ داغِ انجام
موجِ مَے لیک زِ سر تا قدم آغوشِ خمار

ہے اسیرِ ستمِ کشمکشِ دامِ وفا
دلِ وارستۂ ہفتاد و دو ملت بیزار

ہوۓ خواب سے کرتا ہوں ، بآسایشِ درد
بخیۂ زخمِ دلِ چاک بیکدستہ شرار

ہم عبادت کو ترا نقشِ قدم مہرِ نماز
ہم ریاضت کو ترے حوصلہ سے استفسار

مدح میں تیری نہاں زمزمۂ نعت نبیؐ
جام سے تیرے عیاں بادۂ جوشِ اسرار

جوہر دست دعا آئینہ یعنی تاثیر
یک طرف نازشِ مژگان و دگر سو غم خار

مردمک سے ہو عزا خانۂ اقبالِ نگاہ
خاکِ در کی ترے جو چشم نہ ہو آئینہ دار

دشمن آلِ نبیؐ کو بہ طرب خانۂ دہر
عرضِ خمیازۂ سیلاب ہو طاقِ دیوار

دیدہ تا دل اسدؔ آئینہ یک پرتو شوق
فیض معنی سے خط ساغر راقم سرشار

غالب کے اُردو قصیدہ کی تشریح

(عبد الباری آسی)

(۱) باغ کا ایک ذرّہ بھی بیکار نہیں ہے چنانچہ لالہ بیداغ کا سایہ سویدائے دل بہار بنا ہوا ہے۔ بیداغ سے مراد یہ ہے کہ بہار کا وہ جوش ہے کہ لالہ میں بھی داغ نہیں ہے کیونکہ داغ میں اثر سوختگی ہے۔

(۲) اس قدر مست ہے کہ وہ سبزۂ بالائے کوہ کو بھی شیشہ مے کے ریزے ظاہر کرتی ہے شیشہ مے کی کرچوں کو بوجہ سبزی کے سبزہ سے مشابہت دی ہے تیغ کوہ پہاڑ کی بلندی اور چوٹی کو کہتے ہیں۔

دوسرے معنی یہ ہیں کہ بادصبا کی مستی سے سبزہ ظاہر ہوا ہے اور وہی سبزۂ شیشہ مے سے مشابہ ہے اس لئے کہ صبا نے اس کو ظاہر کیا ہے اور یہ اس کی مستی ہی کا اس پر اثر ہے کہ وہ ریزہ ریزہ شیشہ مے معلوم ہوتا ہے یہی ریزہ بوجہ اپنی تیزی کے تیغ کہسار کا جوہر بن گیا ہے۔ یعنی جیسے جوہر تیغ کے لئے باعث عمدگی ہے ایسے ہی سبزہ پہاڑ کی چوٹی لے لئے۔

(۳) بہار کے اثر سے داغ سیاہ پلنگ سبز ہو گئے

اور ریشۂ نارنج کی طرح شرارے سرخ ہیں

(۴) ابر ایسا مست ہو رہا ہے کہ تمام عالم میں پھیلا ہوا ہے اور گویا دونوں عالم کو آغوش میں لے رکھا ہے میری حسرت کو افسوس آتا ہے کہ ایک یہ ہے جس نے دونوں عالم کو آغوش میں لے رکھا ہے بوجہ طرب انگیزی ابر کے حسرت کے ساتھ گلچینی اور طرب کا ذکر کیا ہے اور ایک میں ہوں یا اس لئے کہ دونوں عالم کے فشار کے ساتھ میرے غم کا فشار ہونا بھی ممکن ہے۔

(۵) تمام کوہ وصحرا بلبلوں کے شوق سے آباد ہے جو لوگ راہ میں سو گئے تھے وہ خندۂ گل سے بیدار ہو گئے ہیں یا یہ کہ سوئی ہوئی راہ یعنی ویران راستے خندۂ گل سے جاگ اٹھے یعنی آباد معلوم ہوتے ہیں۔

(۶) ہوا کے فیض نے ایک غبار کو جو بخط غبار لکھی ہے دونوں جہاں ابر کی یعنی بہت ابر کی تاثیر بخش دی ہے جیسے کہ مژگان خاک آلودہ یتیم ایک سطر آلودہ معلوم ہوتی ہے اور اس سے ہمیشہ آنسو ٹپکتے ہیں۔ اس طرح اب سطر غبار کو جو غالباً ابر کے چھوٹے ٹکڑے سے مراد ہے دو جہاں ابر کی خاصیت سونپ دی ہے یا یہ کہ ہوا اتنی مرطوب ہے کہ غبار جس کا مزاج خشک ہے اس کو بھی مرطوب بنا دیا ہے یعنی آسمان پر ذرا سا غبار نظر آنا بھی سامان بارش ہے۔

(۷) قوت نامیہ وہ قوت جو سبزہ وغیرہ کو بڑھاتی اور بالیدگی بخشتی ہے اس کا یہ زور ہے کہ ایک ناخن تراش کر پھینک دیجئے تو اُس کو بھی ہلال سے بدر بنادے گی۔

(۸) ایک مٹھی خاک جو اڑتی ہے وہ قمری معلوم ہوتی ہے کیونکہ ہوا نے ہر شے میں جان ڈال دی ہے اور کسی شے کا اڑنا دلیل جاندار ہونے کی ہے۔قمری کی تشبیہ کف خاک سے دیتے ہیں اس واسطے کف خاک پرندہ کو قمری کہا گیا۔ دوسرے مصرعہ میں کہتا ہے کہ اگر کاغذ کو جلا دیجئے تو اس میں جو نقطہ پڑتے ہیں اس سے دام کی تصویر بن جاتی ہے۔جس میں سینکڑوں طاؤس نظر آتے ہیں۔ یہ دونوں تمثلیں بھی بے مثل ہیں۔یعنی بوجہ رنگ کے قمری کو کف خاکستر اور بوجہ مشک ہونے کے کاغذ آتش زدہ کو دام طاؤس کہا ہے۔

(۹) اگر تو چاہئے کہ میکدہ میں پھول بھی چنے تو ایک شراب کا پیالہ طاق گلزار میں رکھ کر بھول جا یا یہ کہ قوت نامیہ اس پیالہ کے ہزاروں پیالے بنادے گی اور میکدہ بن جائے گا تو اس صورت میں تو شراب خانہ میں بیٹھ کر پھول بھی چن سکے گا۔

(۱۰) اگر تو اپنی پگڑی گوشہ میخانہ میں بھول جائے تو ہوا اس کو بصورت موج گل بنادے گی اور اسی وجہ سے پھر تجھ کو وہ گوشہ میخانہ میں نہ ڈھونڈنا چاہئے بلکہ باغ میں خلوت خانہ غنچہ میں وہ تجھ کو بصورت موج گل ملے گی۔ایک نازک تشبیہ اس میں یہ ہے کہ پگڑی جب تک بندھی ہے بصورت غنچہ ہے اور جب کھل کر گر گئی تو گویا وہ گل ہوگئی۔

(۱۱) یہ جوش بہار ہے اگر مانی اندیشہ چمن کی تصویر کھینچنے کا ارادہ کرے تو سبزہ نوخیزہ کی طرح خط پر کار سبز ہو جائے۔

(۱۲) چونکہ پہاڑ سے لعل بھی پیدا ہوتا ہے اور سبزہ بھی وہاں ہے تو گویا یہ دونوں مل کر طوطی مدحت سرائے شاہ ہوگا ہے۔سبزہ طوطی لعل مستقار طوطی۔

(۱۳) اس طوطی کا ارادہ اس بادشاہ کی مدحت سرائی کا ہے جس کی تعمیر قصر کے لئے اینٹیں قالب چشم جبرئیل سے بنی ہیں۔

(۱۴) فلک العرش اس کی تعمیر قصر کے لئے ایک خم ہے جس میں مزدور پانی پھر کر لاتے ہیں سلسلہ فیض ازل بصورت اس رشتہ کے ہے کہ جس سے معمار اندازہ کجی دراستی دیوار کا کرتے ہیں۔

(۱۵) ہفت آسمان کا سبزہ اور ایک خط پشت لب بام قصر ممدوح اور سو عارفوں کی ہمت بلند اور ایک اوج حصار موصوف برابر ہیں۔واؤ دونوں مصرعوں میں مساوات کے لئے ہے نظم صاحب نے لکھا ہے کہ اردو میں یہ واؤ مستعمل

نہیں ہے مگر کوئی پوچھے کہ یہ شعر ہی اردو کا کہاں ہے مصنف کا کمال بیان اور قادر الکلامی ہے کہ فارسی کا شعر اردو سے جدا نہیں معلوم ہوتا سبزہ نہ چمن سے سبزہ کی کثرت بھی مراد ہوسکتی ہے۔

(۱۶) اگر وہاں سے کسی کو ایک مٹھی خار و خاشاک مل جائے تو پھر اس کو بازوے پری کے پنکھوں سے نفرت ہو جائے گی۔

(۱۷) صحرائے نجف کی خاک عارفوں کی سیر کا جوہر ہے جوہر وہ جس سے دوسری شے قائم ہو اور اس کی ذات بذات خود قائم ہو۔ یعنی عارفان کامل کی سیر کا باعث اگر ہے تو خاک نجف ہے یعنی اس کی وجہ سے انہیں سیر کی خواہش پیدا ہوتی ہے اور سیر میں جو نقش قدم اس خاک پر پڑتے ہیں وہ گویا آئینہ ہیں جس میں بخت بیدار کی تصویر نظر آتی ہے۔

(۱۸) ذرہ خورشید پر ناز کرتا ہے مگر برعکس اس کے وہاں کی خاک کا ہر ذرہ خورشید کے لئے مایۂ ناز ہے اور وہاں کی گرد امید کے لئے جامۂ احرام ہے جس سے کعبہ بہار کا طواف کرے گی دوسرے مصرعہ میں خلو ہے خاک کی پاکی میں کہ وہاں کی خاک جسم امید پر باعث شرف و مقبولیت سبب قرب بارگاہ ہے۔

(۱۹) بار بار پیدائش عالم وہاں سے فخر مستی ناز حاصل کرنا چاہتی ہے وہاں کی ہر موج غبار ایک انگڑائی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ انگڑائی شرابی کو نشہ کے اُتار کے وقت آیا کرتی ہے گویا وہاں ہر موج غبار انگڑائی لیتی ہے وہ چاہتی ہے کہ شراب مستی ناز پھر حاصل کرے یعنی اس جگہ کی پیدائش کا پھر اظہار فخر کرے کہ مجھی سے یہ سرزمین مبارک بخت پیدا ہوئی۔

منقبت

دہر جز جلوۂ یکتائی معشوق نہیں
ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خود بیں

بے دلی ہائے تماشا کہ نہ عبرت ہے نہ ذوق
بیکسی ہائے تمنا کہ نہ دنیا ہے نہ دیں

ہرزہ ہے نغمۂ زیر و بم ہستی و عدم
لغو ہے آئینۂ فرقِ جنوں و تمکیں

نقش معنی ہمہ خمیازۂ عرضِ صورت
سخن حق ہمہ پیمانۂ ذوقِ تحسین

لافِ دانش غلط و نفع عبادت معلوم
دُردِ یک ساغر غفلت ہے چہ دنیا و چہ دیں

مثل مضمونِ وفا باد بدست تسلیم
صورتِ نقش قدم خاک بفرق تمکیں

عشق بے ربطیٔ شیرازۂ اجزائے حواس
وصل زنگارِ رُخ آئینۂ حسن یقیں

کوہ کن گرسنہ مزدورِ طرب گاہِ رقیب
بے ستوں آئینہ خوابِ گرانِ شیریں

کس نے دیکھا ہے نفس اہل وفا آتش خیز
کس نے پایا اثر نالۂ دلہائے حزیں

سامع زمزمۂ اہل جہاں ہوں لیکن
نہ سرو برگِ ستائش نہ دماغِ نفریں

کس قدر ہرزہ سرا ہوں کہ عیاذاً باللہ
یک قلم خارجِ آدابِ وقار و تمکیں

نقشِ لاحول لکھ اے خامۂ ہذیاں تحریر
یا علیؑ عرض کر اے فطرتِ وسواس قریں

مظہر فیض خدا جان و دلِ ختم رسل ﷺ
قبلۂ آلِ نبی کعبۂ ایجاد و یقیں

ہو وہ سرمایۂ ایجادِ اگر گرمِ خرم
ہر کف خاک ہے واں گردۂ تصویر زمیں

جلوہ پرواز ہو نقشِ قدم اس کا جس جا
وہ کفِ خاک ہے ناموسِ دو عالم کی زمیں

نسبت نام سے اس کے ہے یہ رُتبہ کہ رہے
ابداً پشتِ فلک خم شدۂ نازِ زمیں

فیضِ خلق اس کا ہی شامل ہے کہ ہوتا ہے سدا
بوئے گل سے نفسِ بادِ صبا عطر آگیں

برشِ تیغ کا اُس کے ہے جہاں میں چرچا
قطع ہو جائے نہ سر رشتۂ ایجاد کہیں

کفر سوز اُس کا وہ جلوہ ہے کہ جس سے ٹوٹے
رنگ عاشق کی طرح رونقِ بتخانۂ چیں

جاں پناہا ! دل و جاں فیض رسانا ! شاہا !
وصیِ ختم رسل تو ہے بہ فتوائے یقیں

جسمِ اطہر کو ترے دوشِ پیمبر ﷺ منبر
نامِ نامی کو ترے ناصیۂ عرش نگیں

کس سے ممکن ہے تری مدح بغیر از واجب
شعلۂ شمع مگر شمع پہ باندھے آئیں

آستاں پر ہے ترے جوہر آئینہ سنگ
رقم بندگی حضرتِ جبرئیل امیں

تیری مدحت کے لئے ہیں دل و جاں کام و زباں
تیری تسلیم کو ہیں لوح و قلم دست و جبیں

کس سے ہو سکتی ہے مداحی ممدوحِ خدا
کس سے ہوسکتی ہے آرائش فردوسِ بریں

جنس بازار معاصی اسد اللہ اسدؔ
کہ سوا تیرے کوئی اس کا خریدار نہیں

شوخی عرضِ مطالب میں ہے گستاخ طلب
ہے ترے حوصلۂ فضل پہ از بسکہ یقیں

دے دعا کو مری وہ مرتبۂ حسن قبول
کہ اجابت کہے ہر حرف پہ سو بار آمیں

غمِ شبیرؑ سے ہو سینہ یہاں تک لبریز
کہ رہیں خونِ جگر سے مری آنکھیں رنگیں

طبع کو الفت دلدل میں یہ گرمیِ شوق
کہ جہاں تک چلے اس سے قدم اور مجھ سے جبیں

دلِ الفت نسب و سینۂ توحید فضا
نگہہ جلوہ پرست و نفس صدق گزیں

صرفِ اعداد اثر شعلہ دودِ دوزخ
وقف احباب گل و سنبل فردوسِ بریں

مطلع ثانی

توڑے ہے عجز تنک حوصلۂ بر روے زمیں
سجدہ تمثال وہ آئینہ ، کہیں جس کو جبیں

توڑے ہے نالہ سرِ رشتۂ پاسِ انفاس
سر کرے ہے دلِ حیرت زدہ ، شغلِ تسکیں

یاس تمثالِ بہار آئینۂ استغنا
وہم آئینۂ پیدائیِ تمثالِ یقیں

خوں ہوا جوشِ تمنا سے دو عالم کا دماغ
بزمِ یاس آنسوے پیدائی و اخفا رنگیں

خانۂ ویرانیِ امید و پریشانیِ بیم
جوشِ دوزخ ہے خزانِ چمنِ خلدِ بریں

بادِ افسانۂ بیمار ہے عیسیٰؑ کا نفس
استخواں ریزۂ موراں ہے سلیماںؑ کا نگیں

معنیِ لفظِ کرم بسملۂ نسخۂ حسن
قبلۂ اہلِ نظر کعبۂ اربابِ یقیں

جلوہ رفتار سرِ جادۂ شرع تسلیم
نقشِ پا جس کا ہے توحید کو معراجِ جبیں

کوہ کو ، بیم سے اُس کے ہے جگر باختگی
نہ کرے بذلِ صدا ورنہ متاعِ تمکیں

وصفِ دُلدل ، ہے مرے مطلعِ ثانی کی بہار
جنتِ نقشِ قدم سے ہوں میں اُس کی گلچیں

مطلع ثالث

گردِ رہ سرمہ کشِ دیدۂ اربابِ یقیں
نقشِ ہر گام دو عالم صفہاں زیرِ نگیں

برگِ گل کا ہو جو طوفانِ ہوا میں عالم
اُس کے جولاں میں نظر آئے ہے یوں دامنِ زیں

اُس کی شوخی سے بحیرت کدۂ نقشِ خیال
فکر کو حوصلۂ فرصتِ ادراک نہیں

جلوۂ برق سے ہو جائے نگہ عکس پزیر
اگر آئینہ بنے حیرتِ صورتگرِ چیں

ذوقِ گلچینیٔ نقشِ کفِ پا سے تیرے
عرش چاہے ہے کہ ہو در پہ ترے خاک نشیں

تجھ میں اور غیر میں نسبت ہے و لیکن بتضاد
وصیِ ختمِ رسلؐ تو ہے باثباتِ یقیں

دادِ دیوانگیِ دل کہ ترا مدحت گر
ذرّے سے باندھے ہے خُرشیدِ فلک پر آئیں

موجِ خمیازۂ یک نشہ چہ اسلام و چہ کفر
کجی یک خط مطرچہ توہم چہ یقیں

قبلہ و ابروے بُت یک رہِ خوابیدۂ شوق
کعبہ و بتکدہ یک محملِ خوابِ سنگیں

عیشِ بسمل کدۂ عہدِ حریفاں معلوم
خوں ہو آئینہ کہ ہو جامۂ طفلاں رنگیں

نزعِ مخمور ہوں اُس دید کی دھن میں کہ مجھے
رشتۂ سازِ ازل ہے نگہِ باز پسیں

حیرت آفت زدۂ عرضِ دو عالم نیرنگ
مومِ آئینہ ایجاد ہے مغزِ تمکیں

وحشتِ دل سے پریشاں ہے چراغانِ خیال
باندھوں ہوں آئینے پر چشمِ پری سے آئیں

کوچہ دیتا ہے پریشاں نظری پر صحرا
رمِ آھو کو ہے ہر ذرے کی چشمک میں کمیں

چشمِ امید سے گرتے ہیں ، دو عالم ، جوں اشک
یاس پیمانہ کشِ گردۂ مستانہ نہیں

کس قدر فکر کو ہے نالِ قلم موے دماغ
کہ ھوا خوں گلۂ شوق میں نقشِ تمکیں

عذرِ لنگ آفتِ جولانِ ھوس ہے یارب
جل اُٹھے گرمیِ رفتار سے پاے چوبیں

نہ تمنا ، نہ تماشا ، نہ تحیر ، نہ نگاہ
گردِ جوہر میں ہے آیئنۂ دل پردہ نشیں

کھینچوں ہوں آیئنے پر خندۂ گل سے مسطر
نامہ عنوانِ بیانِ دلِ آزردہ نہیں

رنجِ تعظیمِ مسیحا نہیں اُٹھتا مجھ سے
درد ہوتا ہے مرے دل میں جو توڑوں بالیں

بسکہ گستاخیِ اربابِ جہاں سے ہوں ملول
پرِ پروانہ مری بزم میں ہے خنجرِ کیں

اے عبارت تجھے کس خط سے ہے درسِ نیرنگ؟
اے نگہ تجھ کو ہے کس نقطے میں مشقِ تسکیں؟

جلوۂ ریگِ رواں دیکھ کہ گردوں ہر صبح
خاک پر توڑے ہے آئینۂ نازِ پرویں

شورِ اوہام سے مت ہو شبِ خونِ انصاف
گفتگو بے مزہ و زخمِ تمنا نمکیں

ختم کر ایک اشارت میں عباراتِ نیاز
جوں مہِ نو ہے نہاں گوشۂ ابرو میں جبیں

غالب کے اُردو قصیدہ کی تشریح

عبد الباری آسیؔ

(۱) اے کاشانہ بہار کی شمع نورانی تیرا فیض سب کو پہنچتا ہے دل پروانہ میں چراغان کی اور بلبل کے پر میں گلزار کی کیفیت پیدا ہوگئی ہے یعنی تیرے سبب سے سب کی مراد حاصل ہوتی ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ تیرا فیض سب کو پہنچا ہے دل پروانہ میں تیری محبت کے سوز گداز سے جو داغ پڑے وہ چراغاں کا عالم پیش نظر کرتے ہیں اور وہی پرواز کا مقصود ہے اور پر بلبل پر تیری محبت کے نقش نے گلزار بنادیا ہے اور وہ اس کا عین مطلب ہے مگر ان رعایتوں کے باوجود معنی اولٰی زیادہ صاف ہیں۔

(۲) آئینہ خانہ تیرے جلوے کے شوق میں پرواز کرتا ہے۔ آئینہ خانہ کی مور سے تشبیہہ نہایت عمدہ ہے۔

(۳) تیری اولاد کے غم میں ہلال ایک مژہ اشکبار ہے یعنی جو آنسو نکلتے ہیں وہ موتی ہیں اختر کو مژہ اشکبار اور اختر کو گوہر قرار دیا۔

(۴) تیرا نقش قدم سجدہ گاہ عبادت ہے تیرے ہی حوصلہ سے عبادت کو قوت پہنچتی ہے۔

(۵) تیری مدح سرائی کرنا عین رسولؐ مقبول کی مدح سرائی ہے تیرا جام محبت جو پیتا ہے وہ بادہ اسرار سے سرشار ہو جاتا ہے۔

(۶) دست دعا آئینہ ہے جس کا جوہر تاثیر ہے وہ ایک طرف مژگان اشک فشان کے لئے مایہ ناز ہے تو دوسری طرف حسرت دل کے واسطے خار غم ہے کیونکہ دعا کرتے وقت مژگان سے آنسو نکلتے ہیں جس سے دعا قبول ہوتی ہے اس سبب سے تو وہ جوہر آئینہ دست دعا یعنی تاثیر فخر مژگان ہے دوسری طرف چونکہ حسرت دل اس تاثیر کی وجہ سے مٹی جاتی ہے اُس کے لئے خار غم ہے یا یہ کہ وہ جوہر آئینہ دونوں چیزوں کا سبب ہے یہ ایک طرف سے اس سے مژگان کو ناز ہے دوسری طرف وہ کانٹا بنی ہوئی ہے یعنی کانٹے سے مشابہ ہے

یہ بھی معنی پیدا ہوتے ہیں کہ سب جگہ آئینہ میں جوہر ہوتا ہے لیکن یہاں معاملہ برعکس ہے۔۔۔ دعا کا جوہر آئینہ سے مراد تاثیر ہے۔ آئینہ سے تاثیر کی تشبیہہ اس لئے دی ہے کہ آئینہ کا حسن وقبح ناظر کو ظاہر کرتا ہے اور تاثیر بھی نتیجہ دعا کو ظاہر کرتی ہے اس لئے گویا یہ آئینہ تاثیر ہے جس نے نتیجہ یہ ظاہر کیا ہے کہ ایک طرف مژگان کو فخر ہے اور دوسری طرف غم خار ہے یعنی دست دعا کا جوہر آئینہ اور آئینہ تاثیر تو گویا تاثیر جوہر ہے اور اسی جوہر کے دو اثر ہیں ایک

طرف نازش مژگان اور دوسری طرف خار دل غم اس صورت میں جو ہر دست دعا آئینہ کی انوکھی ترکیب ہونے کا اعتراض بھی اٹھ گیا جو نظم صاحب نے اپنی شرح میں غالب پر کیا ہے۔

(۷) جو آنکھ تیرے خاک در کی تابع فرمان نہ ہو خدا کرے کہ وہ اقبال نگاہ کے لئے عزا خانہ بن جائے اور پتلی جو سیاہ پوش اور ماتمی لباس پہنے ہوئے ہے اس گھر کی عزادار ہو یعنی وہ ہمیشہ اقبال کا سوگ کیا کرے اور کبھی اس کو کامرانی کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہو۔

(۸) دشمن آل نبی کو خدا کرے کہ دنیا کے طرب خانہ میں ہر طاق دیوار طرب خانہ منبع سیلاب طوفان حوادث ہو جائے۔ یہ شعر بھی دعائی ہے۔

(۹) اے اسدؔ آنکھ سے لے کر دل تک میں ایک پرتو شوق بنا ہوا ہوں اور اسی وجہ سے اس فیض سے میرا خط ساغر شوق شراب معنی سے لبالب ہے۔

(۱)　اس شعر میں کئی معانی پیدا ہوتے ہیں اول تو یہ کہ دنیا کا قیام محض یکتائی معشوق سے ہے۔ سوائے اپنے دوسرے کو دیکھنا پسند کرتا تو دنیارہ نہ جاتی یعنی اگر تجلی انوار دنیا پر پڑتی یہ جل کر خاک ہو جاتی اور اس کا کہیں وجود نہ رہتا۔

دوسرے اگر حسن یکتائی کو پسند نہ کرتا یکتا نہ ہوتا۔ یعنی ذات باری تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ نہ ہوتی تو آسمانوں اورزمینوں میں فساد ہو جاتا اور یہ سبب بربادی کا ساتھ **لو کان فیھما الھتہ الا اللہ لفسدتا** تیسرے یہ کہ تکوین کائنات محض تماشائے خود بینی کے لئے ہیں یعنی حسن طرح طرح سے اپنے جلوے دیکھنا چاہتا ہے۔

یا یہ کہ حسن نے اپنے جلوۂ یکتائی ہی سے کام کیا ورنہ اگر ایسا نہ ہوتا تو نہ معلوم ہم کہاں اور کس صورت کس حال میں ہوتے اشارہ مذہب صوفیاء قایل ہمہ از وست وہمہ اوست کی طرف۔

(۲)　ہم تماشائے دہر میں مصروف ضرور ہیں مگر نہایت بے دلی سے کہ جس سے نہ کوئی عبرت حاصل کرتے ہیں نہ کوئی ذوق ہماری تمنا بالکل بکس ہے کہ نہ دنیا حاصل ہوتی ہے نہ دین حاصل ہوتا ہے یعنی اگر ہم تماشائے نیرنگی عالم سے عبرت حاصل کریں تو دین کا فائدہ ہے اور اگر لطف پیدا ہو تو دنیا کا مزا ہے مگر یہاں تو بیدلے کے ساتھ تماشہ ہے جس سے کوئی تمنا پوری نہیں ہوتی۔

(۳)　یعنی خیالات ہستی وعدم اور جنون و وقار میں فرق کرنا یہ سب لغو ہے سوائے وحدت وجود کے خیال کے ساری باتیں بیکار ہیں زیر و بم اور ہستی وعدم میں لف ونشر ہے زیر سے عدم اور بم سے ہستی کو مشابہ کیا ہے یعنی اور اشیا کا خیال وذکر فضول ہے بے بس۔

(۴)　آج کل نقش معنی سے یعنی اس کی دعویداری سے اپنی ظاہرداری کی آراستگی اور ذکر حق سے ذوق تحسین کا کام لیا جاتا ہے باقی کچھ نہیں

(۵)　دانشمندی کا ادعا اور شیخی بالکل فضول ہے اس سے گویا دین کی طرف سے غفلت کرنا ہے اور عبادت بامید نفع بالکل فضول ہے دین تو دین دنیا کو بھی اس کے ہاتھوں غارت کیا جاتا ہے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ دونوں امور حق پرستی وحق شناسی سے غافل کرنے والے ہیں۔

(۶)　بادبدست بیہودن بے بیہودگی۔ یعنی جیسے مضمون وفا بیہودہ اور فضول ہے اسی طرح تسلیم ورضا بیکار ہے یا اس کا نتیجہ پشیمانی و پریشانی ہے تمکین مثل نقش قدم کے خاک بسر اور پریشان ہے۔ مطلب یہ کہ تسلیم ورضا کا نہ کوئی

نتیجہ۔ نہ تمکین سے کوئی فائدہ۔

(۷) عشق کا نتیجہ یہ ہے کہ شیرازۂ حواس درہم برہم ہو جائے اور وصل حسن یقین کے آئینہ پر زنگ پیدا کرتا ہے یعنی وصل سے جدائی ثابت ہوتی ہے اور اس یقین کے آئینہ پر کہ ہم وہی ہیں زنگ لگتا ہے لہٰذا دونوں بے سود۔

(۸) فرہاد عاشق کیا ہے اپنے رقیب کے عشرت کدہ کا مزدور ہے اور بے ستون کیا ہے وہ شیریں کے خواب گراں کا آئینہ ہے جس سے فرہاد حیران و پریشان اور جان بلب ہے یعنی عاشق اس مصیبت میں ہے اور اُسے خبر نہیں یہی مضمون غزل میں کہہ چکے ہیں۔

(۹) آج کل کے جو اہل وفا ہیں اُن میں آتش خیزی نہیں ہے اور اسی لئے بے اثر و بے کار ہیں ایک جگہ کہتے ہیں

وفائے دلبران ہے اتفاقی ورنہ اے ہمدم

اثر فریاد دلہائے حزیں کا کس نے دیکھا ہے

نالوں میں درد انگیزی اور آتش خیزی نہ فریاد میں اثر ریزی ہر شے بدل گئی ہے۔

(۱۰) لوگ جو کچھ زمزمہ سرائی کرتے ہیں انہیں سُن لیتا ہوں مگر اس کی پروا نہیں ہے نہ ستائش کی تمنا اور نہ نفرین کا دماغ

(۱۱) معاذ اللہ میں بھی کتنا بیہودہ گو ہوں آداب وقار تمکین سے سراسر خارج ہوں یہی اس قصیدہ کا مخلص و گریز ہے۔

(۱۲) اے قلم تو دسواسات سے نزدیک ہے اور جو کچھ اب تک لکھا وہ سب بیہودہ بکا لہٰذا اب یا علیؑ لکھ کر اس ہزیان سرائی اور وسواس شیطانی سے نجات پالے۔

(۱۳) فیض خدا کے حضرت علی کرم اللہ وجہ مظہر ہیں اور رسول خاتم النبیین ﷺ کے پیارے ہیں آلؑ نبی کے قبلہ وکعبہ یقین کے موجد ہیں۔

(۱۴) اگر وہ سرمایہ ایجاد چلیں اور گرم رفتار ہوں تو ہر کف خاک اس زمین کی جس پر پاؤں کے نقش پڑیں تصویر ربع مسکون بن جائے کیونکہ وہ سرمایہ ایجاد اور باعث ایجاد عالم ہیں۔

(۱۵) جس جگہ اُن کا نقش قدم پڑے اتنی زمین ننگ و ناموس عالم کی زمین ہے یعنی سب عز و افتخار کونین وہی زمین ہے۔

(۱۶) یہ اسی کے نام کا شرف ہے کہ ہمیشہ زمین کے ناز اُٹھانے کے لئے آسمان کی پشت جھکی رہتی ہے نسبت نام

اس وجہ سے کہا کہ حضرت علیؑ کی کنیت ابوتراب ہے اورتراب مٹی کو کہتے ہیں۔

(۱۷) یہ اُسی کے خلق کا فیض گل کو پہنچا ہے کہ وہ خوشبودار ہے اور بادِ صبا کو بھی وہ فیض پہنچاتا ہے

(۱۸) چونکہ اس کی تلوار کی کاٹ کا ذکر ہے تو کچھ تعجب نہیں کہ سررشتہ ایجاد منقطع ہو جائے۔

(۱۹) اس کا جلوہ وہ کفر سوز ہے جس سے بت خانہ چین کی رونق عاشق کے رنگ کی طرح اڑ جائے یہ رنگ شکستن کا ترجمہ ہے

(۲۰) اے تو میری جان پناہ اے میرے دل وجان اے فیض رساں اے بادشاہ تو رسولؐ مقبول کا یقینی وصی ہے۔

(مصنف اپنے جوشِ عقیدت میں اپنے مذہب کے موافق یہ لکھ گئے ہیں ورنہ یہی وہ مسئلہ ہے جس نے دنیائے اسلام میں دو گروہ سنی وشیعہ بنادیے۔ حالانکہ نہ آج حضرت علیؑ ہیں نہ حضرت عمرؓ اور یہ سب جھگڑا اور اس کا اعادہ فضول سے کم نہیں ہے۔ عبدالباری آسی)

(۲۱) تو راکب دوش پیمبرؐ ہے اور تیرا نام نامی عرش اعظم پر نقش ہے۔

(۲۲) جیسے شعلہ ہی شمع کی زیست کرسکتا ہے ایسے ہی تیری تعریف خدا کے سوائے کوئی نہیں کرسکتا۔

(۲۳) انسانوں کو جو جان ودل اور دیں ملے ہیں تو گویا یہ خدا نے تیرے سنگ آستان پر نثار کرنے کا سامان کردیا ہے۔

(۲۴) دل وجان کام وزبان سب تیری تعریف کرنے کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ لوح وقلم ہاتھ اور جبین کی طرح تیرے سلام کرنے کے لئے بنے ہیں لوح کو جبین اور قلم کو ہاتھ سے بہ لحاظ محل بے مثل تشبیہ ہے۔

(۲۵) ایسا کوئی نہیں ہے جو ممدوح خدا کی مداحی کرے اور ایسا کوئی نہیں جو فردوس کو جو خود آراستہ ہے اور رونق دے سکے۔

(۲۶) میں بازار معاصی کی ایک جنس ہوں اور مجھے کوئی سوائے تیرے قبول نہیں کرسکتا اور میں قطعاً ناکارہ ہوں۔

(۲۷) چونکہ اسداللہ کا عقیدہ یہ ہے کہ تو کریم ہے اس واسطے اپنے مطالب کے عرض کرنے میں وہ نہایت شوخ اور بے باک ہے اور گستاخی سے اپنی تمناؤں کے پورے ہونے کا متمنی ہے

(۲۸) تو میری دعا کو ایسا حسن وقبول کا رتبہ عطا کر کہ میں دعا مانگوں اور قبول ہر بار آمین کہے۔

(۲۹) غم حضرت شہیدؑ یہاں تک میرے سینہ میں بھر جائے کہ ہر وقت اس سے خون ٹپکے گویا دل وجگر ساغر لبریز ہوں اور آنکھوں کی راہ سے چھلکتے رہیں۔

(۳۰) میری طبعیت کو دُلدل کی محبت میں یہ سرگرمی ہو کہ وہ جہاں تک چلے میں وہاں تک سجدہ کروں۔

(۳۱) میرے دل میں نسب الفت بھرا رہے اور میرا سینہ توحید کا میدان ہو یعنی اس میں توحید ہی توحید ہو میری نگاہ مے جلوۂ خیالی سے سرشار رہے اور میرے نفس میں صدق وصفا رہے پہلے مصرع کی دونوں ترکیبوں کو نظم صاحب نے مہمل لکھ دیا ہے لیکن یہ نہیں لکھا کہ کیوں لہٰذا کیا لکھیں۔

(۳۲) دشمنوں کے لئے دود دوزخ صرف ہو اور دوستوں کو بہشت وقف ہو۔ دوزخ کے دھوئیں کے مقابلہ میں سنبل لایا گیا ہے اور یہ مشابہت نہایت خوب ہے۔

☆......☆......☆

منقبت حضرت امام حسین علیہ السلام

مگر مرا دل کافر بود شب میلاد
کہ ظلمتش دھد از گور اھل عصیان باد

بطالعی ز عدم آمدم بباغ وجود
کہ رفتہ بود بدروازۂ ارم شداد

خروش مرگ کہ طوفان نا امیدیھاست
غریویاس کہ مرگے بہ تو مبارکباد

طلوع نشۂ بیم ھلاک طالع وقت
ھجوم عرض بلاھاے تازہ عرض بلاد

جحیم ناظر و خشم خدای مستولی
سھیم دشمن و ھیلاج دیدۂ حساد

قضا نگارش اسرار شکل زائچہ را
کند ز دود دل دردمند اخذ مداد

مگوی زائچہ کاین نسخہ ایست از اسقام
مگوی زائچہ کاین جامعیست از اضداد

خود اصل طالع من جزوی از کمانستی
کزوست ناوک غم را هزار گونه کشاد

خرام زهره بطالع اگرچه داده نشان
هم از لطافت طبع و هم از صفای نهاد

دلی ازانکه غریب ست زهره اندر قوس
نشسته بر رخ نقد قبول گرد کساد

تو گوئی از اثر انتقام هاروت ست
که مر بطالع من چرخ زهره را جا داد

به صفر جدی ذنب را اشارهٔ باشد
بخاک وحلقهٔ دام و کمینگه صیاد

چه دام؟ روح و روان گذارش پر و بال
چه صفر؟ رنج و الم را فزایش اعداد

ز مهر و پیکر تیر آشکار گشته بجدی
فروغ اخگر رخشنده و کفی زرماد

بحوت درشده هم مشتری و هم مریخ
یکی کفیل صلاح و یکی دلیل فساد

یکی بهیأت پیری که ناگه از غوغا
بکنج صومعه وامانده باشد از اوراد

یکی بصورت ترکی که از پئی یغما
ستیزه جوی درآید بخانۀ زهاد

قمر به ثور که کاشانۀ ششم باشد
چو نور خویش کند دستگاه خصم زیاد

سیاه گشته دو پیکر ز سیلئ کیوان
چنانکه از اثر خاک تیره گردد باد

بدین دو نحس نگر تا چه شکل مستقبل
کشیده اند تربیع خویش در اوتاد

بچارمین کده بهرام پنجمین پایه
به هفتمین زده کیوان بهفتمین بنیاد

کند چو ترک ستمگر به کشتن استعجال
کند چو هندو رهزن ببردن استبداد

ز حوت هیبت طوفان نوح پرده کشا
عیان ز صورت جوزا نهیب صرصر عاد

تو و خدا که درین کشمکش که من باشم
چگونه چون دگران زیستن توان بمراد

روان ز غصه سفالیست در گزر گه سنگ
خرد ز فتنه چراغیست بر دریچهٔ باد

ز جوش خون جگر دیده کوزهٔ صباغ
ز سوز داغ درون سینه کورهٔ حداد

گزارش هوسم نوبهار دروی ماه
گزارش نفسم آفتاب در مرداد

مرا چو سایه سیاهست روز و شب تاریک
مرا چو شعله معاش ست دود و داغ معاد

کبود پوشم و قرطاس پیرهن سازم
گهی بماتم دانش، گهی بحسرت داد

نفس بلرزه ز باد نهیب کلکته
نگاه خیره ز هنگامۂ الٰه آباد

تو ای ستاره ندانی که رنجم از آزار
تو ای سپهر نه سنجی که ترسم از بیداد

ترا غمیست بسرمایۂ گرانی کوه
مرا دمیست به نیروی تیشۂ فرهاد

من و بلای تو نطع ادیم و تاب سهیل
من و جفای تو شاگرد و سیلی استاد

فغان و حوصلۂ دل شراره و خارا
غبار و ناصیۂ بخت جوهر و فولاد

من و ستم دل رنجور و التفات طبیب
من و خطر رگ مجنون و نشتر فصاد

بگوش تاب طبیعت روم، معاذ الله
ندیده لم که خود از کیست جمله بست و کشاد

ستاره را همه رفتار ز اقتضای قضاست
چنانکه جنبش نرد از انامل نراد

ز گردشی که به گردون همی کنم ثابت
ستاره رفته بچشمک زنی که ها سمراد

فلک کجائی و طالع چه و ستاره کدام؟
کنم شکایت دشمن ز دوست شرمم باد

غزل سرایم و در مهر پیچم از اندوه
ترانه سنجم و برخیزم از سر فریاد

ز رشک گویم و داند که نالم از بیداد
رسیده ام بنگاری که کس بدو مرساد

تو گفته ای که چو میری فدای من گردی؟
شوم فدای تو من برنتابم این میعاد

ز جور تو به تغافل ز خویش بگزشتیم
به پشت چشم نهادیم شکوه را بنیاد

هزار بار ز خوبان گرفته ام بفریب
هم از مشاهده کام و هم از معانقه داد

تو آن نه ای که بهنگامه با تو در گیرد
به بحث جلوه سخن راندن از گل و شمشاد

گزیده گوئی غالبؔ نگر که از تف مغر
چه نغز شیوه در ابداع کرده است ایجاد

بیا! که شوق عنان سخن بگرداند
ز سنگلاخ شکایت بمرغزار و داد

بیا! که نیست ثباتی بدین نشاط و ملال
بیا! که نیست دوامی بدین بیاض و سواد

بیا! که زود سراید زمانۂ اندوه
شود روان گرامی ز بند تن آزاد

بیا ! کہ دادہ نوید نکوئی فرجام
حسینؓ ابن علیؑ آبروی دانش و داد

بدان اشارہ کہ چون در خدای گم گردید
نمود نزد خدا امت نیا را یاد

دوئی نبود و سرش ہمچنان بسجدہ فرود
زہے امام و زہے استواریِ پاساد

عنایت ازلی گاہوارہ جنبانش
بزرگوار جہان تا بآدم از اجداد

ہدایت ابدی پیشکار دیوانش
خدایگان امم تا بخاتم از اولاد

گزین امام ہمامی کہ در خدا طلبی
فزودہ پیش خداوند آبروی عباد

بہین شہید سعیدیکہ باج تشنہ لبی
گرفتہ حبل وریدش ز خنجر جلاد

زهے بـرتبـه ملقـب بسید الشهداؑ
زهے بـه نطفـه موشح بـه سید السجادؑ

ز نقـش پـای تـو مهراب سازی اقطـاب
ز گـرد راه تـو، سـجـاده بـانـي اوتـاد

چـراغ بـزم عـزای تـو دیدۂ خـونبـار
نشـان مـحـو ولای، تـو خـاطـر نـاشـاد

زند ز موجـۂ خـود دیده در هوای تو بـال
بـود ز لـخـت جگـر نـالـه را براه تـو زاد

ز عتبـه بـوسئ مهر تو روسپید احـرام
ز دلـنـوازیِ نطـق تـو کـامیـاب ارشـاد

ز تـاب داغ غـمـت سـرخـروئـي ارواح
ز فیض خـاک درت سبز بختي اجسـاد

لـوای قـدر تـو بالای این فـرازین کـاخ
جهـان جـاه تـو آنسوی این فـرودین لاد

اجل نهیب بمیدان رزم از تو عمود
قوی اساس در ایوان شرع از تو عماد

بیان ز حزم تو صورت کشای صلح و صلاح
نشان ز عزم تو معنی نمای جهد و جهاد

ز دانش تو ببال عطیۂ ایثار
ز بینش تو به فیض افاضۂ امداد

کند مشاهده شاهد ز تربت عاشق
نمود گریه ز دل همچو دجله در بغداد

بسان باده ز مینا بدیدۂ بینا
دهد نشان گل از خاک کور مادر زاد

توئی که یاد تو وقت نیایش یزدان
مبارک آمده همچون درود در اوراد

ولی ولای تو چون فیض مبدٔ فیاض
رسیده است بهر کس بقدر استعداد

چو عین ثابته را اقتضای ذاتی هست
نتافت نیر مهرت بفرق ابنِ زیاد

قضا که دیده درستی کجا روا دارد
که سرمه هدیه فرستد بکور مادر زاد

ستم رسیده اماما ، بخون طپیده سرا!
که کربلا ز تو گردیده قبله گاه بلاد

چو خود بحوصلۀ لطف تست استظهار
چو خود بجائزۀ جود تست استمداد

چرا ز شوخي ابرام بایدم رو ساخت
چرا بعربده خاموش بایدم استاد

ز دل به لاف ولای تو جوش میزندم
روان فروز رقمهای راستی بنیاد

بسر بزرگی و کوچک ولی ز من بپزیر
اگر دمد همه نقش آلوف از آحاد

بدان خدای که از فرط مهربانی او
برند پیش وی از دست خویشتن فریاد

برهبری که گدایان کوئی غفلت را
ز نور شرع چراغی برهگزار نهاد

بدان سمی خداوند کز کمال شرف
خدای راست ولی و رسولؐ را داماد

بدان کریم که در جنب ریزۂ الماس
جواهر جگر پاره پاره بیرون داد

برسم و راه تو کاورده رنگ و بوی وفاق
بخاک پای تو کافزوده آبروی و داد

به نه گهر که توآن را سحاب نیسانی
نفوس قدسیه یعنی ائمۂ امجاد

به رهروی که گراید بسایۂ شمشیر
به تشنۂ که ستیزد بدشنۂ فولاد

بشدتی، که رود در طریق استعجل
بحیرتی که بود در مقام استبعاد

بتازه روئي بستانیان مهر و وفاق
بزشت خوئي زندانیان بغض و عناد

بدشتبانی ترکان ایبک و قبچاق
به میرزائي خوبان خلخ و نوشاد

به دور گرد غزالان دامن صحرا
به خوشخرام تدروان سایهٔ شمشاد

به خواری اثر نغمه در نهاد اصم
به هیچي رقم نامه پیش کور سواد

به آتشی که بود ویژه بهر ساز نبرد
به مصلحت که بود خاصه از برای فساد

به نسبت هوس صید گور با بهرام
به شهرت رم برق درفش با کشواد

به نوجوانیِ سهراب و غفلت رستم
به لغزش قدم رخش و چاهسار شغاد

به انتشار شمیم و به انتعاش مشام
به اهتزاز نبات و بانقباض جماد

به استواریِ دانش به سست عهدیِ وهم
بسرفرازی شاهین به خاکساریِ خاد

به بیدماغی بیمار و اختلاط طبیب
به بیگناهیِ اطفال و شدت استاد

به موکشای یلدا و مرگ آذر ماه
به هرزه تازیِ باحور و رخصت خرداد

به صبر من که بود همچو آب در غربال
به عیش من که بود همچو عید در اشناد

به یاس شب بسر آوردگان بزم وصال
به داغ روز فرو رفتگان باغ مراد

به شادمانی بزمی که باشد اندر وی
شراب خم خم و رندان حریص و ساقی راد

بخاطری که ز سودای رشک نکهت زلف
بسان زلف بخود پیچد از وزیدن باد

به سازگاری وادی که خامه در تحریر
دهد به لیلی و مجنون ز خسرو و فرهاد

به شکوهٔ کـه سرایند محرمان عروس
به مصلحت ز زبان عروس با داماد

به سادهٔ کـه بـه بی پردگی دهد الزام
اگر بـه پرده گه نازش از گل آری یاد

به کلبهٔ که نشیند بخاک پیش از خویش
به سایهٔ کـه فتد در مغاک بعد از لاد

به حسرتی که بجوشد ز کاشکی یارب
به جرأتی که تراود ز هرچه بادا باد

به نخوتی که عدو را بود بمال و منال
به نازشی که مرا میرسد بخوی و نژاد

به آتشی که ز تری چکیده از لب من
به پیچشی که ز کژی فتاده در حساد

که ذره ذرهٔ خاکم ز تست نقش پزیر
نه نقشبند ازل نی ز مانی و بهزاد

غمت اگر همه مرگست من بدان زنده
ولایت ار همه در دست من بدان دلشاد

ز تو که زیبدم البته رنگ رنگ سوال
ز تو که بخشیم البته گونه گونه مراد

امید را بدعای همی دهم تسکین
خرابه را بهوای همی کنم آباد

که چون بحشر غلامان خویش بشماری
کجاست غالبؔ آواره؟ بر زبانت باد

منقبت سید الشهدا علیه التحیة والثنا

ابر اشکبار و ما خجل از نا گریستن
دارد تفاوت آب شدن تا گریستن

فواره وار اشک ز فرقم جهد به هجر
گم کرده راه چشم به شبها گریستن

از ضبط گریه حالی من شد که مجملاً
رنجیست سخت حوصله فرسا گریستن

مردم گرم ز دور شناسند دور نیست
دارد چو سیل در دلم آوا گریستن

از رشک شمع سوختم اندازه دان کسیست
خوش جمع کرده سوختنی با گریستن

پنهان دهند وایه بیاران تنگدست
دارم نهفته بر لب دریا گریستن

نگزشت آب تا ز سر اینم هراس بود
کارد چه فتنه بر سرم آیا گریستن

خوش در گرفته صحبت من با گداختن
خوش صاف گشته الفت من با گریستن

گوئی در اهتمام دل و دیدهٔ من ست
پنهان بخون تپیدن و پیدا گریستن

گوئیم و گفته را بتو خاطر نشان کنیم
باقیست بعد مرگ بسیبا گریستن

مارا بمسلک اثر خامهٔ قضا
در سرنوشت بود مهیا گریستن

ناگه از آن شتاب که اندر بذات اوست
کرد آن اساس را ته و بالا گریستن

سرزد جوش گریه چنین ورنه خود دراصل
امشب نبود مردن و فردا گریستن

نشگفت گر بقاعده مستوفیان کار
از ما طلب کنند پس از ما گریستن

خواهم بخواندن غزل عاشقانهٔ
بر رهگزار دوست بغوغا گریستن

دارم بذوق جلوهٔ حسن برشتهٔ
نقشی کشیدن و به تمنا گریستن

خون در دلم فگند غمت گر نه وام بود
خواهد چرا ز من به تقاضا گریستن

در مغز دانشم شرر اندا گداختن
در تار دامنم، گهر آما گریستن

بود آتشی بدل ز فغان تیز کردمش
تا در ضمیر نگزرد الا گریستن

در گریه در گرفتن زان روے تابناک
پروین فشاندنست و ثریا گریستن

تا با دلم چه کردهمی گریم و خوشم
کز من نمی کند بدلت جا گریستن

اینست گر سرایت ز هر عتاب تو
خواهد فلک بمرگ مسیحا گریستن

هر قطره اشکم آئینۂ رونمائے تست
بتخانۂ من ست همانا گریستن

ناچار صبح میرد اگر شب بسر برد
با شمع فخر چیست بدعوا گریستن

از دل غبار شکوه به شستن نمیرود
گفتن مکدرست و مصّفا گریستن

حاشا که بر زبان منش گریه رو دهد
نادان ز من ربوده به یغما گریستن

گویند در طلوع سهیل ست قطع سیل
ما را فزود زان رخ زیبا گریستن

بے گریه هیچگاه نه ای غالبؔ چه خوست
خود بیتو هیچگاه مبادا گریستن

هان مطلعی دگر که بر آهنگ این غزل
کردم بچشم خویش تماشا گریستن

گردد مگر بحیله دوبالا گریستن
خواهد دلم بطالع جوزا گریستن

جنس شفاعتی بسلم میتوان خرید
امروز باید از پیٔ فردا گریستن

معذوری ار ز حادثه رنجی از آنکه نیست
از نازکی به طبع گوارا گریستن

مسکین ندیدۂ ز مغان شیوه بانوان
در خوابگاه بهمن و دارا گریستن

دیوانگیست عربده کوته کنم سخن
فرخ بود گریستن اما گریستن

کفرست کفر در پي روزی شتافتن
ننگست ننگ در غم دنیا گریستن

گاهے بداغ شاهد و ساقی گداختن
گاهے بمرگ مامک و بابا گریستن

باید بدرد هرزه گرستن دگر گریست
بیجا گریستیم و دریغا گریستن

چون موجۂ سرشک هما شهپری نکرد
گو باش هم نشیمن عنقا گریستن

رشک آیدم به ابر که در هد وسع اوست
بر خاک کربلاے معلیٰ گریستن

رفت آنچه رفت ، بایدم اکنون نگاهداشت
از بهر نور دیدۂ زهرا گریستن

آن خضر تشنه لب که چو از وی سخن رود
در راه برخورد ز تپش با گریستن

گویند چشم روشنی دیده ماه و مهر
نازد بماتم شہؔ والا گریستن

باران رحمتی که باندازشست و شو
دارد برو سیاهیِ اعدا گریستن

پاس ادب نخواست ز اعجاز دم زند
بر مرگ شاه داشت مسیحا گریستن

وقت شهادتش بصف قدسیان فتاد
از اضطراب آدم و حوا گریستن

خود را ندید زان لب نوشین بکام خویش
زیبد بشور بختیِ دریا گریستن

مزد شفاعت و صلۀ صبر و خون بها
چیزی ز کس نخواسته الا گریستن

اے آنکه در حرم حجر الاسود از غمت
دارد بخود نهان چو سویدا گریستن

سیمای ماتم توستایم که زین شرف
شد روشناس دیدۂ حورا گریستن

رضوان بہ آبیاریِ گلشن نمیرود
وا ماندہ در گریستن و وا گریستن

با خاکیان بجنگم و ز افلاکیان برشک
خواہم بر آستان تو تنہا گریستن

طرفی نہ بست با ہمہ شور از عزای تو
گرید بہ پیش ایزد دانا گریستن

چون رزق غیب درد ترا عام کردہ اند
سر میزنند ز مومن و ترسا گریستن

چون شحنۂ غم تو برسم خراج خواست
از ساکنان خطۂ غبرا گریستن

ہر کس بچشم بسکہ پزیرفت این برات
قسمت نیافت بر ہمہ اعضا گریستن

غالبؔ منم کہ چون بطراز ثنای شاہ
سنجم ز غصہ در دم انشا گریستن

گویند قدسیان که ورق را نگاهدار
از تو گهر فشاندن و از ما گریستن

من خود خجل که حق ستایش ادا نشد
اینست چون ثنا چه بود تا گریستن

شه فارغ از ثنا و عزا وانگهی بدهر
صد جا سخن سرودن و صد جا گریستن

در مدح دلپذیر بود تا نفس زدن
در نوحه ناگزیر بود تا گریستن

جز در ثنای شاه مبادا نفس زدن
جز در عزای شاه مبادا گریستن

قصیده ضریحیه

بیا در کربلا تا آن ستمکش کاروان بینی
که در وی آدم آل عبا را ساربان بینی

نباشد کاروان را بعد غارت رخت و کالای
ز بار غم بود گر ناقه را محمل گران بینی

نه بینی هیچ بر سر خاندان گنج عصمت را
مگر در خار و بن ها تار و پود طلیسان بینی

همانا سیل آتش برده بنگاه غریبان را
که هر جا پارۀ از رخت و موجی از دخان بینی

به بینی چشمۀ از آب و چون جوئی کنارش را
ز خون تشنه کامان چشمۀ دیگر روان بینی

ز تاب مهر گیتی سوز خط جادۀ ره را
بسان ماهیِ افتاده بر ساحل تپان بینی

زمینی کش چو فرسائی قدم بر آسمان سائی
زمینی کش چو گردی پا بفرق فرقدان بینی

بهر گامی که سنجی حوریان را مویه گر سنجی
بهر سوئی که بینی قدسیان را نوحه خوان بینی

ببینی سرخوش خواب عدم عباسؑ غازی را
نه مشکش در خم بازو نه تیرش در کمان بینی

علم بنگر بخاک رهگزار افتاده گر خواهی
که بر روی زمین پیدا نشان کهکشان بینی

هجوم خستگان و سوز و ساز نو گرفتاران
نو آئین بزم طوی قاسمؑ ناشادمان بینی

نه می بینی که چون جان داد از بیداد بدخواهان
علی اکبرؑ که همچون بخت بدخواهش جوان بینی

گرفتم کاین همه بینی دلی داری و چشمی هم
بخون آغشته نازک پیکر اصغرؑ چسان بینی

چه دندان در جگر افشرده باشی کاندران وادی
حسینؑ ابن علیؑ را در شمار کشتگان بینی

نیاری گردران کوشی که پایش در رکاب آری
نه بینی گر خود آن خواهی که دستش بر عنان بینی

تنی را کش رگ گل خار بودی بر زمین یابی
سری را کش ز افسر عار بودی بر سنان بینی

نگه را زان دو ابرو روبرو در خون تپان دانی
هوا را زان دو گیسو سو بسو عنبر فشان بینی

سنان با نیزه پیوندد همی زین رو عجب نبود
که نی را از گره پیوسته در بند فغان بینی

گر از آهن بود گو باش غم بگدازد آهن را
سنان را هم ز بیتابی چو مژگان خونچکان بینی

شهادت خود ضمانت نیست لیک از روی آگاهی
پی آمرزش خلق این شهادت را ضمان بینی

همین فرد است تا توقیع آمرزش روان گردد
مرنج از ناروائی گر درنگی در میان بینی

وگر تاب شکیبائی نداری دیده در ره نه
که هم امروز از بخشائش فردانشان بینی

بود تا تکیه گاه ناز آمرزش پژوهان را
ضریحی سوی هند از خاک آن مشهد روان بینی

تعالی الله ضریح فرخ فرخنده فرجامی
که فرتاب فروغ فرخی از وی عیان بینی

به هنگامی که حمالان نهند از دوش در راهش
دمی بنشین که گردش گردش هفت آسمان بینی

ضیای زان زیارت گاه بر روی زمین بارد
که خاک لکهنو را مردم چشم جهان بینی

برانگیزد قیامت مردگان را این قیامت بین
که از فیض ورودش در تن هر ذره جان بینی

جز آن بیدست و پا کز خاک نتواند که برخیزد
باستقبال تازان اهل شهر از هر کران بینی

نفس در سینه داغ از تابش تابنده خور دانی
محل بر خلق تنگ از موکب شهزادگان بینی

سواران همچو مهر آسمان زرین سلب یابی
هیونان چون ثریا گوهرین بر گستوان بینی

بره رفتن هجوم گوهر آگین طلیسانان بین
که بر روی زمین چرخ ثوابت را روان بینی

هجوم خاکیان دیدی سپس گردیده بر بندی
سروشان را باندازِ ثنا شیوابیان بینی

بوالا پایه نام آور سروشان در ثنا خوانی
سمی رحمة للعالمین را همزبان بینی

محیط داد و دین سید محمدؐ کز فره مندی
مر او را در جهان آگهی صاحبقران بینی

نژاد خسرو الفقر فخری گوی را نازم
کز استغنا بدرویشی درش سلطان نشان بینی

زهر جزو ضریح اقدس و دست همایونش
کف رضوان و مفتاح در باغ جنان بینی

چو یابی خواجه را در ره چه نیکو راهبر یابی
چو بینی هدیه را بر کف چه فرخ نورهان بینی

سفالی بینی از ریحان فردوس برین کاینک
بباغ جم حشم واجد عیلشاهش مکان بینی

مگر در خواب دادند آگهی سلطان عالم را
که سوی شاه از پیش شهنشاه ارمغان بینی

طریق پیشوایان وحی و الهامست و خاصانرا
بود خوابی که تعبیرش به بیداری همان بینی

حجابی درمیان بنده و حق نیست پندارم
درانجا آشکارست آنچه اینجا در نهان بینی

روانی تشنهٔ گفتار من دارد شنیدن را
قلم را بعد ازین در مدح خاقان ترزبان بینی

نهفته دانیِ شاه آشکارا شد روا باشد
دلش را گر بدین آهنگ بر من مهربان بینی

نشاط اندوزیِ سلطان دانا دل عجب نبود
ز رقصی کاندرینجا خامه ام را در بنان بینی

رسد پیش از رسیدن نظم غالبؔ در نظر گاهش
لبش را در سخن همچون کفش گوهر فشان بینی

نه بیند عرض لشکر ورنه صف در صف سپاهش را
ز میدان اود تا بیشهٔ مازندران بینی

بیابان را نه لشکر بلکه طوفان در ره انگاری
دلیران را نه توسن بلکه صرصر زیر ران بینی

بدان قانع نخواهی بود از گنجینهٔ سلطان
که در وی گنج باد آورد و گنج شایگان بینی

چه پرسش داری از خازن که خود بر طاق نسیانش
دوصد جا حاصل صد سالهٔ دریا و کان بینی

جهاندارا بکاخی کان طلسم فیض جا دارد
نشان سجدهٔ من نیز هم بر آستان بینی

ور آن قدسی زیارت گاه بام کعبه را ماند
ز چشم دجله ریز من درانجا ناودان بینی

چه گویم چون همی دانم که میدانی و نپسندی
که سعیم در سرانجام ستایش رایگان بینی

کمالش را طراز نازش عین العیقین بخشی
سخنور را گر از خود التفاتی در گمان بینی

خدایا تا بهاری و خزانی هست گیتی را
بهار دولت خود را به گیتی بیخزان بینی

ز بخششهای یزدان آنچه باید یافت آن یابی
ز تابشهای اختر آنچه شاید دید آن بینی

جهانسوزیست آئین مهر را در کشور آرائی
تو ماه چارده باشی و دشمن را کتان بینی

گر از روی غضب ناچخ بسوی دشمن اندازی
سنان را همچو منقار هما بر استخوان بینی

چرا گویم که تا در روز یابی مهر تابان را
چرا گویم که تا در تیره شب ز انجم نشان بینی

سخن کوته ز صبح و شام و مهر و مه چه اندیشم
تو باشی جاودان و دیدنیها جاودان بینی

و گر خواهی که بینی چشمۂ حیوان بتاریکی
سواد نظم و نثر غالبؔ معجز بیان بینی

منقبت خاتم ائمه اثنی عشر امام
مهدی هادی علیه السلام

هست از تمیز گر به هما استخوان دهد
آئین دهر نیست که کس را زیان دهد

مردست مرد، هرچه کند بیخطر کند
رادست راد هرچه دهد رائیگان دهد

گلزار را اگر نه ثمر گل بهم نهد
درویش را اگر نه سحر شام نان دهد

گنج سخن نهد به نهانخانهٔ ضمیر
وانگه کلید گنج بدست زبان دهد

تا روز خاک تیره نگردد ز رشک چرخ
رخشانی ستاره بریگ روان دهد

تا آدمی ملال نگیرد زیک هوا
سرما و نوبهار و تموز و خزان دهد

هم در بهار گل شگفاند چمن چمن
تا راحت مشام و نشاط روان دهد

هم در تموز میوه فشاند طبق طبق
تا آرزوے کام و مراد دهان دهد

نظارهٔ متاع اثر بر دکان نهد
اندیشه را شمار گهر در نهان دهد

آنرا که بخت دسترس بذل مال نیست
طبع سخن رس و خرد خرده دان دهد

آنرا که طالع کف گنجینه پاش نیست
نعم البدل ز خامهٔ پروین فشان دهد

سنجم ترانهٔ غزلی کاین نواے شوق
دل را نوید زندگی جاودان دهد

گفتی لبم به بوسه دم وصل جان دهد
آری، اگر به هجر تو مرگم امان دهد

درد دلم که پیش تو افسانه پیش نیست
چشم ستاره را مژهٔ خون چکان دهد

رنجد ز سیر باغ مگر در خیال دوست
از جوش لاله خاک ز خونم نشان دهد

چون دلستان ربود به یغما دلی که بود
کام دلی که نیست ندانم چسان دهد

چون خود ز نازکی رقم صنع بر نتافت
سعی نظر چگونه خبر زان میان دهد

خوشنودم از سپهر نداند مگر کسی
کو دل چو من بدلبر نامهربان دهد

آتش چکد ز هر بن مویم اگر بفرض
ذوقم بخود قرار گل و گلستان دهد

دانم که آسمان بزمین پیشکار کیست
عکس چه جلوه روشنی روشنان دهد

چون جنبش سپهر بفرمان داور ست
بیداد نبود آنچه بما آسمان دهد

رنگ از گل ست و سایه ز نخل و نوا ز مرغ
هر جا بهار هرچه بود درخور آن دهد

در نشر نفحه قرعه بنام هوا زند
در نشو سبزه حکم بآب روان دهد

هر صبح باد صبح بمرغان شاخسار
سرمستی شمیم و نشاط فغان دهد

مستیز با نسیم، اگر بلبلی بباغ
جان در نورد خار و خس آشیان دهد

دارو ز بهر زندگی آمد نه بهر مرگ
جرم پزشک چیست اگر خسته جان دهد

پرویز دیریاب شهی بود ورنه بخت
آواره را براه ز شیرین نشان دهد

فرهاد زود میر کسی بود ورنه دهر
کام دل غریب پس از امتحان دهد

دارم ز روزگار نویدی که آن نوید
در پیریم بشارت بخت جوان دهد

از داور زمانه باندیشهٔ درست
شادم که مزد بندگیم ناگهان دهد

هرگه بسرنوشت سراید شمار غم
راهم ببارگاه شه انس و جان دهد

کام دلم که پرسشی از شه نبود بیش
گر مرزبان نداد امام زمان دهد

سلطان دین محمد مهدی که رای او
منشور روشنی بشه خاوران دهد

گردد اگر سپهر خلاف رضای او
عذر آورد قضا و قدر ترجمان دهد

اوباش را ببزم شهنشاه بار نیست
گردون چه هرزه درد سر پاسبان دهد

گوئی دهان لب بهم آوردهٔ کسی ست
هر کوکبی که روی بشب درجهان دهد

زان رو بود چنین که ز روے ادب شپهر
صد جا ز دور بوسه بر آن آستان دهد

نا گفته ماند مدح ز افراط ذوق مدح
تا این کشاکشم چه سخن بر زبان دهد

چشمم پرد ز شوق و خسی کش نهم بران
هم در نهاد من اثر زعفران دهد

زود آ که فیض مقدم همنام مصطفیٰؐ
آفاق را طراوت باغ جنان دهد

زود آ که شهسوار نظرگاه لافتیٰ
پردازش رکاب و طراز عنان دهد

توسن زند بخون دلیران دم از شنا
چندانکه نم گرانی بر گستوان دهد

دشمن نهد ز برق سنان روے در گریز
چندان که جان بجستن تیر از کمان دهد

در رهروی چراغ شبانان راغ را
روغن ز پیه گردهٔ شیر ژیان دهد

در شعنگی گزاف نوایان کفر را
پاسخ بترزبانئ نوک سنان دهد

طرف کلاه خاک نشینان درگهش
از تاب رشک مالش تاج کیان دهد

در موکبش پیاده گدایان راه را
دخل هزار سالهٔ دریا و کان دهد

کالا فروش را خود اگر انجم آورد
کالا بپاے مزد و بها ارمغان دهد

هر کس ز همرهان وی آید سوی وطن
همسایه را حیات ابد نورهان دهد

فرضاً اگر بہ نعت و مناجات دل نهد
در شعر داد غالبؔ شیوا بیان دهد

نامم برد بدان لب شیریں وزیں ادا
شکر بخورد طوطی ہندوستان دهد

بازم ز مطلعی کہ بود روشناس فیض
دستان شوق جان بہ تن داستان دهد

مطلع ثانی

مهدی کہ در روش ز محمدؐ نشان دهد
سروش رواست سایہ اگر توأمان دهد

از سایہ خاک را رقم توتیا کشد
وز پویہ جادہ را نمط کهکشان دهد

اندازۂ کشایش دین خدا نهد
آوازۂ نمایش راز نهان دهد

از لای نفی دشنہ بشرک خفی زند
وز بهر دیدہ دیدہ ز عین عیان دهد

منت بفرق گیر ز گرز گران نهد
تا زود مردنش ز اسیری امان دهد

تا بنگرد که عاقبت کار کفر چیست
در چشم خصم سرمه به میل سنان دهد

ای آنکه از خجستگی فال بهر خویش
اندیشه پرسشی ز توام در گمان دهد

کلک مرا ز نازش مدح تو در سرست
بادی که جنبش علم کاویان دهد

ایزد نیافرید چنانم به فن شعر
کانرا کسی نظیر درین خاکدان دهد

چون من بمدح جاه تو بندم به یکدگر
آن گونه گون گهر که قلم در بنان دهد

چیند ز گرد و پیش گهر رهزه ها ظهیر
کارایش سریر قزل ارسلان دهد

هر کس که سوی صفحهٔ شعرم نظر کند
مشکل که دل بطرهٔ عنبر فشان دهد

هم نغمه سنج عشقم و هم نکته دان علم
ناهید ساز و مشتریم طلیلسان دهد

با این همه ز غصه بجای رسیده کار
کاوازِ من بزمزمه رنگ فغان دهد

دودش دمد ز فرق بپیچد همان بفرق
گر خامه شرح سوز دل ناتوان دهد

کم گویم و بس ست که دانا نهاد نخل
داند ز یک ثمر که بوی باغبان دهد

در چار سو چنین بود آئین که هر کسی
از یک دو جنس عرض قماش دکان دهد

آری اگر بره قدری پیشتر رود
یک تن ز کاروان خبر از کاروان دهد

این اعتذار نیز درینجا نه درخورست
گفتن چه زحمت شه نا گفته دان دهد

شادم بدین سطور مگر بخت کارساز
از پستیم عروج بدین نردبان دهد

بندم گران و ذوق رهائی سبک خرام
بندی چنین شگفت که ذوقی چنان دهد

باید ز التفات تو یک جذبهٔ قوی
کان جذبه ام نجات ز بند گران دهد

بعد از سوال رسم نباشد که گدیه گر
فصلی دگر ز بهر دعا درمیان دهد

بادا نسیم باغ ولای تو عطر بیز
تا نوبهار تازگی بوستان دهد

بادا گلیم بخت عدوی تو شعله خیز
تا در زمانه دود ز آتش نشان دهد

منقبت حضرت عباس ابن علی علیه السلام

آوارۀ غربت نتوان دید صنم را
خواهم که دگر بتکده سازند حرام را

نازم به صنمخانه که شاهان جهان جوی
هم بر در آن خانه گزارند حشم را

چون فاش شد آخر که هم از خلق گرفتند
بیفائده از خلق نهفتند ارم را

سهلست که عشاق ز بیداد ننالند
زین قوم محبت طلبد ذوق ستم را

لرزد دلم از گریه بحال فلک، آری
در بادیه از سیل خطرهاست خیم را

در راه وفا بسکه بود پویه بسر شرط
چشم از دل و از دیده فگندیم قدم را

گر بر خود ازین فخر ببالم که غم از کیست
بر همنفسان تنگ کنم خلوت غم را

تا خستہ دل از قحط می و فرقت یارم
زنگ ست ز خوناب جگر بر مژہ نم را

کو بادۂ سیال کہ فیضش ز روانی
از لون بصر را رسد از رائحہ شم را

کو یار ہنرور کہ بخلوت کدۂ اُنس
از ہوش بدزدی بہ برد شیوۂ رم را

حاشا کہ ز غم نالم اگر غم غم عشق ست
پیوند نشاط ست بدین زمزمہ دم را

غم کاسۂ سم بود فگندند دران خاک
وان خاک تبہ کرد گوارائی سم را

این چرخ ستمگر کہ چو من غرقۂ خون باد
با یکدگر آمیخت دو صد گونہ الم را

گویند کہ با دست تہی عشق و بالست
افتادہ برین قاعدہ اجماع امم را

خون میخورم از ذوق و تو دانی که بدین خورد
بر مائده سیری نتوان داد شکم را

در چشم شب و روز ندانم ز چه زشت ست
خوش کردم اگر طره و رخسار صنم را

بر شحنهٔ مریخ ندانم ز چه تلخ ست
دل دادم اگر مطربهٔ زهره نغم را

بالجمله د گر با خودم از خویش حدیثی ست
کز صدق و صفا مایه دهد صبح دوم را

نازم بکمال خود و بر خود نفزایم
آثار در و بام صنادید عجم را

گوهر نه بکان ، کان بگهر روی شناس ست
بر فرخی ذات دلیلم اب و عم را

آبای مرا تیغ و مرا کلک بسازست
دستیست جداگانه بهر کار همم را

دریاب کز الماس بود جوهر تیغم
هر چند بهم برزده بینی دم و خام را

آنکس که شناسائی آهن بودش خوے
جوهر نگرد تیغ فرو ریخته دم را

کو بلبل شیراز و کجا طوطی آمل
تا پایه بسنجیم نواسنجئ هم را

لا بلکه اگر خواهم ازین هر دو سخنور
تحسین روش کلک دل آشوب رقم را

خاص از پئ کسب شرف مدح طرازی
ازهم بربایند بپرخاش قلم را

فرمان ده اقلیم کمالم نکنم جمع
لعل و در و فیل و فرس و کوس و علم را

آزاده روی در نظرم خوار و زبون کرد
توقیع جهان بخشی شاهان عجم را

سیم و رز و لعل و گہر آن بہ کہ ازین چار
او تـــاد بـــود طـــالـــع تـــوفیـــق کـــرم را

بے وعدہ بدرویش بدہ وایہ و گرنہ
سیـمـــائے ســرابســت دریـن راہ نـعـم را

ہمت نکشد ننگ نکو نامی احسان
بـر خیـز و ببـازیـچـہ فـرو ریـز درم را

رو ہمت از آن تشنہ جگر جوی کہ از مہر
بـر تشـنـگـي شـاہ فـدا سـاخـتـہ دم را

عباسؓ علمدار کہ فرجام شکوہش
بـازیـچـۂ طـفـلان شـمـرد شوکـت جم را

آن شیر قوی پنجہ کہ گردیدہ ز بیمش
دائـــر تـــب دیـگـــر تـــب شیـران اجـم را

آن راد کہ رد ساختہ بر خاک نشینان
آوردۂ کـــان را و بـــرون دادۂ یـــم را

حاجت بقسم نیز نماندست وگرنہ
ہر دم بہ عطایش خورد انصاف قسم را

از بسکہ بنام آوریِ شیوۂ انصاف
پرداختہ از نام ستم حرف و رقم را

ہر شب فلک از دور بہ انجم بنماید
کاین خوابگہ آن خانہ برانداز ستم را

خوابش بشبستان حسینؑ ابن علیؑ بین
دریاب بہ پہلوے ہم آرامش ہم را

این ہر دو گہر را ز دو سو یک گہر آمد
چون نیست جدائی ز صدف گوہر و یم را

نساب نیارد کہ کنم منع ز عباسؑ
فرزندیِ شاہنشہ بطحی و حرم را

اے ہم گہر ختم رسل گرد تو گردم
چندانکہ کنم چلقد تن ظل علم را

حاشا که لب از مدح تو خاموش پسندم
نسیان زده ره روی سیه باد هرم را

شد تازه دم بندگیم جلوه گریهاست
عنوان نمایش ز حدوث ست قدم را

از کودکیم درس ولای تو روانست
دانی خود ازین بیش که گفتم بتو کم را

در صومعهٔ مدح تو بهر طلب فیض
محراب دعا ساخته ام وجه اتم را

فرزانه حکیمم من و مدحت گر شاهم
در شعر ز من جوے براهین حکم را

اندر نظرم صورت یک معني خاص ست
مضمون دعاے تو و مفهوم اهم را

تا رسم نباشد بهوا بیضه نهادن
کبکان خرامنده و زاغان دژم را

بادا علمت کبک خرامنده و گردون
چون بیضه ز پرچم ته پر باد علم را

اُردو منقبتی اشعار (غزلوں سے)

مانع بادہ کشی نادان ہے لیکن اسدؔ
بے ولائے ساقی کوثر کشیدن منع ہے

ہے دو عالم صید اندازِ شہ دُلدل سوار
یاں خط پرکار ھستی حلقہ فتراک ہے

کثرت اندوہ سے حیراں و مضطر ہے اسدؔ
یا علیؑ وقت عنایات و دمِ تائید است

ہے سوادِ خط پریشاں موئی اھلِ عزا
خامہ میرا شمع قبر کشتگاں کا دودہ ہے

جو عزادارِ شھیدانِ نفس در دیدہ ہو
نوحۂ ماتم بآواز پر عنقا کرے

ناتوانی سے نہیں سر در گریبانی اسدؔ
ہوں سراپا یک خمِ تسلیم جو مولاؑ کرے

جس جگہ ہو مسند آرا جانشین مصطفیٰؐ
اُس جگہ تختِ سلیماںؑ نقشِ پائے مور ہے

خراباتِ جنوں میں ہے اسدؔ وقت قدح نوشی
بعشق ساقیِ کوثر بہار بادہ پیمائی

اسدؔ گر نامِ والائے علیؑ تعویذ بازو ہو
غریق بحر خوں تمثال در آئینہ رہنا ہے

کیا غم ہے اس کو جس کا علیؑ سا امام ہے
اتنا بھی اے فلک زدہ کیوں بدحواس ہے

امامِ ظاہر و باطن امیر صورت و معنی
علیؑ ولی اسد اللہ جانشین نبیؐ ہے

لغزش پا کو ہے بلد نغمہ یا علیؑ مدد
ٹوٹے گر آئینہ اسدؔ سُبحہ کو خونبہا سمجھ

کب تلک پھیرے اسدؔ لبہائے تفتہ پر زباں
تاب عرض تشنگی اے ساقی کوثر نہیں

شمع ہوں تو بزم میں جا پاوں غالبؔ کی طرح
بے محل اے مجلس آرائے نجف جلتا ہوں میں

غالبؔ ہے رتبہ فہم تصوّر سے کچھ پرے
ہے عجز بندگی کہ علیؑ کو خدا کہوں

دھویں سے آگ کے اک ابرِ دریا بار ہو پیدا
اسدؔ حیدرؑ پرستوں سے اگر ھووے دو چار آتش

اسدؔ قدرت سے حیدرؑ کی ہوئی ہر گبر و ترسا کو
شرار سنگ بت بہرے بنائے اعتقاد آتش

ہزار آفت و یک جان بے نوائے اسدؔ
خدا کے واسطے اے شاہِ بے کساں فریاد

خدا کے بعد نبیؐ اور نبیؐ کے بعد امامؑ
یہی ہے مذہب حق والسلام والاکرام

میں قائل خدا و نبیؐ و امامؑ ہوں
بندہ خدا کا اور علیؑ کا غلام ہوں

اے اسدؔ مایوس مت ہو از درِ شاہِ نجف
صاحب دلہا وکیل حضرت اللہ ہے

خیال شربت عیسیٰ گداز تر جبیں ہے
اسد ہوں مست دریا بخشی ساقیِ کوثر کا

غالبؔ ندیم دوست سے آتی ہے بوئے دوست
مشغولِ حق ہوں بندگی بوترابؑ میں

بہت سہی غم گیتی شراب کم کیا ہے
غلامِ ساقی کوثر ہوں مجھ کو غم کیا ہے

کل کے لیئے کر آج نہ خسّت شراب میں
یہ سوئے ظن ہے ساقی کوثر کے باب میں

☆☆☆

منقبتی اشعار فارسی غزلوں سے

بزم ترا شمع و گل خستگئ بوترابؑ
ساز ترا زیر و بم واقعۂ کربلا

خلد بہ غالبؔ سپار زانکہ بدان روضہ در
نیک بود عندلیب خاصہ نو آئین نوا

بر امت تو دوزخ جاوید حرامست
حاشا کہ شفاعت نہ کنی سوختگاں را

آہے بعشقِ فاتحِ خیبر کنیم طرح
در گنبد سپھر مگر در کنیم طرح

بخوں تپیدن گلہا نشاں یگرنگیست
چمن عزای شہیدان کربلا دارد

تو نالی از خلۂ خار و ننگری کہ سپھر
سر حسینؑ علی بر سناں بگر داند

یزید را بہ بساط خلیفہ بنشاند
کلیمؑ را بہ لباس شباں بگر داند

وردِ من بود غالبؔ یا علیؑ بو طالب
نیست بخل یا طالب اسم اعظم از من پرس

مذاق مشرب فقرِ محمدیؐ داری
مے مشاہدۂ حق بنوش و دم درکش

منصور فرقہ علیؑ اللہیاں منم
آوازہ ای انا اسد اللہ در افگنم

ارزندہ گوہری چوں من اندر زمانہ نیست
خود را بخاک رہ گزر حیدر افگنم

غالبؔ بہ طرح منقبت عاشقانہ ای
رفتم کہ کہنگی ز تماشا بر افگنم

غالبؔ نام آورم نام و نشانم مپرس
ہم اسد اللہیم و ہم اسد اللہیم

گفتمش باز گو طریقِ نجات
گفت غالبؔ بکربلا رفتن

برلب یا علیؑ سرای بادہ روانہ کردہ ایم
مشرب حق گزیدہ ام عیش مغانہ کردہ ایم

عالم توفیق را غالبؔ سواد اعظمم
مہر حیدرؑ بیشہ دارم حیدر آباد خودم

علیؑ عالی اعلیٰ کہ در طواف درش
خرام بر فلک و پای بر زمیں دارم

ز حیدریم من و تو ز ما عجب نبود
گر آفتاب سوی خاوراں بگردانیم

غالبؔ ز ھندوستان بگریز فرصت مفت تست
در نجف مردن خوشست و در صفاھان زیستن

غالبؔ بہ چنین کشاکش اندر
یا حضرت بوترابؑ تاکی

☆☆☆

منقبتی رباعیات

رباعی

شرطیست کہ بہر ضبط آداب و رسوم
خیزد بعد از نبیؐ امامؑ معصوم
زاجماع چگوئی بہ علیؑ باز گرای
مہ جای نشین مہر باشد نہ نجوم

رباعی

بردل از دیدہ فتح بابست ایں خواب
باراں امید را سحابست ایں خواب
زنہار گماں مبر کہ خوابست ایں خواب
تعبیر ولای بوترابست ایں خواب

قطعہ

فکرِ تاریخِ سال میں مجھ کو
ایک صورت نئی نظر آئی

ھندسے پہلے سات سات کے دو
دیے ناگاہ مجھ کو دکھلائی

اور پھر ھندسہ تھا بارہ کا
با ھزاراں ھزار زیبائی

سالِ ھجری تو ہو گیا معلوم
بے شمولِ عبارت آرائی

مگر اب ذوقِ بذلہ سنجی کو
ہے جداگانہ کار فرمائی

سات اور سات ہوتے ہیں چودہ
بامیدِ سعادت افزائی

غرض اس سے ہیں چاردہ معصومؑ
جن سے ہے چشمِ جاں کو بینائی

اور بارہ امامؑ ہیں بارہ
جن سے ایماں کو ہے توانائی

اُن کو غالبؔ یہ سال اچھا ہے
جو ائمہ کے ہیں تولّائی

ترکیب بند

جناب سید العلما مولانا سید حسین بن سید دلدار علی غفرانمآب کا مرثیہ موصوف نے ۱۸ صفر ۱۲۷۳ھ لکھنو میں انتقال کیا اور اپنے والد کے امام باڑے میں قبر پائی (دیکھئے "ورثۃ الانبیا" تذکرۂ بے بہا) یہ ترکیب بند دیوان طبع دھلی میں نہیں ہے۔ ہم کلیات طبع نول کشور سے نقل کررہے ہیں۔

اس مرثیہ میں امام رضا علیہ السلام کا تذکرہ اور حضرت حجت مھدی علیہ السلام کا ذکر ہے۔

زین خرابی کہ در جھان افتاد
بگزر از خاک، کاسمان افتاد

چشم و دل غرق خون یکدگر است
زین کشاکش کہ درمیان افتاد

می کشد بی سنان و دشنہ و تیر
غم بر احباب مھربان افتاد

شعلہ در چرخ ناگرفت، گرفت
لرزہ بر عرش ناگھان افتاد

جست از سدرہ طائر قدسی
کش ازان نخل آشیان افتاد

زین قیامت کہ نی بهنگام است
در حرم شور الامان افتاد

آنچنان جوش خورد از تف غم
کاب زمزم ز ناودان افتاد

از فراز فلک گزار مسیح
سوی این پست خاکدان افتاد

مردن خواجه چون به کعبه شنید
مرده آسا ز نردبان افتاد

خون ز غم در دل کلیم افسرد
لا جرم عقده بر زبان افتاد

گر فرو افتد آسمان بزمین
با قضا در نمیتوان افتاد

گشت داغ غم حسینؑ علی
تازه در ماتم "حسینؑ علیؑ"

از زبانها ، بمعرض آثار
خون فرو می چکد ، دم گفتار

عالمی راست در نهان و عیان
دل غم اندوز و دیده دریا بار

درد این سو فشرده پا در دل
اشک آن سو دویده بر رخسار

ماجرا از خرد پژوهش رفت
گفت می بین و دم مزن زنهار!

دیده باشی که خولجه چون می زیست
لختی آن فرّ و فرخی یاد آر

رگ برگی ازو نیافت گزند
دل موری ازو نه دید آزار

داد تن چون بخواب باز پسین
با دل شاد و دیدهٔ بیدار

بزّد الله، گرد مضجع او
نقش بستند بر در و دیوار

می نه سوزد ز تاب شعلهٔ شمع
بال پروانهٔ چراغ مزار

مرگ سید حسینؒ آسان نیست
دهر آرد چنین کسی دشوار

از صفر روز رفت چون ده و هفت
شب شنبه بزاد روز شمار

ماه و تاریخ کز امام رضا ست
ماه و تاریخ "سید العلما ست"

آن امام همام یزدان دان
قهرمان قلمرو ایمان

آنکه گر نطق او نشان ندهد
نرسد کس بمعنی قرآن

آنکـــه گـردون بـدیـن تـوانـائی
بـــاشـــدش گــوی در خم چـوگـــان

آنـــکـــه بـــاوی بهشـــت و دوزخ را
چـــاره نبــود ز بـــردن فـــرمـــان

صـــفـــت ذات وی بشـــرط وجـــوب
در نـگـــنـجـد بـــه حیّـز امـکـــان

جـــوهـــرش را عـــرض بــود اسلام
ایـــن نپـــایـــد ، اگـــر نبـــاشـــد آن

از "اولـــی الامـــر" ثـــامـــن و ضـــامـــن
کـــه نـجـــات نفوس را ست ضـمـــان

حســب دعـــوت بـمـــامـن مـــامـون
گشـــت مهـــر سپهـــر دیـــن مهـمـــان

آن ستـم پیشـــه را هـمـی بـایســت
کـــه کـــنـــد خـدمـــت از بـــن دنـدان

بریا و نفاق و خدعه و زرق
کرد لطف و مروت و احسان

به ولی عهدیش فریفت مگر
می ندانست پایهٔ سلطان

خیره سر بین که در حمایت عهد
پادشه را دهد ولایت عهد

گفت مامون شبی بچند غلام
که همیدون درین شبا هنگام

پای از سر کنید و بشتابید
سوی بنگاه قبله گاه انام

گر بود در فراز ، زود ازو
باید آمد فرود از ره بام

پس بدان پای ، کش صدا نبود
جانب خوابگه کنید خرام

یکسره بر سرش فرود آرید
تیغهای بر آمده ز نیام

اهرمن گوهران تیره درون
خانه زاد سواد ظلمت شام

شاه را یافتند تا جستند
صحن و ایوان آن خجسته مقام

بود آن دم درون حجرهٔ خاص
بر نهالی ، برخت خواب ، امام

او صیا راست از نهایت قرب
جامهٔ خواب جامهٔ احرام

تیغها بر سرش فرود آمد
هم چنان کز خدا درود و سلام

همه باز آمدند و دانستند
کار ماه تمام گشت تمام

بستر از خون پاک نم نگرفت
بر تنش هیچ موی خم نگرفت

پیکر خواجه بود چشمهٔ نور
چشم بد باد از نکویان دور

نور دیدی، شود بتیغ دو نیم؟
خون شنیدی، چکد زرخشان هور؟

تو و یزدان بود چنین پیکر
درخور زخم دشنهٔ ساطور؟

نه پیمبرّ گزاشت در گیتی
اهل بیت و کلام ربّ غفور

پایهٔ اهل بیت، تا دانی
هست توأم به ایزدی منشور

گر نه خفاش تیره روزستی
روز ماندی ازو چرا مستور

کی فروزد ظهور نور، دلش
آنکه دزدد نگه ز نور ظهور

دیده باشی که نور در سرسام
برنتابد طبیعت رنجور

حاسدان را ازین مشاهده شد
سینه ها ریش و ریشها ناسور

ور خلاف خلافت از ره کین
بود چون کشتن امامؑ ضرور

عاقبت میزبان مهمان کش
شاه را زهر داد در انگور

زائران را کنون به مشهد طوس
آسمان آید از پیٔ پابوس

قصۂ سینه سوز و زهره گداز
گفته آمد بشیوۂ ایجاز

ناز پروردهٔ نیازی هست
عجز من در گزارش اعجاز

من بدان سوختن نساخته ام
که توانم شناخت سوز از ساز

ز آسمانم شکایت است عظیم
بر زبانم حکایت است دراز

اینت آشوب دل ز خون پر کن
اینت رنج تن از روان پرداز

مرد سید حسینؑ و برد غمش
از دلم تاب و از لبم آواز

تا چها با رسولؐ بودش روی
تا چها با خدای بودش راز

خاست در حاملان عرش عظیم
شور شیون ز شهپر پرواز

پایهٔ عرش هشته اند ز دست
تا گزارند بر جنازه نماز

در جهان مثال دارندش
میهمان بر سماط نعمت و ناز

بهر احیای رسم جهد و جهاد
خواجه همپای مهدی آید باز

آفرین بر روان پاکش باد
مهر از ذره های خاکش باد

دگر ای دل! بخون شناور باش
آشنا روی دیدهٔ تر باش

کمتر از شمع در شمار نه ای
پای برجا در آب و آذر باش

کویشتن را فگن در آتش تیز
گر نه پروانی ای سمندر باش

تانیائی ز لاغری بنظر
تاری از تارهای بستر باش

گر گریبان ز تست چاک کن
ور رگ جان ز تست، نشتر باش

واحسینا! بگوی و در گفتن
بفغان آی و شور محشر باش

دیده را گرد و خار و پیکان شو
سینه را تیغ و تیر و خنجر باش

غم میر اجل، غم دین ست
غالبؔ از غصه خاک بر سر باش

گفته باشی که زار و غمزده ام
لختی از خویشتن فزون تر باش

خیز و گرد مزار خواجه بگرد
با سپهر برین برابر باش

بیتی از خود بسینہ می خلدم
می کنم مویہ گو مکرر باش

گشت داغ غم حسینؑ علیؑ
تازہ در ماتم حسینؑ علیؑ

اقتباس مقدمہ دعای صباح

کالی داس گپتا رضا

دعائے صباح (دعاء الصباح) حضرت علیؓ سے منسوب مجموعہ موسومہ ''صحیفہ علویہ'' کی ایک مشہور و مقبول دعا ہے جسے شیعی حضرات عموماً صبح کے وقت بعد نماز پڑھتے ہیں مگر اصل ماخذ میں ہے کہ نافلہ کے بعد پڑھی جائے۔ اس دعا کے خواص اور فضائل سے متعلق مشہور ہے کہ جو شخص اسے جس حاجت کے لئے پڑھے گا اُس کی دعا مستجاب ہوگی۔ اس کا پڑھنے والا تمام بلاؤں سے محفوظ رہے گا۔ لوگوں کی نگاہ میں معزز اور بزرگ ہوگا اور دشمن اُس پر غلبہ نہ پاسکے گا۔

دعا عربی میں ہے اور قرآنی اسلوب بیان کے مطابق ہے بلکہ اصل عربی میں بہت حد تک قرآنی آیات استعمال ہوئی ہیں۔ دعا کا پیرایہ بالکل وہی ہے جو اسلامی دعاؤں کا ہوا کرتا ہے۔ یعنی اپنے عجز کا اظہار اور گناہوں سے بچنے کی خواہش۔

یوں تو ''دعاء الصباح'' کی فارسی شرحیں اور ترجمے صدیوں سے ہوتے آئے ہیں۔ مگر ہمارا موضوع فارسی منظوم ترجمہ ہے جو مرزا غالبؔ نے کیا اور ان کی زندگی میں ان کے بھانجے مرزا عباس بیگ کے ایما پر نولکشور سے طبع ہوا۔ جس سے اگر مصنفین و مؤلفین میں نہیں تو کم از کم غالبؔ کی ایک تصنیف کے منظر عام پر لانے والے کی حیثیت سے ان کا نام ہمیشہ لیا جاتا رہے گا۔ وہ تصنیف ہے دعائے صباح کا غالبؔ کا کیا ہوا متذکرہ بالا فارسی منظوم ترجمہ۔ اس کے اوّلین ایڈیشن کا آج تک صرف ایک ہی نسخہ معلوم ہے اور خوش قسمتی سے یہ میرے ہی غالبؔ کلکشن میں شامل ہے۔ اس پر لکھا ہے کہ رسالہ ''حسب الایمائے مرزا عباس بیگ صاحب اکسٹرا اسٹنٹ کمشنر لکھنؤ''۔ رضا لائبریری رام پور میں بھی ایک قلمی نسخہ موجود ہے۔ باوجودیکہ مدت تک یہ منظوم ترجمہ عوام تک نہ پہنچ سکا تاہم تقریباً ۱۸۶۶ء سے ۱۹۰۶ء تک اس کی کم از کم تین اشاعتیں منظرِ عام پر آچکی تھیں اور اس کے بعد بھی کسی نہ کسی شکل میں یہ چھپتا ہی رہا۔ اشاعت اوّل مطبوعہ نولکشور کے سرورق کی عبارت ''مع ترجمۂ نثر و نیز ترجمہ، منظوم از اسد اللہ خاں غالبؔ'' کے لفظ ''نیز'' سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف منظوم ترجمہ غالبؔ کا ہے۔ نثری ترجمہ کسی اور صاحب نے کیا ہے۔ غالبؔ علمی اور عملی پہلو سے نہ سہی مگر جذباتی طور پر کٹر شیعہ تھے۔ لہٰذا یقینی ہے کہ وہ اس دعاء کے معانی و مطالب سے کلّی طور پر بہرہ ور رہے ہوں گے۔ اُن کے منظوم ترجمے سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے فارسی نثر کو

جوں کا توں فارسی نظم میں نہیں لکھا بلکہ اس سے مطلب اخذ کرلیا اور جہاں عربی عبارت نظم میں قافیے اور ردیف کے لئے سازگار تھی، اسے استعمال کیا۔ علاوہ ازیں اس مثنوی کے معانی کو واضح کرنے کے لئے غالبؔ نے اپنی طرف سے بھی بہت سے اشعار بڑھائے ہیں۔ اُن کا نثری ترجمے سے لفظی طور پر کوئی واسطہ نہیں۔ اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ غالبؔ دعاء الصّباح کے مطالب سے کلیتاً اور براہ راست واقفیت رکھتے تھے۔ مطبوعہ مثنوی میں بطریق قدیم کئی مقامات پر یائے مجہول کو یائے معروف اور یائے معروف کو یائے مجہول لکھا ہے۔ اسی طرح ''گ'' کو ''ک'' تک محدود رکھنے کی مثالیں بھی موجود ہیں۔ یہ مثنوی غالبؔ کے عہد جوانی سے بھی کچھ پہلے کی کہی ہوئی ہے جوان کے فارسی دیوان مرتبہ ۱۸۳۵ء میں شامل ہے جب کہ اُن کی عمر چالیس برس سے بھی کم تھی۔ بظاہر کہیں سے پُرانا مسودہ مرزا عباس بیگ کے ہاتھ لگ گیا اور انھوں نے اسے مطبع نولکشور لکھنؤ سے جہاں وہ ایک بڑے سرکاری عہدے پر متمکّن تھے اپنے ایما سے (غالبؔ کے ایماء سے نہیں) ثواب کے لئے چھپوادیا ہوگا۔ رسالے کے سرورق کی عبارت بھی یہی ہے۔

''حسب الایمائے مرزا عباس بیگ صاحب اکسٹرا اسٹنٹ کمشنر لکھنؤ مطبع منشی نولکشور رونق طبع یافت''

ترجمه مثنوی دعای صباح

ای خدا ! ای داورا ! کو بر کشاد
از درخشیدن زبان بامداد

پارهای تار شب را آفرید
پرده های تار ظلمت در کشید

کرد صنع چرخ گردان استوار
در مقادیر تزین آشکار

ای خداوندی ! که تاب آفتاب
کرد یکجا با فروغ التهاب

چهرهٔ مهر درخشان برفروخت
با همه تابش در آتش رخت سوخت

در جهان هستیش هم جنس کیست؟
هیچ مخلوقی بدو هم جنس نیست؟

ای که ذاتش را به ذاتش رهبری
گشت از هم جنسی عالم بری

برتر از کیفیت آمد گوهرش
کیفیتها نیستی گیرد برش

ایکه نزدیکی بخطرات ظنون
دورتر هستی ز دیدار عیون

یعنی از دیده شدن ذاتش بری ست
هر کرانه از جهات پیکری ست

گوهر او از پس و پیش ست بیش
کرد هستی را محاط علم خویش

هرچه در عالم به هستی رو نمود
پیش از هستی بعلم او کشود

ای که در گهوارهٔ امن و امان
خواب را در چشم من کردی نهان

باز چشم من به بیداری کشاد
سوی احسان و عطای کو بداد

دست او بربست دست هر زیان
قدرت او از بدی دادم امان

بر فرست ای داور هستی درود
بر کسی کو سوی تو راهم نمود

در شب تاریک تر شد رهنما
سوی درگاه تو ای گیتی خدا!

از سبب های تو ای رب الامین!
از شرف گیرندهٔ حبل الوتین

آن فروزان گوهری نیره نژاد
آنکه بر دوش بلندی پا نهاد

آنکه آمد در نخستین روزگار
پای او بر جای لغزان استوار

نیز بر آتش که از بس طاهراند
پاک دین و برگزیده ظاهراند

نیک کرداران و یزدان برگزین
برگزیده گوهران پاک دین

ای خدا! بکشا مصاریع الصباح
از برای ما بمفتاح الفلاح

یعنی ای دادار گیتی، دادگر
برکشا بر ما تو درهای سحر

از کلید لطف درها باز کن
بهر ما سامان رحمت ساز کن

بهترین پیرایهٔ رشد و سداد
در برم پوشان تو ای رب العباد

بر نشان در من ینابیع الخشوع
از روانم کن روان عین الخضوع

پیشگاه عظمتت ای بی نیاز
کن روان از چشم من آب نیاز

دایم از بیم خودت، ای کردگار!
اشکها از گوشهٔ چشمم بیار

سبکی نادانیم تادیب کن
از شکیبای مرا تهذیب کن

گر نباشد از تو آغاز کرم
ور نه توفیق تو باشد رهبرم

کس نیارد بردن من سوی تو
در کشاده تر رهی در کوی تو

گر مرا حلم تو بسپارد به آز
بر کشد زنجیرهٔ حرصم دراز

کس نیامرزد گناهم، ای خدا!
سرنگون افتادن من در هوا

نصرت تو گر مرا ناید معین
گاه جنگ نفس و شیطان لعین

آن چنین خذلان بحرمانم کشد
در همه رنج و تعب جانم کشد

خود ترا می بینم ای هستی خدا
کامدم سویت بامید و رجا

دست پیوستم باطراف الحبال
چون گنه افگند دورم از وصال

چون بدوری در شدم از بارگاه
زانکه چیره شد بمن دست گناه

زشت مرکوبی که نفس من بران
از هوا و حرص شد دایم روان

واه از تسویل نفس ذوفنون
کان بود از آرزوهای و ظنون

آه، زان خواهش کز و برخاسته
آرزوها آردش آراسته

هر زمان گامی بهر سویش برد
فرش خواهش ها بهر سو گسترد

بر درازیها کشد طول امل
تا به دوری افتد از حسن عمل

نیست نادان نفس فرمان ناپذیر
کو بود پیش خداوندش دلیر

جرأت و گستاخی و عصیان کند
سرکشی از طاعت یزدان کند

ای خداوندا! من از دست رجا
کوفتم دروازۀ رحم ترا

سوی تو بگریختم با اضطرار
از وفور خواهش نااستوار

در رسن های تو ای گیتی خدا
باز پیوستم سر انگشت ولا

در گذار از من تو ای رب الوریٰ
هرچه کردم از گناه و از خطا

لغزشی کز من بیاید آشکار
در گزار از من تو ای پروردگارا

عفو کن ، افتادن من در بلا
باز و از هرچه زاید زان عنا

زین که هستی سرور و معبود من
غایت هر خواهش و مقصود من

در زمان هر کجا گردیدنم
نیز در هنگام آرامیدنم

خود چسان میرانی ای پروردگار
بی نوائی ، کامدت با اضطرار

یعنی آن مسکین که آوردست رو
با همه صد ناشکیبی سوی تو

از گناه خود گریزان آمده
در خطای خود پشیمان آمده

ره پژوهی را که خواهد راه تو
قصد او باشد همه درگاه تو

سوی درگاه تو باشد تیزگام
میکنی دورش چرا از راه کام

تشنهٔ را باز می داری چرا؟
آنکه سوی حوض تو شد ره گرا

آب جویان آمده بر چشمه سار
تا لب خود تر کند زان آبشار

زینهار! این حوض تو از پر ملال
پر بود هنگام قحط و خشک سال

باب تو مفتوح باشد جاودان
بر رخ خوانند و ناخواندگان

طالبان و هم طفیلی آشکار
بر در بکشاده ات یابند یار

هر که میخوانیش می آید بزود
وانکه ناخوانیش نیز آید فرود

این درت بر روی کس بربسته نیست
خوانده و ناخوانده بود اینجا یکیست

از کمال جود تست این فتح باب
تا همه گردند از تو بهره یاب

بخشش خود را تو زنجیر دراز
بر کشیدی ای خدای بی نیاز!

خود نمی بندی درت بر روی، بس
جز به رحمت می نه بینی سوی کس

لطف تو عامست هرگز نیست خاص
دور تر رفته ازین در اختصاص

بستہ نبود بر رخ کس باب تو
ہر کسی رخشان بود از تاب تو

ابر تو ریزد بھر دامن گھر
ہر کسی را فیض تو آید ز در

ممسکی و بخل در تو یافت نیست
آنکہ در ہستی بود، بے بہرہ کیست

غایت ماموِل و مسئولم توئی
آخر مقصود و ماموِلم توئی

این زمام نفس خود رای خدا
کردہ ام بربستۂ بند رضا

مرکب نفسم کہ ازبس سرکش است
ہر زمان سر بر فلک چون آتش است

بارضایت کردہ ام فرمان پذیر
تابود در مجلس فرمان اسیر

هرچه ریزندش همه گیرد بسر
سر نه تابد از قضا و از قدر

هرچه پیش آیدش گیرنده شود
هرچه بدهندش پزیرنده شود

گر همه تلخی پزیرندش بکام
در کشد بکسر چنان کز شهد جام

خواهش خود را نماید بی نشان
خواهش تو پیش گیرد جاودان

از گناهم بود بس بار گران
رافت و رحم تو کردش بے نشان

بے نشانش کردم از الطاف تو
ساختم معدومش از اعطاف تو

وین هوای نفس من گمراه کن
از طریق راستی بی راه کن

سوی لطف و رافتت بسپردمش
سوی غفاری و عفوت بردمش

ای خدا! برمن بیار این بامداد
با فروغ راستگاری و شاد

وین سحر را کن تو ای پروردگار
از برای دین و دنیا پاسدار

کن تو این شام مرا برمن سپر
از مکائدهای اعدا پر شرر

ده نجاتم از هوای نفس بد
زانکه هستی قادری بر نیک و بد

هرچه خواهی می کنی تو هر زمان
ای توانا تر، خدای مهربان!

هر کرا خواهی تو ملکی میدهی
تاج شاهی برسرش هم می نهی

مـی ستـانـی بـاز ملک و مـال را
انـچـه خـواهـی میـکـنـی اموال را

هـر کـرا خـواهـی تـو عـزت میدهـی
هـر کـرا خـواهـی تـو ذلـت میدهـی

ای خـدا ! از دسـت خیـر خـود تـوئـی
قـادری بـر جـمـلـه اشیـا بـس تـوئی

روز را در شـب تـو پـنهـان میکـنـی
هـم تـوئـی شـب را بـروزی آوری

زنـده از مـرده هـویـدا میـکـنـی
مـرده را از زنـده پیـدا میـکـنـی

هـر کـرا خـواهـی تـو روزی میدهـی
بیـش از انـدازه مـقـدارش دهـی

هـرچـه خـواهد عفـو تـو خـود آن کـند
چـارۀ آن جـرم وان عـصیـان کـند

برزداید هرچه کردم از گناه
برکرانم آرد از کار تباه

لطف تو نگذاردم در بند آز
تا نمانم بستهٔ بند نیاز

جز تو معبودی نشد هستی گرا
بهر تو آریم تسبیح و ثنا

مر ترا دایم ستایش گستریم
در ستایش ها نیایش آوریم

کیست آن، کو داندت حکم و توان
بس نیابد بیم تو او را بجان

کیست آن، کو انچه هستی داندت
پس ز تو ناترسد و ناخواندت

از توان تست تالیف الفرق
باشد از رحم تو یفلق الفلق

فرقه های مختلف یکجا کنی
صبح را از تار شب پیدا کنی

تار شب را ساختی رخشنده رخت
آب را کردی روان از سنگ سخت

آب را کردی دوگونه آشکار
یک بود شور و دگر شیرین گوار

از فشارنده که آن باشد سحاب
خود فرود آوردهٔ ریزنده آب

ساختی خورشید و مه را آشکار
در جهان مثل چراغ نوربار

بی ازان کز احتمال رنج و درد
ماندگی آید ترا از کار کرد

ای یگانه با همه عز و بقا!
بندگان را پست کردی از فنا

ای خدای پاک و ای رب ودود!
از فرازین بر فرود آور درود

بر محمد مصطفیؐ و آلؑ او
آن گزیده گوهران پاک خو

بشنو آوازم، پزیرا کن دعا
دشمنانم را گزین بهر فنا

از کرم امید من کن استوار
ایکه خوانندت پی کشف ضرار

ای بعسر و یسر مامول همه
وی ز تو انجاح مسئول همه

حاجت خود پیش تو آورده ام
تا گزیدی بر تو عرضه کرده ام

پس بناکامی نگردانم ز جود
از گزیده بخشش خود ای ودود!

ای دهشور! ای دهشور! مهربان
مهربان تر از همه رحمت کنان

ترجمه دعای امام زین العابدین جو حضرت
بعد اس دعا کے پڑھتے تھے

یا الٰہی ! قلب من محجوب و بنگ
عقل من مغلوب و نفس من بتنگ

حرص من بوست بر من چیرہ دست
کثرت عصیان و طاعت اندک ست

معترف آمد زبانم در ذنوب
چیست تدبیر من علام الغیوب

ای گنہ آمرز و ستارالعیوب!
عفو کن از من بخشایم ذنوب

ای بہنگام عقوبت سخت گیر!
وی بحلم و مغفرت پوزش پزیر

حاجت من بہر قرآن کن روا
وز برائے حضرت خیرالوریٰ

ای خدا ! از آسمان آور فرود
بر نبیؐ و آل اطہارشؑ درود!

دعای نور و منقول از جناب امیر علیہ السلام
مع ترجمہ نثر و نیز ترجمہ منظوم از مرزا اسد اللہ خان غالب طبع سوم
دعای صباح
حسب الایمای مرزا عباس بیگ صاحب
بمطبع منشی نول کشور رونق طبع یافت

دعاء الصباح
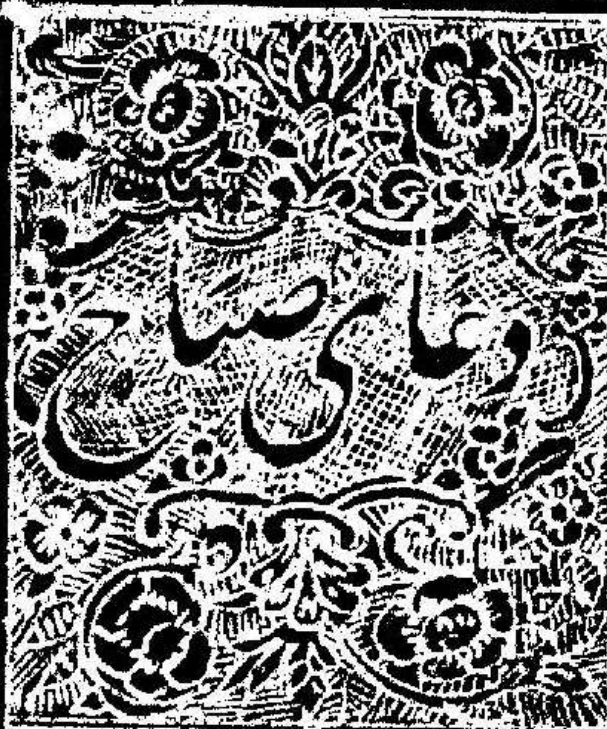
بسم الله الرحمن الرحیم

اللهم یا من دلع لسان الصباح بنطق تبلّجه

ای خدای آنکه بیرون آورد زبان بامداد را بگفتار روشن شدنش

ای خدا ای داور گوهر گشاد | از درخشیدن زبان بامداد

وسرّح قطع اللیل المظلم بغیاهب تلجلجه

و بجا گذاشت رمه های شب تاریک ابتار یکیهای دور شدن و متردد

پاره های تار شب را آفرید | پرده های تار ظلمت در کشید

واتقن صنع الفلک الدوّار فی مقادیر تبرّجه

استوار کرد صنعت چرخ گردنده را در اندازهای زینت آن

کرد صنع چرخ گردان استوار | در مقادیر تزئین آشکار

وَشَعْشَعَ ضِيَاءَ الشَّمْسِ بِنُورِ تَأَجُّجِهِ

وآمیخت روشنی خورشید را بفروغ زبانه کشیدن آن

ای خداوندی که تاب آفتاب	کرد یکجا با فروغ التهاب
چهرهٔ مهر درخشان برفروخت	با همه تابش در آتش سخت سوخت

یَا مَنْ دَلَّ عَلَى ذَاتِهِ بِذَاتِهِ وَتَنَزَّهَ عَنْ مُجَانَسَةِ مَخْلُوقَاتِهِ

ای که ذاتش راند اتش رهبری	گشت از همجنسی عالم بری
در جهان هستی اش همجنس کیست	هیچ مخلوقی بدو همجنس نیست

وَجَلَّ عَنْ مُلَاءَمَةِ كَيْفِيَّاتِهِ

و برتر شد از مناسبت کیفیات خویش

برتر از کیفیت آمد گوهرش	کیفیت ها نیستی گیرد برش

یَا مَنْ قَرُبَ مِنْ خَطَرَاتِ الظُّنُونِ وَبَعُدَ عَنْ

ای که نزدیک شد از خطرات گمان ها و دور شد از

مُلاحظةِ العُیُوْنِ

دیدن	چشمان
نزدیکی بخطراتِ ظنون	دورتر ہستی زدیدارِ عیون
از دیدہ شدن آتش بربست	برکرانہ از جہاتِ پیکر بست
واز پس و پیش است بیش	کرد ہستی را محاطِ علم خویش

لم بما کان قبل ان یکون یا من اثر قدمہ

نت بہر چہ شد بیش ازان کہ شود ای آنکہ خواہا بند مرا

فی مِهَادِ اَمْنِهٖ وَ اَمَانِهٖ

درگہوارہ ہاے امن و امانِ خویش

درعالم بہ ہستی رو نمود	بیش از ہستی بعلم او کشود
درگہوارہ امن و امان	خواب در چشم من کردی نہان

قضی الی ما منحنی بہ من مننہ احسانہ

بارکردی سوی آنچہ بخشید مرا از دہش ہا و بخشش ہای خود ش

رچشم من به بیداری کشاد سوی احسان عطائی کو بداد

کَفَّ اَکُفَّ السُّوءِ عَنِّی بِیَدِہٖ وَسُلْطَانِہٖ

بست دست ہائے بدی را از من بدست خود و قدرت خودش

ت او بربست دست بر زیاں قدرت واز بدی دادم امان

لِّ اللّٰھُمَّ عَلَی الدَّلِیْلِ اِلَیْکَ فِی اللَّیْلِ الْاَلْیَلِ

رود فرست ای خدا بر رہنمای سوی تو در شب تاریک تر

رست ای وادو ہستی درود بر کسی کو سوی تو راہم نمود

ب تاریک تر شد رہنما سوی درگاہ تو ای گیتی خدا

ماسِکِ مِنْ اَسْبَابِکَ بِحَبْلِ الشَّرَفِ الْاَطْوَلِ

رندہ از سبب ہائی تو بر رسن بزرگی دراز تر

سبب ہائی تو ای رب الامین از شرف گیرندہ حبل الوطین

نَاصِعِ الْحَسَبِ فِی ذِرْوَۃِ الْکَاھِلِ الْاَعْبَلِ

لص نسبات در بلندی دو ش سطبر و کلان

روزان گوہری نسبت رہ نژاد آنکہ بر دوش بلندی پا نہاد

ثَبِّتِ الْقَدَمَ عَلٰی نَحَا لِیْفِهَا فِی الزَّمَنِ الْاَوَّلِ

قدم بر لغزش گاه های در روزگار اوّل

مدد در نخستین روزگار	پای در جای لغزان استوار

عَلٰی آلِهِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاهِرِیْنَ الْاَبْرَارِ الْمُصْطَفَیْنَ الْاَخْیَارِ

آل او که پاک و طاهر نیکوکاران برگزیدگان بهتر انند

آلش که از نسب طاهر اند	پاک دین و برگزیده طاهر اند
ان و یزدان برگزین	برگزیده گوهران پاک دین

اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لَنَا مَصَارِیْعَ الصَّبَاحِ بِمَفَاتِیْحِ الرَّحْمَةِ وَالْفَلَاحِ

ای خدا بهر ما دروازه های بامداد بکلید هائے رحمت و نیکوی

خدا بکشا مصاریع الصباح	از برای مفتاح الفلاح
ای ادار گیتی داد گر	بر کشا بر ما تو درهای سحر
کلید لطف در ها باز کن	بهر ما سامان رحمت ساز کن

بِسْنِی اَللّٰهُمَّ مِنْ اَفْضَلِ خِلَعِ الْهِدَایَةِ وَالصَّلَاحِ

پوشان مرا ای خدا از بهترین خلعت های هدایت و نیکی

من پیرایۂ رشد و سداد ⁂ در برم پوشان تو ای رب العباد

غْرِسِ اللّٰهُمَّ بِعَظَمَتِكَ فِی شِرْبِ جَنَانِی یَنَابِیعَ الْخُشُوعِ

شان ای خدا بعظمت خود در آبشار روان من چشمه های نیاز

شان بر من ینابیع الخشوع ⁂ از روانم کن روان عین الخضوع

گاه عظمت ای بی نیاز ⁂ کن روان از چشم من آب نیاز

جرِ اللّٰهُمَّ بِهَیْبَتِكَ مِنْ آمَاقِی زَفَرَاتِ الدُّمُوعِ

لان کن ای خدا از بیم خودت از گوشۂ چشم من ریزان اشک ها

م از بیم خودت ای کردگار ⁂ اشک ها از گوشۂ چشمم ببار

دِّبِ اللّٰهُمَّ نَزَقَ الْخُرْقِ مِنِّی بِاَزِمَّةِ الْقُنُوعِ

دیب کن ای خدا سبکی نادانی را از من بزمامهای شکیبائی

سبکی نادانیم تادیب کن ⁂ از شکیبائی مرا تهذیب کن

...إِنْ لَمْ تَبْتَدِئْ الرَّحْمَةُ مِنْكَ بِحُسْنِ التَّوْفِيقِ فَمَنْ

...ا اگر آغاز نکنی رحمت را از خودت به نیکو توفیق پس کیست

...مالكُ بي إليكَ في أوضحِ الطريق

...ده مرا بسوی تو در گشاده ترین راه

...باشد از تو آغاز کرم ورنه توفیق تو باشد رهبرم

...هنیارد برون من سوی تو در گشاده تر رهی در کوی تو

...نْ أسلمتني أناتُكَ لقائدِ الأملِ والمُنى

...بسپارد مرا حلم تو برای کشنده امید و آرزوها

...نِ المُقيلُ عثراتي مِنْ كبواتِ الهوى

...ا کیست آمرزنده لغزیدنهای مرا از افتادن هوس

...مرا حلم تو بسپارد به آز بر کشد زنجیرهٔ حرص ام دراز

...ما ننیامرزی گناهم ای خدا سرنگون افتادن من در هوا

إِنْ خَذَلَنِي نَصْرُكَ عِنْدَ مُحَارَبَةِ النَّفْسِ وَالشَّيْطَانِ

...اگر بگذارد مرا یاری تو هنگام جنگ نفس و شیطان

ـد وکلنی خذ لانک الی حیث النصب والحرمان

ما براَنہ بسیار درمراگذاشتن توسوی مکان رنج و ناکامے

رت تو گر مرا سیاید معین | گاہ جنگ نفس و شیطان لعین
ن بیین خذلان بجرمانم کشند | در ہمہ رنج و تعب جانم کشند

ہی اترانی ما اتیتک الا من حیث الامال

ی خدا آیا مے بینی مرا کہ نیارم ترا مگر امید ہا

ر علقت باطراف حبالک الا حین باعدتنی

یوستم بسو ہای سن ہای تو مگر ہنگامی کہ دور کرد مرا

ذنوبی عن دار الوصال

گناہان من از خانۂ وصال

و ترامی بینی ای ہستی خدا | کامدم سویت بامید و رجا
ت پیوستم باطراف الحبال | چون گنہ افگند دورم از وصال
نا بدری در شدم از بارگاہ | زانکہ چیرہ شد بمن دست گناہ

فبئس المطيئة التي امطئت نفسي من هواها

پس بد مرکوبی که بسواری اش برگزید نفس من از حرص آن

زشت مرکوبی که نفس من آن — از هوا و حرص شد دائم روان

فواها لها سولت لها ظنونها ومناها

پس واه از بهر آن نفس از بهر آنچه آراستی نمود از بهر او گمان های آرزوهای آن

واه از تسویل نفس ذو فنون — کان بود آرزوهای و ظنون

آه زان خواهش که زو برخاسته — آرزوها در دلش آراسته

هر زمان کامی بهر سویش برد — فرش خواهش ها بهر سو گسترد

بر درازی ها کشد طول امل — تا بدوری افتد از حسن عمل

وتبا لها لجرأتها على سيدها ومولاها

و نیستی از بهر او بسبب جرأت او بر سرور خود و مالک خودش

نیست دانان نفس فرمان ناپذیر — کو بود پیش خدا از بدش دلیر

ت وگستاخی وعصیان کند — سرکشی از طاعت یزدان کند

ہی قرعت باب رحمتک بید رجائی

ا خدا کوفتم من در رحمت ترا بدست امید خودم

ا خداوند ز من از دست رجا — کوفتم دروازهٔ رحم ترا

ہربت الیک لاجئا من فرط اھوائی

بریختم بسوئے تو مضطر از فزونی خواهش های خودم

ی تو بگریختیم با اضطرا — از وفور خواهش نا استوا

علقت باطراف حبالک انامل ولائی

یوستم بسوہای رسن ہای تو سر انگشتان ولای خود

رسن ہائی توای گیتی خدا — باز پیوستم سرانگشت ولا

صفح اللّٰھم عما کان اجرمتہ من زللی وخطائی

ما۔ روگردان ای خدا از انچہ گناہ کردمش از لغزش من خطای من

گذار از من تو ای رب الورا — ہرچہ کردم از گناہ واز خطا

وَاَقِلْنِیْ اَللّٰھُمَّ مِنْ صَرْعَۃِ رِدَاۤئِیْ فَاِنَّکَ سَیِّدِیْ

و معاف دار مرا ای خدا از افتادن بلای من پس ہر آئنہ توئی سردار من

وَمَوْلَائِیْ وَمُعْتَمَدِیْ وَرَجَائِیْ وَغَایَۃُ مُنَائِیْ فِیْ

و مالک من و محل استواری من و امید من و پایان آرزوہای من در

مُنْقَلَبِیْ وَمَثْوَائِیْ

گردیدن من و اوقات گزیدن من

لغزشی کز من بیاید آشکار	در گذار از من تو ای پروردگار
عفو کن افتادن من در بلا	باز دار از ہر چہ زاید زان عنا
زین کہ ہستی سرور و معبود من	غایت ہر خواہش و مقصود من
در زمان ہر کجا گردیدنم	نیز در ہنگام آرامیدنم

اِلٰھِیْ کَیْفَ تَطْرُدُ مِسْکِیْنًا اِلْتَجَاَ اِلَیْکَ

اے خدای من چگونہ میرانی ناداری را کہ التجا آورد سوی تو

مِنَ الذُّنُوْبِ ھَارِبًا

از گناہان گریزان

خود چسان میرانی ای پروردگار | بینوائی کامدت با اضطرار

یعنی این مسکین که آورد است رو | با همه صد ناشکیبی سوی تو

از گناهِ خود گریزان آمده | وز خطای خود پشیمان آمده

أَمْ كَيْفَ تُخَيِّبُ مُسْتَرْشِداً قَصَدَ إِلَىٰ جَنَابِكَ سَاعِياً

آیا چگونه نقصان میرسانی طالب رهنمائی را که قصد کرد سوی درگاه تو سعی نموده

ره پژوهی را که خواهد راه تو | قصد او باشد همه درگاه تو

سوی درگاه تو باشد تیزگام | میکنی دورش چرا از راه کام

أَمْ كَيْفَ تَرُدُّ ظَمْآناً وَرَدَ إِلَىٰ حِيَاضِكَ شَارِباً

چسان بازگردانی تشنه را که وارد شد سوی حوض های تو نوشنده

تشنه را بازمیداری چرا | آنکه سوی حوض تو شد ره گرا

آب جویان آمده بر چشمه سار | تا لبِ خود تر کند زان آبشار

كَلَّا وَحِيَاضُكَ مُتْرَعَةٌ فِي ضَنْكِ الْمَحُوْلِ

چنین نیست و حوض های تو پر اند در تنگی قحط سال

زینهار این حوض تو پُر از زلال
پر بود هنگام قحط و خشک سال

وَبَابُكَ مَفْتُوْحٌ لِلطَّلَبِ وَالْوُغُوْلِ

و در تو کشاده بود از بهر طالبان و دعوت ناخواندگان

باب تو مفتوح باشد جاودان
بهر خواهنده و ناخوانده گان

طالبان هم طفیلی آشکار
بر در کشاده ات باشند بار

هر که را میخواهیش می آید بزود
وانکه ناخواهیش نیز آید فرود

این در تا بروی کس بر بسته نیست
خوانده و ناخوانده جو د اینجا یکیست

از کمال جود تست این فتح باب
تا همه گردد از تو بهره یاب

بخشش خود را تو زنجیر دراز
هم کشیدی ای خدای بی نیاز

خود نمی بندی در رحمت بروی کس	جز برحمت می نه بینی سوی کس
لطف تو عام است هرگز نیست خاص	دور تر رفته ازین در اختصاص
بسته نبود بر رخ کس باب تو	هر کسی خندان بود از تاب تو
ابر تو ریزد بهر دامن گهر	هر کسی از فیض تو آید ز در
ممسکی و بخل در تو یافت نیست	آنکه در هستی بود بی بهره کیست

وَأَنْتَ غَايَةُ الْمَسْئُولِ وَنِهَايَةُ الْمَأْمُولِ

و توئی پایان خواسته و انجام آرزومنیده

غایت مأمول و مسئولم توئی	آخر مقصود و مأمولم توئی

إِلٰهِي هٰذِهِ أَزِمَّةُ نَفْسِي عَقَلْتُهَا بِعِقَالِ مَشِيَّتِكَ

ای خدای من این زمام های نفس خود را بستمش به بند خواهش تو

این زمام نفس خود را ای خدا	کرده ام بربسته بند رضا

مرکب نفسم که از بس سرکش است — هر زمان سر بر فلک چون آتش است

با رضایت کرده‌ام فرمان پذیر — تا بود در محبس فرمان اسیر

هرچه ریزندش همه گیرد بسر — سر نتابد از قضا و از قدر

هرچه پیش آیدش گیرنده شود — هرچه بدهندش پذیرنده شود

گر همه تلخی بریزندش بکام — درکشد بحسیر چنان کز شهد جام

خواهش خود را نماید بی نشان — خواهش تو پیش گیرد جاودان

وَهٰذِهِ اَعْبَاءُ ذُنُوْبِیْ دَرَءْتُهَا بِرَاْفَتِكَ وَرَحْمَتِكَ

واین بار گناهان من — دور کردمش بمهربانی تو و رحمت تو

از گناهم بود بس بار گران — رافت رحم تو کردش بی نشان

بی نشانش کرده‌ام از الطاف تو — ساختم معدومش از اعطاف تو

وَهٰذِهِ اَهْوَائِي الْمُضِلَّةُ وَكَلْتُهَا اِلٰى جَنَابِ لُطْفِكَ

واین خواهش‌های گمراه کن من سپردمش بسوی بارگاه لطف تو

وَرَأْفَتِكَ وَعَفْوِكَ

ورافت تو و عفو تو

واین هوای نفس من گمراه کن	از طریق راستی بیراه کن
سوی لطف و رافت بسپردمش	سوی غفاری عفوت بردمش

فَاجْعَلِ اللّٰهُمَّ صَبَاحِي هٰذَا نَازِلاً عَلَيَّ بِضِيَاءِ

الْهُدٰى وَسَلَامَةٍ فِي الدِّيْنِ وَالدُّنْيَا

راستی و سلامتی در دین و دنیا

ای خدا بر من بیار این بامداد	با فروغ راستکاری و رشاد
واین سحر را کن تو ای پروردگار	از برای دین و دنیا پاسدار

وَمَسَائِي جُنَّةً مِنْ كَيْدِ الْاَعْدَاءِ وَوِقَايَةً

وکن این شام مرا سپر از فریب دشمنان و پاسبانی

مِنْ مُرْدِیَاتِ الْهَوٰی
از مہلکاتِ خواہشِ نفسانی

شاہ نگاہم را بکن بہرم سپہر | از فریب دشمنان کینہ ور
نیز آن شاہم مرا کن پاسدار | از ہوا در مہلکات روزگار

اِنَّكَ قَادِرٌ عَلٰى مَا تَشَآءُ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ

ہر آئینہ تو قادر ہستی بر ہر چہ میخواہی میدہی ملک را ہر کہ را می خواہی

باشد بر ہر چہ میخواہی تو آن | ہر کرا خواہی دہی ملک جہان

وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ

و می ستانی ملک از ہر کہ میخواہی و عزت میدہی ہر کرا میخواہی و

تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ

ذلت میدہی ہر کرا می خواہی

ملک خود را باز بستانی ہمیں | از کسی کش خواہیش کردن چنین
ہر کرا خواہی تو عزت میدہی | ہر کرا خواہی تو ذلت میدہی

بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

در دست تست خوبی هر آئنه توئی بر هر چیز توانا

نیکی و خوبی همه در دست تست — هر چه باشد هستی اش پا بست تست

بر همه هستی توانائی تراست — دیگری را این توانائی کجاست

تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ

داخل میکنی شب را در روز و داخل میکنی روز را در شب

شب درون روز می آری همین — باز روز آری درون شب چنین

وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ

و می آری زنده را از مرده و اخراج می نمائی مرده را از زنده

تو بر آری زنده را از مرده تن — می بر آری مرده از زنده بدن

خون ز جسم و جسم را از آب خون — از توان خود همی آری برون

بیضه از مرغ و مرغ از بیضها — می بر آری تا شوی هستی گرا

یا ز نادانی خدا را ناشناس — عالمی یزدان شناس و با سپاس

باز از دانا تو نادان آوری — کو بدر دری ز اقتدار دانشوری

وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاۤءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ

و روزی دہی ہر کرا می خواہے بدون شمار

ہر کرا خواہی تو روزی میدہی — بیش از اندازہ و مقدارش دہی

ہر چہ خواہد عفو تو خود آن کند — جا دہد آن جرم و ان عصیان کند

بر زداید ہر چہ کردم از گناہ — ہر کرا نم آرد از کار تباہ

لطف تو نگذاردم در بند آز — تا نمانم بستۂ بند نیاز

لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ

خدائے نباشد جز تو تسبیح کنیم تسبیح ترا ای خدا و تحمید میکنم بحمد تو

جز تو معبودی نشد ہستی گرا — بہر تو داریم تسبیح و ثنا

مر ترا دائم ستایش گستریم	در ستایش ها نیایش آوریم

مَنْ ذَا يَعْلَمُ قُدْرَتَكَ فَلَا يَخَافُكَ وَمَنْ ذَا يَعْلَمُ

کیست آنکه داند قدرت ترا پس نترسد ترا و کیست آنکه داند

مَا أَنْتَ فَلَا يَهَابُكَ

آنچه هستی پس نترسد از تو

کیست آن کو داندت حکم و توان	پس نیاید بیم تو اورا بجان
کیست آن کو آنچه هستی داندت	پس ز تو نا ترسد نا خواندت

أَلَّفْتَ بِقُدْرَتِكَ الْفِرَقَ وَفَلَقْتَ بِرَحْمَتِكَ الْفَلَقَ

متفق کردی بقدرت خودت فرقه ها را و شکافتی برحمت خودت سپیده سحر را

از توان تست تالیف الفرق	باشد از رحم تو تفلیق الفلق
فرقه های مختلف یک جا کنی	صبح را از تار شب پیدا کنی

وَنَوَّرْتَ بِكَرَمِكَ دَيَاجِيَ الْغَسَقِ وَأَنْهَرْتَ

و درخشانیدی بکرم خودت تاریکیهای شب را و روان کردے

أَلْمِيَاهَ مِنَ الصُّمِّ الصِّيَاخِيدِ عَذْبًا وَّأُجَاجًا

آبها را از سنگ سخت و شیرین و شور

تا رشتها ساختی از خشنده رخت	آب کردی گه روان از سنگ سخت
آب کردی دو گونه آشکار	یک بود شور و دگر شیرین گوار

وَأَنْزَلْتَ مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَاءً ثَجَّاجًا

و فرود آورده از فشارنده ها آب ریزندگان

از فشارنده که آن باشد سحاب	خود فرود آورده ریزنده آب

وَجَعَلْتَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لِلْبَرِيَّةِ سِرَاجًا وَّهَّاجًا

و ساختی خورشید و ماه را از بهر خلق چراغ درخشان

ساختی خورشید و مه را آشکار	در جهان مثل چراغ نور بار

مِنْ غَيْرِ أَنْ تُمَارِسَ فِيمَا ابْتَدَأْتَ بِهِ لُغُوبًا وَّلَا عِلَاجًا

بی آنکه درستی و همیشگی ورزی در آنچه آغاز کردی تو آن را ماندگی و رنج کشیدن

بی از آن کز احتمال رنج و درد	ماندگی آید ترا از کار کرد

وَيَا مَنْ تَوَحَّدَ بِالْعِزِّ وَالْبَقَاءِ وَقَهَرَ عِبَادَهُ بِالْمَوْتِ وَالْفَنَاءِ

ای آنکه یگانه شدی بعزت و دوام و قهر و زبردست کردی بندگان خود را بمرگ و نیستی

ای یگانه با همه عز و بقا بندگان اسپست کردی از فنا

صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهِ الْاَتْقِيَاءِ

درود بفرست بر محمد و آل او که پرهیزگار اند

ای خدای پاک ای رب ودود از فرزندین بر فرود آور درود

وَاسْتَجِبْ دُعَائِيْ وَاسْمَعْ نِدَائِيْ وَاَهْلِكْ اَعْدَائِيْ

و پذیرا کن دعای مرا و بشنو آواز مرا و بکش دشمنان مرا

بشنو آوازم پذیرا کن دعا دشمنانم را گزین بهر فنا

وَحَقِّقْ بِفَضْلِكَ اَمَلِيْ وَرَجَائِيْ يَا خَيْرَ مَنْ دُعِيَ

و راست کن بفضل خود امید مرا و توقع مرا ای بهترین آنکه خوانده شد

اِلَيْهِ لِكَشْفِ الضُّرِّ

از بهر دفع ضرر

از کرم امید من کن استوار ای خوانندت پی کشف ضرار

وَالْمَامُوْلُ لِكُلِّ عُسْرٍ وَيُسْرٍ بِكَ اَنْزَلْتُ حَاجَتِىْ

وامیدداشته باشنده برای دشواری و آسانی بتو فرود آوردم حاجت خود

فَلَا تَرُدَّنِیْ یَا سَیِّدِیْ مِنْ سَنِیِّ مَوَاهِبِكَ خَائِبًا

پس مگردان مرا اے سردار من از گزیده بخشش های خودت ناکام

یَا كَرِیْمُ یَا كَرِیْمُ بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ

اے دهشتور ای دهشتور برحمت خود ای مهربان ترین مهربانان

ای بعسر ویسر مامول همه	وی ز تو انجاح مسئول همه
حاجت خود پیش تو آورده ام	تا گزیری بر تو عرضه کرده ام
پس ناکامی نگردانم ز جود	از گزیده بخشش خود ای ودود
ای دهشتور ای دهشتور مهربان	مهربان تر از همه رحمت کنان

اور جناب امام زین العابدین علیہ الصلوٰۃ والسلام سے

روایت ہی کہ بعد پڑھنے اس دعا کے سجدہ میں یہ دعا پڑھے

اِلٰهِیْ قَلْبِیْ مَحْجُوْبٌ وَعَقْلِیْ مَغْلُوْبٌ وَنَفْسِیْ مَعْیُوْبٌ

ای خدای من دل من در حجابست و خرد من درمانده و نفس من عیب ناک

یا الٰہی قلب من محجوب تنگ | عقل من مغلوب و نفس من به ننگ

وَهَوَائِیْ غَالِبٌ وَطَاعَتِیْ قَلِیْلٌ وَمَعْصِیَتِیْ کَثِیْرٌ

و خواہش من غالب است و عبادت من اندک و گناه من بسیار

حرص من بود آبر من چیره دست | کثرت عصیان و طاعت اندک است

وَلِسَانِیْ مُقِرٌّ بِالذُّنُوْبِ فَکَیْفَ حِیْلَتِیْ یَا عَلَّامَ الْغُیُوْبِ

و زبان من اقرار کننده بگناهان پس چگونه است تدبیر من ای بسیار داننده نہانها

معترف آمد زبانم در ذنوب | چیست تدبیر من علام الغیوب

فَاغْفِرْ لِیْ ذُنُوْبِیْ یَا غَفَّارَ الذُّنُوْبِ یَا سَتَّارَ الْعُیُوْبِ

پس بیامرز تقصیر من گناهان من ای بسیار آمرزنده گناهان و ای بسیار پوشنده عیب ها

ای گنه آمرز و ستار العیوب | عفو کن از من به بخشائم ذنوب

یَا شَدِیْدَ الْعِقَابِ یَا غَفُوْرُ یَا حَلِیْمُ اِقْضِ حَاجَتِیْ

ای سخت عذاب ای بخشنده ای بردبار روا کن حاجت من

بحق القرآن العظیم والنبی الکریم

بحق مصحف مجید و پیغمبر مشہور

ای بہنگام عقوبت سخت گیر	وی بحلم و مغفرت پوزش پذیر
حاجت من بہر قرآن کن روا	وز برای حضرت خیر الورا

وصلی اللہ علی محمد وآلہ الطاہرین

درحمت فرستد اللہ تعالی بر محمد وآل پاک او

ای خدا از آسمان آور فرود	بر نبی وآل اطہارش درود

تمت

مرزا غالبؔ کا سلام اور مرثیہ

نجم الدولہ، دبیر الملک، نظام جنگ اسد اللہ خان غالبؔ کے نام سے کون واقف نہیں ہے۔ ندرت خیال کے مرکز رنگینی بیان کے محور اور غزل کے غالبؔ کے لئے مولانا ابوالکلام آزادؔ نے سچ ہی کہا تھا کہ میر انیسؔ کے مراثی اور غالبؔ کی غزلیات، اُردو ادب کی جانب سے دنیائے ادب کو تحفہ تصور کی جائیں۔ جس طرح مرثیہ گوئی کے آفتاب میر انیسؔ کی ہمارے پاس صرف تین غزلیں موجود ہیں، اسی طرح غزل کے شہنشاہ غالبؔ کا صرف ایک تین بند کا مرثیہ اور ایک سلام ہمارے اردو رثائی ادب کا جزو ہے۔ جس سے بہت سے لوگ بے خبر ہیں۔ اگرچہ غالبؔ کے فارسی اور اُردو دیوان میں منقبتی اشعار، اہل بیتؑ اکرام اور اماموں کی شان میں موجود ہیں اور ان کے فارسی اور اُردو دواوین میں شامل ہیں جو ان کی زندگی میں شائع ہوئے ہیں۔

مولانا حالیؔ نے ''یادگار غالبؔ'' میں لکھا ہے کہ ایک بار غالباً مجتہد العصر سید محمد صاحب مرحوم و مغفور نے مرزا سے اس بات کی خواہش کی کہ اُردو میں جناب سید الشہدؑا کا مرثیہ لکھیں چونکہ مرزا ان کی بہت تعظیم کرتے تھے اور ان کے سوال کو رد کرنا نہیں چاہتے تھے، ان کے حکم کی تعمیل کے لئے مرثیہ لکھنے بیٹھے۔ چونکہ اس کوچے میں کبھی قدم نہ رکھا تھا اور فرمائش ایسی چیز کی ہوئی تھی جس کو اور لوگ حدِ کمال تک پہنچا چکے تھے اور قویٰ میں انحطاط شروع ہو گیا تھا۔ مشکل سے مسدس کے تین بند لکھے اور یہ کہہ کر رک گئے کہ یہ مرزا دبیرؔ کا میدان ہے، ہم سے تو اس میں چلا نہ گیا، بس تین بند ہی کہہ سکے۔

(نوٹ: حالیؔ نے اس مرثیہ کو غالبؔ کے بڑھاپے کی تصنیف بتایا ہے جبکہ کلکتہ کے سفر کے دوران لکھنو میں غالبؔ نے یہ چند بند میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ کو سنائے اور اُس وقت غالبؔ کی عمر مشکل سے تیس (30) سال تھی)۔

مرزا غالبؔ کا یہ واحد اردو مرثیہ، جو مسدس ہیئت میں لکھا گیا ہے، صرف تین بند، یعنی ۱۸ اشعار پر مشتمل ہے، جو شوکتِ الفاظ، ندرتِ خیال اور آہنگ غم و اندوہ کا ترجمان ہے۔

مطلع مرثیہ = ہاں! اے نفس بادِ سحر! شعلہ فشاں ہو

مطلع سلام = سلام اُسے کہ اگر بادشاہ کہیں اُس کو

فروغِ اُردو کے غالبؔ نمبر نومبر 1968 میں لکھا ہے کہ'' غالبؔ کی انیسؔ سے ملاقات ہوئی اور غالبؔ نے اُن سے کسی غزل کی فرمائش کی تو انھوں نے غزل کے بجائے ایک سلام سنایا اور کہا کہ آپ جواباً اپنا کوئی مرثیہ

سُنائے۔ غالبؔ نے اپنے کہے ہوئے مرثیہ۔ ع۔ ہاں! اے نفس بادِ سحر شعلہ فشاں ہو کے تین بند انیسؔ کو سُنا کر یہ بھی کہہ دیا کہ "مرثیہ کہنا تو آپ ہی کا حق ہے"۔ تذکرہ جلوہ خضر جلد اوّل میں ایک روایت کے بموجب مرزا غالبؔ لکھنو میں مرزا دبیرؔ سے بھی ملے تھے۔ غالبؔ نے دبیرؔ کی فرمائش پر اپنا کہا ہوا ایک مرثیہ سُنایا تو ساتھ میں یہ بھی کہہ دیا کہ "ع۔ یہ مرثیہ ہے کا ہے کو وا سوخت ہو گیا۔ حضرت! یہ حق تو آپ کا ہی ہے۔ دوسرا اس کوچہ میں قدم نہیں رکھ سکتا"۔ محققین نے بتایا ہے کہ انیسؔ اور غالبؔ بخوبی ایک دوسرے کے کلام سے واقف تھے اور دونوں اپنے اپنے میدان کے شہسوار تھے، چنانچہ اسی لئے جب مرزا غالبؔ کے انتقال کی اطلاع میر انیسؔ کو پہنچی، تو آپ نے اپنے جذبات کی عکاسی ان اشعار میں کی :

گلزارِ جہاں سے باغِ جنت میں گئے
مرحوم ہوئے جوارِ رحمت میں گئے
مدّاح علیؑ کا مرتبہ اعلیٰ ہے
غالبؔ اسدُ اللہ کی خدمت میں گئے

یہ اشعار غالبؔ کے عقائد کو سمجھنے کے لئے سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اُردو کے چار عظیم شعرا: میر تقی میرؔ، مرزا غالبؔ، میر انیسؔ اور علامہ اقبالؔ عشقِ محمد عشق علیؑ اور عشق اہلبیتؑ اکرامؑ میں سر مست تھے اور یہی احساسات اور جذبات ان کے اشعار کی مینا سے مے تند کی طرح ابل رہے تھے، اسی لئے مرزا غالبؔ نے نوجوانی کے عالم میں کسی غزل میں فرمایا تھا :

غالبؔ ! ندیم دوست سے آتی ہے بوے دوست
مشغولِ حق ہوں بندگی بوترابؑ میں

کسی اور موقع پر کہتے ہیں :

غمِ شبیرؑ سے سینہ ہو یہاں تک لبریز
کہ رہیں خونِ جگر سے مری آنکھیں رنگیں

اس گفتگو کے اختتام پر چند غالبؔ کے اشعار، جو مشتی از خرمن ہیں پیش کئے جا رہے ہیں :

مشکیں لباس کعبہ علیؑ کے قدم سے جاں
نافِ زمین ہے نہ کہ نافِ غزال ہے

بہت سہی غم ، گیتی شراب کم کیا ہے
غلامِ ساقی کوثر ہوں ، مجھ کو غم کیا ہے

کل کے لئے کر آج نہ خست شراب میں
یہ سوے ظن ہے ساقیؑ کوثر کے باب میں

کسی کتاب کی تاریخ میں لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

سات اور سات ہوتے ہیں چودہ
بامید سعادت افزائی
غرض اس سے ہیں چہاردہ معصومؑ
جن سے ہے چشم و جاں کو زیبائی
اور بارہ امامؑ ہیں بارہ
جن سے ایماں کو ہے توانائی
ان کو غالبؔ یہ سال اچھا ہے
جو ائمہ کے ہیں تولائی

خدا کرے کہ ہر سال تمام مسلمین جہان کے لئے اچھا رہے۔

☆......☆......☆

مرثیہ

ہاں ، اے نفسِ بادِ سحر ! شعلہ فشاں ہو
اے دِجلۂ خوں ! چشمِ ملائک سے رواں ہو
اے زمزمۂ قُم ! لبِ عیسیٰؑ پہ فغاں ہو
اے ماتمیانِ شہِؑ مظلوم ! کہاں ہو
بگڑی ہے بہت بات بنائے نہیں بنتی
اب گھر کو بغیر آگ لگائے نہیں بنتی

تابِ سخن و طاقتِ غوغا نہیں ہم کو
ماتم میں شہِؑ دیں کے ہیں سودا نہیں ہم کو
گھر پھونکنے میں اپنے محابا نہیں ہم کو
گر چرخ بھی جل جائے تو پروا نہیں ہم کو
یہ خرگۂ نہ پایہ جو مدّت سے بپا ہے
کیا خیمۂ شبیرؑ سے رتبہ میں سوا ہے!

کچھ اور ہی عالم نظر آتا ہے جہاں کا
کچھ اور ہی نقشہ ہے دل و چشم و زباں کا
کیسا فلک اور مہرِ جہانتاب کہاں کا!
ہوگا دلِ بیتاب کسی سوختہ جاں کا
اب صاعقہ و مہر میں کچھ فرق نہیں ہے
گرتا نہیں اس رُو سے کہو برق نہیں ہے

سلام

سلام اُسے کہ اگر بادشا کہیں اُس کو
تو پھر کہیں کہ کچھ اس سے سوا کہیں اُس کو

نہ بادشاہ نہ سُلطاں یہ کیا ستایش ہے
کہو کہ خامسِ آلِ عباؑ کہیں اُس کو

خدا کی راہ میں شاہی و خسروی کیسی؟
کہو کہ رہبرِ راہِ خدا کہیں اُس کو

خدا کا بندہ خداوندگار بندوں کا
اگر کہیں نہ خداوند کیا کہیں اُس کو؟

فروغِ جوہرِ ایماں حُسینؑ ابنِ علیؑ
کہ شمعِ انجمنِ کبریا کہیں اُس کو

کفیلِ بخششِ اُمّت ہے بن نہیں پڑتی
اگر نہ شافعِ روزِ جزا کہیں اُس کو

مسیحؑ جس سے کرے اخذِ فیضِ جاں بخشی
ستم ہے کُشتۂ تیغِ جفا کہیں اُس کو

وہ جس کے ماتمیوں پر ہے سلسبیل سبیل
شہیدِ تشنہ لب کربلا کہیں اُس کو

عدو کی سمعِ رضا میں جگہ نہ پائے وہ بات
کہ جنّ و انس و ملک سب بجا کہیں اُس کو

بہت ہے پایۂ گردِ رہِ حُسینؑ بلند
بقدرِ فہم ہے گر کیمیا کہیں اُس کو

نظارہ سوز ہے یاں تک ہر ایک ذرّۂ خاک
کہ نوکِ جوہرِ تیغِ قضا کہیں اُس کو

ہمارے درد کی یارب! کہیں دوا نہ ملے
اگر نہ درد کی اپنے دوا کہیں اُس کو

ہمارا منھ ہے کہ دیں اُس کے حُسنِ صبر کی داد!
مگر نبیؐ و علیؑ مرحبا کہیں اُس کو

زمامِ ناقہ کفِ اُس کے میں ہے کہ اہلِ یقیں
پس از حسینؑ علیؑ پیشوا کہیں اُس کو

وہ ریگِ تفتۂ وادی پہ گام فرسا ہے
کہ طالبانِ خدا رہنما کہیں اُس کو

یہ اجتہاد عجب ہے کہ ایک دشمنِ دیں
علیؑ سے آکے لڑے اور خطا کہیں اُس کو

یزید کو تو نہ تھا اجتہاد کا پایہ
بُرا نہ مانیئے گر ہم بُرا کہیں اُس کو

علیؑ کے بعد حسنؑ اور حسنؑ کے بعد حسینؑ
کرے جو اُن سے برائی بھلا کہیں اُس کو؟

نبیؐ کا ہو نہ جسے اعتقاد کافر ہے
رکھے امام سے جو بُغض کیا کہیں اُس کو

بھرا ہے غالبؔ دل خستہ کے کلام میں درد
غلط نہیں ہے کہ خونیں نوا کہیں اُس کو

غالب کے نوحے

شاعری کی قدیم ترین صنف نوحہ ہے۔ جب قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تو حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کے
بین نوحہ کی ابتدا تھے اور پھر رفتہ رفتہ نوحہ دنیا کی ہر زبان اور دنیا کے ہر مقام پر پہنچ گیا جہاں موت پہنچ سکتی تھی۔ عربی
ادبیات میں حضرت آدمؑ سے منسوب شعر سریانی زبان میں نوحے کی زبان میں ملتا ہے۔ سر جیمس جان فریزر اپنی
کتاب گولڈن باؤ میں لکھتے ہیں۔ ''جب Isis آئسس اپنی بہن کے ساتھ جا کر اپنے شوہر Osiris کی لاش کے
قریب بیٹھ گئی اور مسلسل نوحہ و بین کرنے لگی تو لوگ اس سے متاثر ہوئے چنانچہ یہ نوحہ و بین کے اشعار ایک عام رسم
کی صورت میں ہر مرنے والے پر پڑھے جانے لگے۔ یعنی تقریباً چار (4) ہزار سال قبلِ مسیح نوحہ مقبول ہو چکا تھا۔
قدیم یونان میں ''مسز موس'' ساتویں صدی قبلِ مسیح، ہندوستان میں سنسکرت کا شاعر ''امارو'' چوتھی صدی قبلِ مسیح،
روم میں ''کیوٹس'' پہلی صدی قبلِ مسیح کے شاعر نے بھی نوحے لکھے وہ اُس دور میں بے پناہ مقبول ہوئے اور اسی
طرح بعد مسیح بھی دنیا کے مختلف حصّوں میں معروف نوحہ نگار شعرا پیدا ہوئے اور درد دل کے نغمے سناتے رہے۔
جہاں تک اُردو شاعری کا تعلق ہے نوحہ بھی دکن کی سرزمین سے نکلا اور جلد ہی شمالی، شرقی اور غربی برصغیر ہند میں
پھیل گیا۔ نوحہ عربی لفظ ہے جس کے لغوی معنی رونا پیٹنا، بین کرنا، اور چلّا کر مرنے والے پر رونے، کے ہیں۔
اصطلاح میں نوحہ امام حسینؑ یا شہدائے کربلا کے مصائب نظم کو کہتے ہیں۔ مہذب اللغات کے مؤلف جناب
مہذب لکھنوی نے اس میں دو شرطیں بڑھا دی ہیں کہ ایک ہی شہید کے حال میں ہو اور کسی ایک کی زبان میں ہو۔
بہر حال نوحوں کی بیاضوں سے آخر الذکر شرایط کی تائید نہیں کی جاسکتی ہے۔

اُردو نعتیہ مضامین میں حضرت فاطمہ زہراؑ سے منسوب ایک نعت کی نشان دہی کی جاتی ہے جب کہ
''فصول المہمہ'' میں ابن صباغ نے اِسے نوحہ لکھا ہے اور اس کے موضوع اور مطالب نوحہ کے ہی معلوم ہوتے
ہیں۔ اس نوحہ کا ایک معروف شعر ہے۔

صبت علی مصائب لو انہا   صبت علی الایام عدن لیالیا

نوحہ پر تحقیقی کام مفقود ہے اِسے ایک رونے رولانے کی چیز کہہ کر بہت کم توجّہ کی گئی خود مشاہیر مرثیہ
نگاروں نے جہاں رباعی اور سلام کو نیا رُخ دیا بہت کم نوحے تصنیف کئے اور اِسی لئے عموماً مکی نوحوں کا رواج بر
صغیر میں عام تھا اور وہ بھی زنانی مجالس یا جلوسوں کی حد تک۔ بہت کم لوگ اس حقیقت سے واقف ہیں کہ غالبؔ

نے فارسی میں پانچ نوحے بھی لکھے ہیں۔ غالبؔ کا اُردو میں ایک سلام اور ایک تین بند کا مرثیہ موجود ہے جس سے سبھی واقف ہیں۔ غالبؔ کے یہ پانچوں نوحے مسلکی نوحوں کی صف میں شمار ہوتے ہوئے بھی ظلم وستم، استعبداد وحق فراموشی، باطل اور ظلمت کے خلاف ایک اہم دستاویز معلوم ہوتے ہیں۔

غالبؔ کے نوحوں میں قادرالکلامی اور معجز بیانی ہے جو غالبؔ کا منفرد انداز ہے۔ نوحوں کے اشعار میں بلا کا سوز وگداز ہے جو پڑھنے اور سننے والے کو درد واحساس کا اسیر کر دیتی ہے اور نشتر کو تیز تر کر کے احساس کے قلب میں اُتار دیتی ہے ان نوحوں پر اجمالی گفتگو سے قبل ہم ذیل کی جدول میں نوحوں کے مطلع اور مقطع اور تعداد شعر کی تفصیل پیش کر رہے ہیں :

نوحوں کی جدول

نمبر	تعداد شعر	مطلع	مقطع
1	12	ای کج اندیشہ فلک حرمت دین بایستی علم شاہؑ نگوں شد نہ چنین بایستی	چہ ستیزم بقضا ورنہ بگویم غالبؔ علم شاہ نگوں شد نہ چنین بایستی
2	11	شد صبح بداں شور کہ آفاق بہم زد مانا کہ زخون ریز بنی فاطمہؑ دم زد	ایں روز جہاں سوز کدامست کہ غالبؔ شد صبح بداں شور کہ آفاق بہم زد
3	14	سرو چمن سروری افتاد ز پا ھای شد غرقہ بہ خون پیکر شاہؑ شھیداں ھای	غالبؔ بہ ملائک نتواں گشت ھم آواز اندازۂ آں کو کہ شوم نوحہ سرا ھای
4	11	ای فلک شرم از ستم بر خاندان مصطفیؐ داشتی زیں پیش سر بر آستانِ مصطفیؐ	قدسیان را نطق من آوردہ غالبؔ در سماع گشتہ ام در نوحہ خوانی مدح خوانِ مصطفیؐ
5	14	وقتیست کہ در پیچ وخم نوحہ سرائی سوز د نفس نوحہ گر از تلخ نوائی	غالبؔ جگری خوں کن واز دیدہ فروبار گر روی شناس غم شاہؑ شھدائی

کل فارسی نوحے = پانچ عدد

کل اشعار نوحے = 62 عدد

غالبؔ نے نوحے کسی مخصوص شہید کے حال میں نہیں لکھے بلکہ شہدائے کربلا اور اُن میں بخصوص امام حسینؑ حضرت عباسؑ اور اولادِ حضرت علیؑ کو مرکزیت دی ہے۔ غالبؔ کے نوحوں کی خصوصیت اور انفرادیت یہ ہے کہ غالبؔ نوحہ خواں نہیں بلکہ نوحہ گر ہے غالب مصیبت اور حادثۂ کربلا سے متاثر ہو کر اس طرح نوحہ گری کرتے ہیں جیسے ایک ماں اپنے جوان بیٹے کی موت پر تہہ دل سے درد آمیز جملے کہتی ہے۔

تنہاست حسینؑ ابن علیؑ در صف اعدا

اکبرؑ تو کجا رفتی و عباسؑ کجائی

فریاد! ازاں حامل منشور امامت

فریاد! ازاں خواری و بی برگ و نوائی

غالبؔ جگری خون کن و از دیدہ فروبار

گر روی شناس غم شاہؑ شہدائی

غالبؔ جگر کو خون کر کے آنکھوں سے بہادے اگر تو واقف ہے کہ امام مظلوم کا غم کتنا عظیم ہے۔

ای فلک شرم از ستم برخاندان مصطفیؐ

داشتی زیں پیش سر بر آستان مصطفیؐ

یا مگر گاھی ندیدی مصطفیؐ را با حسینؑ

یا مگر ہرگز نہ بودی در زمان مصطفیؐ

اے فلک تجھے شرم کرنا چاہیے کہ تو نے خاندان مصطفیؐ پر ستم کیے جبکہ تو آستان مصطفویؐ پر کھڑا تھا کیا تو نے مصطفیؐ کی محبت حسینؑ سے نہ دیکھی تو دورِ مصطفویؐ میں موجود نہ تھا۔

حیف باشد کہ ز اعدا دم آبی طلبد

آنکہ سائل بہ درش روح الامیں بایستی

یہ افسوس ہے کہ حسینؑ دشمنوں سے سوالِ آب کرے جب کہ خود روح الامینؑ سائل بن کر اُن کے آستانہ پر آتے تھے۔

ای کج اندیشہ فلک حرمت دیں بایستی

علم شاہؑ نگوں شد نہ چنیں بایستی

اے کج مدار فلک دین کی حرمت کو بچانا تھا۔ امام حسینؑ کا علم سرنگوں ہو گیا ایسا نہیں ہونا تھا

غالبؔ اپنے نوحوں میں شدّت بین اور شدید مصائب سے کام نہیں لیتے وہ بہت عجیب لہجہ میں دل کے تاروں کو درد انگیز الفاظ سے اس طرح سے چھیڑ دیتے ہیں کہ آنسو بہنے لگتے ہیں۔ اُردو نوحوں کی طرح اُن کے پاس نشتری الفاظ نہیں۔

هی کاتب تقدیر که در زمهٔ احیا

چوں نام حسینؑ ابن علیؑ رفت قلم زد

کاتب تقدیر نے جیسے ہی زندوں کے دفتر میں حسینؑ کا نام آیا قطع کر دیا۔

ای شهره بدامادی و شادی که نداری

کافور و کفن بگزم از عطر و قبا های

حضرت قاسم جو تازہ دولھا تھے عطر اور لباس کے بجائے کافور اور کفن سے سجائے گئے۔

آں حسینؑ است ایں که گفتی مصطفیٰؐ "روحی فداک"

چوں گزشتی نام پاکش بر زبان مصطفیٰؐ

گرمئ بازار امکاں خود طفیل مصطفیٰؐ است

هیںِ چه آتش میزنی اندر دکان مصطفیٰؐ

غالبؔ نوحوں میں عظیم مطالب کا ذکر کرتے ہیں جو اکثر دوسرے شعرا کے نوحوں میں مفقود ہیں۔ غالبؔ کے فارسی نوحوں کی عمدہ مثال علامہ نجمؔ آفندی کے اُردو نوحوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔ غالبؔ کے مضامین سے گلچینی ہمیشہ ہوتی رہی۔

تاچه افتاد که بر نیزه سرش گردانند

عزت شاهؑ شهیداں به ازیں بایستی

جیسے ہی امام مظلوم زمین پر گرے آپ کے سر مقدس کو نیزہ پر بلند کر دیا گیا یقیناً شہیدوں کے سردار کی عزت یونہی ہونی چاہئے۔

غالبؔ کے نوحوں کو اگر تنقیدی نظر سے دیکھا جائے تو وہ ہر نقطہ نگاہ سے مکمل نظر آتے ہیں۔ اُن نوحوں میں نوحہ کے تمام لوازمات ملتے ہیں اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ غالبؔ نہ صرف عظیم شاعر تھے بلکہ ایک اعلیٰ درجہ کے عالم

بھی تھے۔ انھیں قرآن، احادیث، تاریخ اسلام، ادب، فلسفہ، تصوّف اور نفسیات پر عبور حاصل تھا۔ اِسی لئے نوحوں میں ردیف کے استعمال سے جو استفہامیہ اور بیانیہ انداز ہے وہ قاری کو متاثر کرنے کے لئے کافی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر غالبؔ اُردو میں نوحے لکھتے تو نوحے مقبول ہوتے۔ جس دور میں غالبؔ نے یہ نوحے تصنیف کئے فارسی نوحوں کا آخری دور تھا۔

مشہور ہے کہ عتبات عالیہ کی زیارت کے بحری جہاز میں جو بصرہ کی سمت رواں دواں تھا کچھ قافلے ایرانی بھی موجود تھے کسی ہندوستانی شخص نے غالبؔ کا فارسی نوحہ پڑھا سامعین پر رقت طاری ہوئی اور اسے پسند کیا گیا۔ اس واقعہ کی اطلاع غالبؔ کو ان کی زندگی میں ہی موصول ہوئی۔

نوحه

ای کج اندیشه فلک! حرمت دین بایستی
علم شاه نگون شد، نه چنین بایستی!

تاچه افتاد که بر نیزه سرش گردانند
عزت شاه شهیدان به ازین بایستی!

حیف باشد که فتد خسته ز توسن بر خاک
آنکه جولانگه او عرش برین بایستی!

حیف باشد که ز اعدا دم آبی طلبد
آنکه سائل به درش روح امین بایستی!

تازیان را به جگر گوشهٔ احمدؐ، چه نزاع
وطن اصلی این قوم ز چین بایستی!

ایها القوم! تنزل بود ار خود گویم
میهمان بیخطر از خنجر کین بایستی!

سخن این است که در راه حسین ابن علیؑ
پویه از روی عقیدت بجبین بایستی

چشم بدور، بهنگام تماشای رخش
رونما سلطنت روی زمین بایستی

داشت ناخواسته در شکر قدومش دادن
اگرش ملک و گرتاج و نگین بایستی

چون بفرمان خود آرای و خود بینی و بغض
آن نگردید که از صدق و یقین بایستی

به اسیران ستمدیده پس از قتل حسینؑ
دل نرم و منش مهر گزین بایستی

چه ستیزم بقضا، ورنه بگویم غالبؔ
علم شاه نگون شد، نه چنین بایستی!

نوحه

شد صبح بدان شور که آفاق بهم زد
مانا که زخون ریز بنی فاطمہؑ دم زد

تا تلخ شود خواب سحر ریزش شبنم
شورابۂ اشکی بہ رخ اهم حرم زد

چون ست که دستش نزند آبله کز قهر
گل زاتش سوازن بہ سر طرف خیم زد

حاشا که چنین خیمه توان سوخت مگر دهر
بر کند ازین وادی و در دشت عدم زد

گوئی پئ این خنجر بیداد فسان بود
آن سنگ که کافر به شهنشاه امم زد

عباسؑ علمدار کجا رفت که شبیرؑ
دستی به پلارک زد و دستی به علم زد

زین خون که دود بر رخ شبیرؑ توان یافت
کاندر ره دین شاه چه مردانه قدم زد

نشگفت کہ بالا بخود از ناز شہادت
کش خامۂ تقدیر بنام کہ رقم زد؟

ہی، کاتب تقدیر کہ در زمرۂ احیا
چون نام حسینؑ بن علیؑ رفت، قلم زد

زین حیف کہ بر آل نبیؐ عربی رفت
آمد اجل و دست بہ دامان ستم زد

این روز جہان سوز کدامست کہ غالبؔ
شد صبح بدان شور کہ آفاق بہم زد

نوحه

سرو چمن سروری افتاد ز پا ، های!
شد غرقه بخون پیکر شاهؑ شهدا ، های!

بر خاک ره افتاده تنی هست ، سرش کو؟
آن روی فروزنده و آن زلف دوتا ، های!

عباسؑ دلاور که دران راهروی داشت
شمشیر بیکدست و بیکدست لوا ، های!

آن قاسمؑ گلگون ، کفن عرصهٔ محشر
وان اکبرؑ خونین تن میدان وغا ، های!

آن اصغرؑ دلخستهٔ پیکان جگر دوز
وان عابدؑ غمدیدهٔ بی برگ و نوا ، های!

ای قوت بازوی جگر گوشهٔ زهراؑ
دست تو بشمشیر شد از شانه جدا ، های!

ای شهره بدامادی و شادی که نداری
کافور و کفن ، بگزرم از عطر و قبا ، های!

ای مظهر انوار که بود اهل نظر را
دیدار تو دیدار شۂ ہر دوسرا ، ہای!

ای گلبن نورستۂ گلزار سیادت
نایافته در باغ جهان نشونما ، ہای!

ای منبع آن هشت که آرایش خلد اند
داغم که رسن شد بگلوی تو ردا ، ہای!

بالغ نظران روش دین نبیؐ حیف!
قدسی گهران حرم شیرؑ خدا ، ہای!

ماتمکده آن خیمۂ غارت زدگان ، حیف!
غارت زده آن قافلۂ آل عباؑ ، ہای!

آن تابش خرشید دران گرم روی ، حیف!
وان طعنۂ کفار ، دران شور عزا ، ہای!

غالبؔ! به ملائک نتوان گشت هم آواز
اندازۂ آن کو که شوم نوحه سرا ، ہای!

نوحه

ای فلک! شرم از ستم بر خاندان مصطفیؐ
داشتی زین پیش سر بر آستان مصطفیؐ

ای بمهر و ماه نازان هیچ میدانی چه رفت؟
از تو بر چشم و چراغ دودمان مصطفیؐ

سایه از سرو روان مصطفیؐ نفتد بخاک
هان، چه بر خاک افگنی سرو روان مصطفیؐ

گرمی بازار امکان خود طفیل مصطفیؐ است
هین، چه آتش میزنی اندر دکان مصطفیؐ

کینه خواهی بین که با اولاد امجادش کنی
آنچه بامه کرده، اعجاز بنان مصطفیؐ

نیک نبود گر تو بر فرزند دلبندش رود
آنچه رفت از مرتضیٰؑ بر دشمنان مصطفیؐ

یا تو دانی مصطفیؐ را فارغ از رنج حسینؑ؟
یا تو خواهی زین مصیبت امتحان مصطفیؐ

یا مگر گاہی ندیدی مصطفیؐ را با حسینؑ
یا مگر ہرگز نہ بودی ، در زمان مصطفیؐ

آن حسینؑ است این کہ سودی مصطفیؐ چشمش برخ
بوسہ چون باقی نماندی در دہان مصطفیؐ

آن حسینؑ است این کہ گفتی مصطفیؐ "روحی فداک"
چون گزشتی نام پاکش بر زبان مصطفیؐ

قدسیان را نطق من آوردہ غالبؔ در سماع
گشتہ ام در نوحہ خوانی مدح خوان مصطفیؐ

نوحه

وقتست که در پیچ و خم نوحه سرائی
سوزد نفس نوحه گر از تلخ نوائی

وقتست که در سینه زنی آل عباؑ را
سرپنجه حنائی شود و رنگ هوائی

وقتست که جبریلؑ ز بیمایگیٔ درد
غم را ز دل فاطمهؑ خواهد بگدائی

وقتست که آن پردگیان کز ره تعظیم
بر درگه شان کرده فلک ناصیه سائی

از خیمهٔ آتش زده عریان بدر آیند
چون شعله دخان بر سر شان کرده روائی

جانها همه فرسودهٔ تشویش اسیری
دلها همه خون گشتهٔ اندوه رهائی

ای چرخ! چو آن شد، دگر از بهر چه کردی
ای خاک! چو این شد، دگر آسوده چرائی

خود گرد و فرو ریز اگر صاحب مهری
برخیز و بخون غلت گر از اهل وفائی

تنهاست حسینؑ ابن علیؑ در صف اعدا
اکبرؑ تو کجا رفتی و عباسؑ کجائی

توقیع شفاعت که پیمبرؐ ز خدا داشت
از خون حسینؑ ابن علیؑ یافت روائی

فریاد! ازان حامل منشور امامت
فریاد! ازان نسخۂ اسرار خدائی

فریاد! ازان زاری و خونانه فشانی
فریاد! ازان خواری و بی برگ و نوائی

فریاد! ز بے چارگی و خسته درونی
فریاد! ز آوارگی و بی سر و پائی

غالبؔ جگری خون کن و از دیده فرو بار
گر روی شناس غم شاہؑ شهدائی

دیباچہ

دیوانِ غالب

(تمنای دفن در نجف)

مشامِ شمیم آشنایان را صلا و نهادِ انجمن نشینان را مژده که لختی از سامانِ مجمرہ گردانی آمادہ و دامنی از عُودِ هندی دست بهم دادہ است۔ نہ چوبهای سنگ ژوپ خوردۂ به هنجارِ نا طبیعی شکستۂ بی اندام تراشیدہ بلکه به تبر شگافته بکارد ریز ریز کردہ به سُوهان خراشیدہ۔

آیدون نفس گداختگی شوق به جستجوی آتشِ پارسی است۔ نہ آتشی که در گلخنهای هند افسردہ و خاموش، و از کفِ خاکستر بمرگِ خودش سیه پوش بینی۔ چه بَرَوِّی مَسلّم است از ناپاکی بأُستخوانِ مردہ ناهار شکستن، و از دیوانگی برشتۂ شمعِ مزارِ کشته آویختن هر آینه بدل گداختن نیرزد و بزم افروختن را نشاید۔ رخِ آتش به صنع برافروزندہ، و آتش پرست را بیادافراہ هم در آتش سوزندہ نیک میداند که پژوهندہ در هوای آن رخشندہ آدر نعل در آتش است که بچشم روشنیِ هوشنگ از سنگ برون تافته، و در اَیوانِ لُهر اسپ نشونما یافته، خس را فُروغست، ولاله را رنگ، و مُغ را چشم، و کدہ را چراغ۔ بخشندہ یزدانِ درون بسخن برافروز را سپاسم که شراری ازان آتشِ تابناک بخاکسترِ خویش یافته، کاو کاوِ سینه شتافته ام، و از نفس دمه بر آن بر نهادہ۔ بُو که در اندک مایه روزگاران آن مایه فراهم تواند آمد که مجمرہ را فرِّ روشنائی چراغ و رائحۂ عود را بالِ شناسائی دماغ تواند بخشید۔

همانا نگارندۂ این نامه را آن در سر است که پس از انتخابِ دیوانِ ریخته به گرد آوردنِ سرمایۂ دیوانِ فارسی بر خیزد و بامستقا ضۂ کمالِ این

فـر يـور فن پسِ زانوی خویشتن نشیند. امید که سخن سرایانِ سخنور ستای پـراگـنده ابیاتی را که خارج ازین اوراق یابند از آثارِ تراوشِ رگِ کلک این نـامـه سیـاه نشـنـاسـنـد و چـامـه گرد آور را در ستایش و نکوهشِ آن اشعار ممنون و ماخوذ نسگالند.

یـا رب ، ایـن بـوی هستی ناشنیدۂ ، از نیستی به پیدائی نارسیده، یعنی نـقـشِ بـه ضـمیـر آمـدۂ نـقاش که به اسد الله خان موسوم و به میرزا نوشه مـعـروف و بـه غـالـبؔ متـخـلـص است، چنانکه اکبر آبادی مولد و دهلوی مسکن است، فرجامِ کار نجفی مدفن نیز باد! فقط.

بست و چهارمِ شهرِ ذیقعده سنه ۱۲۴۸ھ

عشقِ محمدؐ وآلِ محمدؐ
خطوط کے آئینے میں

18/ نومبر 1852ء۔ نبی بخش حقیر

بھائی صاحب، آپ کے دو خط آئے۔ پہلے خط میں آپ نے ایک بیت کے معنی پوچھے ہیں۔ وہ سنیے ؎

تو گوئی مگر مہر زیر زمیں

فروزاں فوہ بود پشتِ نگیں

یہ شعر شب معراج کی توصیف میں ہے کہ وہ شب ایسی روشن تھی یہ بہ سبب روشنی کے زمیں ایسی چمکتی تھی کہ جیسے ڈانک سے نگینہ چمک جاتا ہے۔ آفتاب رات کو تحت الارض ہوتا ہے اور ڈانک بھی نگینے کے تلے لگاتے ہیں اور نگینہ بقدر ڈانک کی حقیقت کے چمکتا ہے پس جس نگیں کے نیچے آفتاب ڈانک ہوگا وہ نگیں کتنا درخشاں ہوگا۔ فوہ فارسی لغت میں بمعنی ڈانک کے۔

15/ جولائی 1859ء۔ سید یوسف مرزا

جانتے ہو کہ علیؑ کا بندہ ہوں۔ اُس کی قسم کبھی جھوٹ نہیں کھاتا

28/ جولائی 1859ء۔ سید یوسف مرزا

خدایا ان آوارگانِ دشتِ غربت کو جمعیّت جب تو چاہے عنایت کر۔ مگر تصدق مرتضٰی علیؑ کا تندرست رکھ۔

18/ محرم الحرام 1276ء۔ سید یوسف مرزا

''نصیب اعدا ناظر جی بہت بیمار ہیں۔ خدا خیر کرے، یوسف مرزا میری جان نکل گئی۔ کیا کروں کیوں کر خبر منگاؤں؟ یا علیؑ یا علیؑ یا علیؑ دس بارہ بار دل میں کہا ہوگا کہ مداری کا بیٹا دوڑا ہوا آیا اور تین خط لایا۔''

28/ نومبر 1859ء۔ سید یوسف مرزا

میں تو پنشن کے باب میں حکم اخیر سُن لوں پھر رام پور چلا جاؤں گا۔ غرض کہ انیس بیس مہینے ہر طرح بسر کرنے ہیں اس میں رنج و راحت ذلت و عزت جو مقسوم میں ہے وہ پہنچ جائے اور پھر علیؑ علیؑ کہتا ہوا ملکِ عدم کو چلا جاؤں۔ جسم رام پور میں اور روح عالمِ نور میں۔ یا علیؑ یا علیؑ یا علیؑ

سید غلام حسنین قدر بلگرامی۔ 1857ء

ایک نکتہ دقیق ہے یعنی مذہب حقہ امامیہ میں مجموع صفات عین ذات ہیں۔ پس ہم نے اگر خدا کو محض قدرت یا محض عظمت کہا تو موافق ہدایت نبیؐ اور ائمہ کے ہمارا قول درست ہے۔

سید غلام حسنین قدر بلگرامی۔ 1865ء

اس خط کے آخر میں غالب نے لکھا۔ غالب اثنا عشری حیدری

میر مھدی مجروح۔ مئی 1861ء

میاں۔ کس قصے میں پھنسا ہے فقہ پڑھ کر کیا کرے گا؟ طلب نجوم و ہیت و منطق و فلسفہ پڑھ جو آدمی بنا چاہے۔

خدا کے بعد نبیؐ اور نبیؐ کے بعد امامؑ
یہی ہے مذہب حق والسلام والاکرام
علیؑ علیؑ کیا کرو اور فارغ البال رہا کرو

میر مھدی مجروح مئی۔ 1860ء

میرا اداروگیر سے بچنا معجزۂ اسداللّٰہی ہے۔ ان پیسوں کا ہاتھ آنا عطیۂ یداللّٰہی ہے۔

میر مھدی مجروح۔ 1861ء

واللہ علیٰ کل شیٍٔ قدیر۔ خدا کا بندہ ہو، علیؑ کا غلام۔ میرا خدا کریم میرا خداوند تخی

علیؑ دارم چہ غم دارم

میر مھدی مجروح۔ 29/ جولائی 1862ء

میر سرفراز حسین نہیں کہ اُن کو پیار کرتا ہوں علیؑ کا غلام اور سادات کا معتقد ہوں۔ اُس میں تم بھی آ گئے۔

مرزا حاتم علی مہر۔ جولائی 1858ء

بہت سہی غم گیتی شراب کم کیا ہے
غلامِ ساقیِ کوثر ہوں مجھ کو غم کیا ہے

علاقۂ محبت ازلی کو برحق مان کر اور پیوند غلامی جناب مرتضیٰ علیؑ کو سچ جان کر ایک بات اور کہتا ہوں۔

مرزا حاتم علی مہر۔ ستمبر 1858ء

صاحب بندہ اثنا عشری ہوں۔ ہر مطلب کے خاتمہ پر بارہ کا ہندسہ کرتا ہوں۔ خدا کرے میرا بھی خاتمہ اسی عقیدے پر ہو۔ ہم تم ایک آقا کے غلام ہیں۔

مرزا حاتم علی مہر۔ 1859ء

پروردگار بہ تصدق ائمہ اطہار یہ پیش آمد تم کو مبارک کرے اور منصب ہائے خطیر اور مدارج عظیم کو پہنچاوے۔

نبی بخش حقیر کے ۲۱/اگست 1859ء کے خط میں حضرت علیؑ کے فقرے پر خط تمام کرتے ہیں۔

عرفت ربی بفسخ العزائم۔ اسد اللہ

مرزا علاالدین خاں علائی 1862ء

دیکھا، ہم کو یوں پلاتے ہیں، درمے کے بیچے کے لونڈوں کو پڑھا کو مولوی مشہور ہونا اور مسائل ابوحنیفہ کو دیکھنا اور مسائلِ حیض ونفاس میں غوطہ مارنا اور ہے، اور عرفاء کے کلام سے حقیقتِ حقہ وحدتِ وجود کو اپنے دل نیشن کرنا اور ہے۔ مشرک وہ ہیں جو وجود کو واجب وممکن میں مشترک جانتے ہیں۔ مشرک وہ ہیں جو مسیلمہ کو نبوت میں خاتم المرسلین کا شریک گردانتے ہیں، مشرک وہ ہیں جو نومسلموں کو ابوالائمہ کا ہمسر مانتے ہیں۔ دوزخ ان لوگوں کے واسطے ہے۔ میں موحد خالص اور مومن کامل ہوں۔ زبان سے لا الہ الا اللہ کہتا ہوں اور دل میں لاموجود الا اللہ، لاموثر فی الوجود الا اللہ سمجھے ہوا ہوں۔ انبیاء سب واجب التعظیم اور اپنے اپنے وقت میں سب مفترض الطاعت تھے۔ محمدؐ علیہ السّلام پر نبوت ختم ہوئی۔ یہ خاتم المرسلین اور رحمتہ للعالمیں ہیں۔ مقطع نبوت کا مطلع امامت، اور امامت نہ اجماعی بلکہ من اللہ ہے۔ اور امام من اللہ علی علیہ السّلام ہے، ثم حسنؑ، ثم حسینؑ، اسی طرح تا مہدی موعود علیہ السّلام۔

بریں زیسم ہم بریں بگذرم

ہاں، اتنی بات اور ہے کہ اِباحت اور زندقہ کو مردود اور شراب کو حرام اور اپنے کو عاصی سمجھتا ہوں۔ اگر مجھ کو دوزخ میں ڈالیں گے، تو میرا جلانا مقصود نہ ہوگا، بلکہ میں دوزخ کا ایندھن ہوں گا اور دوزخ کی آنچ کو تیز کروں گا، تا کہ مشرکین ومنکرین نبوتِ مصطفیٰؐ وامامتِ مرتضویؑ اس میں جلیں۔

بنام مرزا علاالدین خاں ۲۷/ جولائی 1864ء

''میں موحد خالص اور مومن کامل ہوں۔ زبان سے لا الہ الا اللہ کہتا ہوں اور دل میں لا موجود الا اللہ، لا موثر فی الوجود الا اللہ سمجھے ہوئے ہوں۔ انبیاء سب واجب تعظیم اور اپنے اپنے وقت میں مفترض الطاعت تھے۔ محمدؐ علیہ السلام پر نبوت ختم ہوئی۔ یہ ختم المرسلین اور رحمۃ للعالمین ہیں۔ مقطع نبوت کا مطلع امامت۔ اور امامت نہ اجماعی بلکہ من اللہ ہے اور امام من اللہ علیؑ علیہ السّلام ہے ثم حسنؑ ثم حسینؑ، اسی طرح تا مہدی موعود علیہ السّلام

ع ۔ بریں زیستم ہم بریں بگذرم

ہاں اتنی بات اور ہے کہ زندقہ کو مردود اور شراب کو حرام اور اپنے کو عاصی سمجھتا ہوں۔ اگر مجھ کو دوزخ میں ڈالیں گے تو میرا جلانا مقصود نہ ہوگا بلکہ میں دوزخ کا ایندھن ہوں گا اور دوزخ کی آنچ کو تیز کروں گا تا کہ مشرکین و منکرین نبوت مصطفویؐ و امامت مرتضویؑ اس میں جلیں۔''

حکایت

شنیدم کہ شاهی دریں دیر تنگ
ز پهلو بروں راند لشکر بجنگ

گزیں شهسواراں عناں بر عناں
مهیں نیزه داراں سناں بر سناں

به پیچش ز چرمیں عناں هائے سخت
زحل را بدلو اندروں پاره رخت

بجنبش زرخشاں سناں هائے تیز
بروئے هوا نور خور ریز ریز

دلیرانه با لشکر نامجوئے
به اقلیم بیگانه آورد روے

زبس چست خود را به پیکار برد
به دشمن شبیخوں بایوار برد

بداں دم که در رهروی بر گرفت
زبدخواه اورنگ و افسر گرفت

میں نے سنا ہے کہ اس تنگ بت خانے (یعنی دنیا) میں ایک بادشاہ نے
مقام پہلو سے لشکر کو لڑائی کے لئے باہر نکالا

عمدہ شہسوار لگام اٹھائے ہوئے،
زبردست نیزہ باز بہت سی برچھیاں سنبھالے ہوئے چل پڑے

چمڑے کی سخت لگامیں ایسی الجھی ہوئی ، بل کھائی ہوئی تھیں کہ
بُرجِ دلو میں زحل کے لباس کے پُرزے اڑ گئے تھے۔

ان چمکتے ہوئے اور تیز نیزوں کی جنبش سے
ہوا میں سورج کی کرنیں ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی تھیں۔

شہرت کے طالب لشکر کو لئے ہوئے دلیری کے ساتھ،
وہ غیر ملک میں داخل ہو گیا۔

چونکہ بہت پھرتی کے ساتھ جنگ کے لئے گیا تھا اس لئے
دشمن پر سرِ شام ہی شب خوں مارا۔

اسی سانس کے ساتھ جو رہروی میں لی تھی،
دشمن سے تاج و تخت کو لے لیا۔

ز کالائے تاراج دامن فشاند
بہ لشکر زر و مالِ دشمن فشاند

از آں گنج کز لعل و گوہر شمرد
سرِ خصم پامزد خود بر شمرد

ہنوز از غبارے کہ برجستہ بود
بسا ذرّہ بر خاک ننشستہ بود

کہ در جنبش از چرخ آرام یافت
ز دادار پیروز گر کام یافت

نیازش ز فرخندگی ناز گشت
سوئے کشور خویشتن باز گشت

خود آہستہ رو بود در رہ زپیش
فرستاد فرماں بدستور خویش

کہ فرماں دہد تا بھر گونہ بھر
بہ بندند آئینِ شادی بہ شہر

مالِ غنیمت میں جو کچھ ملا اس سے ہاتھ اٹھایا
اور اپنے لشکر پر مال و زر تقسیم کر دیا۔

اس خزانہ سے جس میں ہیرے موتی تھے
بادشاہ نے اگر کچھ لیا تو اپنی محنت کا صلہ صرف دشمن کا سر لے لیا۔
(باقی سب دوسروں کو ملا)

ابھی جنگی طوفان کا غبار بھی
پوری طرح بیٹھنے نہ پایا تھا کہ

تقدیر نے حرکت کو راحت میں بدل دیا
اور فتح دینے والے پروردگار نے اس کی مُراد پوری کردی۔

خدا سے اس کی دُعا نیاز و ناز میں تبدیل ہو گئی اور،
وہ اپنے ملک کو واپس ہوا۔

خود تو شاہی لشکر کے ساتھ آہستہ آہستہ چلا،
مگر پہلے سے اپنے وزیر کو فرمان روانہ کردیا۔

اس مطلب کا حکم جاری کیا جائے کہ ہر طرح سے ہر حصۂ شہر کو
جشنِ عیش کے لئے آرستہ کریں۔

نمطها به آراستن نو کنند
پرستاری بخت خسرو کنند

بدیں دلکشا مژده کزشه رسید
بهارِ طرب را سحرگه رسید

به روزے که بایستی از شاهراه
بایواں خرامد خداوند گاه

هم از شام مشعل بر افروختند
امیداں بکوشش نفس سوختند

به مهتاب شستند سیمائے خاک
فشاندند پرویں بدیبائے خاک

ببازارها سُو بسُو صف به صف
به پیرایه بندی کشودند کف

ز هر پرده نقشے برانگیختند
بهر گوشه چینے در آویختند

راستے بنا سجا کر نئے کردیئے جائیں اور
بادشاہ کی فتح مندی شان سے منائی جائے۔

بادشاہ کی طرف سے اس خوش خبری کا آنا تھا کہ
عیش و کامرانی کی بہار کا آغاز ہوا۔

اس روز جس دن کہ شاہی سواری شاہرہ سے
آنا چاہئے تھی کہ محل میں داخل ہو۔

تو شام ہی سے چراغاں ہونے لگا،
اور انتظامی محکمے کے لوگوں نے بہت دوڑ دھوپ دکھائی۔

مٹی کی پیشانی چاندنی سے دھوئی اور
خاک کے ریشمی فرش پر ثریا کے ستارے بکھیر دئے۔

بازاروں میں ہر طرف آرائش کے لئے قطار در قطار،
لوگوں نے ہاتھ کھولے۔

ہر پردہ رنگیں تصویر بنائی اور
ہر ایک گوشے میں چین کی نقاشی فراہم کردی۔

بداں گونہ آئینہ ہا ساختند
کہ بینندگاں چشم و دل باختند

سحرگاہ چوں داد بار آفتاب
ز ہر گوشہ سرزد ہزار آفتاب

زمیں را ز گرمے بجوشید مغز
بروں داد از کاں گہرہائے نغز

بہ آرائش جادۂ رہ گزار
صدف ریخت از بحر دُر بر کنار

تو گوئی ز تاب گہرہا بروز
کہ نگھستہ پیرایۂ شب ہنوز

چو ہر کس بہ اندازۂ دسترس
بہ شادی زد از خود نمائی نفس

گروہے ز بے مایہ زندانیاں
علی الرغمِ نوکیسہ سامانیاں

آئینے اس وضع کے بنائے گئے تھے کہ
دیکھنے والوں کی آنکھ اور دل ان آئینوں ہی کے ہو کر رہ گئے تھے۔

صبح ہوتے جب آفتاب بر آمد ہوا تو (آئینوں کی بدولت)
ہر ایک گوشے سے ہزاروں آفتاب جھلکنے لگے۔

گرمی کے مارے زمین کا بھیجا پگھل گیا
کان سے عمدہ عمدہ جواہر اُبل پڑے۔

سوارے کے راستے کی سجاوٹ کی خاطر
سیپی نے سمندر کے اندر سے کنارے پر موتی اگل دیے۔

یوں کہو کہ موتیوں کی آب و تاب سے دن کے وقت
وہ عالم تھا گویا (تارے چمک رہے ہیں) رات ابھی باقی ہے۔

جب ہر ایک نے اپنی بساط کے مطابق جشن میں
آرائش کا پورا اہتمام کیا

تو قیدیوں کے ایک مفلس گروہ نے بھی،
پیٹ بھرے نَو دولتیوں کے مقابلے میں (سجاوٹ کی ٹھانی) اور

به آئین به بستند از خویشتن
سیه پردهٔ بر رخ انجمن

که هر تار زاں پرده زنجیر بود
نوا ناله گر بم وگر زیر بود

به مرغوله کاندر نوا داشتند
هماں دودِ دل بر هوا داشتند

براجزائے تن جا بجا بند سخت
بهر بند لختے ز تن لخت لخت

نفس گرم شغل چراغاں ز آه
ز گرمے خس و خار سوزاں براه

چو گیتی کشا موکب خسروے
قدم سنج اندازهٔ رهروے

به شهر اندر آورد از راه روئی
رسیدند گوهر کشاں پوئی پوئی

اپنی طرف سے انھوں نے
ایک سیاہ پردہ اس انجمن میں قائم کیا

پردہ بھی کیسا ، جس کے ہر ایک تار میں زنجیر کی کیفیت سمائی ہوئی تھی
اونچے نیچے سُروں سے جو موسیقی پیدا کی وہ فریاد کی تھی

اُس پیچ و تاب سے جو اُن کی آواز میں تھی،
دل کے دھوئیں ہوا میں اڑاتے تھے

اُن کے بدن کے جوڑ جوڑ پر سخت گرہیں تھیں
اور ہر گرہ میں بدن کے ٹکڑے کسے ہوئے تھے

گرم آہ کی وجہ سے ان کے سانسوں کی لپٹ نے چراغاں کر رکھا
تھا اور اس کی گرمی سے راہ کے خس و خار جلتے تھے

جب یہ جہانگیر سواروں کا شاہی گروہ
شان کے ساتھ قدم تولتا ہوا آہستہ آہستہ

شہر کے اندر داخل ہوا
تو موتیوں کا انبار لانے والے دوڑتے ہوئے پہنچے

بداں جادہ گوہر فرو ریختند
بہ مغز زمیں رنگ و بو ریختند

ز آئیں کہ در شہر ہر بستہ بود
دو صد نقش بر یک دگر بستہ بود

بداں تا رود خطوۂ چند پیش
بجنبید ہر نقش برجائے خویش

جگر گوں نگاہانِ خونیں نوا
گرفتند چوں داغ بر سینہ جا

ز اشکِ فرو خوردہ مُشتی گہر
ملک رافشاند بر رہگذر

ز خوں گشتہ پنہاں ہوسہائے خویش
کشیدند خوانہائے یاقوت پیش

شہ دیدہ ور را دل از جائے رفت
بخاموشیش بر زباں ہائے رفت

انھوں نے بادشاہ کے راستے پر بہت سے موتی بکھیر دیے ، زمین کے
اندر رنگ و بُو پیدا کیا ، یعنی رنگ اور خوشبو کی چیزیں ڈالیں

شہر میں جو سجاوٹ کا اہتمام ہوا تھا،
اس میں بے شمار آرائش پر آرائش تھی

اس کے ساتھ چند قدم آگے چلنے کو،
ہر صورت نے اپنی جگہ سے حرکت کی

وہ سُرخ آنکھ والے اور نالۂ خونیں کرنے والے
سینے کے داغ کی طرح سامنے آئے

جیسے اوروں نے راہ میں موتی بکھیرے تھے
اس بدنصیبوں نے ضبط کیے ہوئے آنسو کے موتیوں کا بکھراؤ کیا

اُن کی جو آرزوئیں کچل کر لہو ہو چکیں تھیں
اُنھیں کے یاقوت سامنے خوان میں چُن دیے

صاحب نظر بادشاہ کا دل بے چین ہو گیا،
اور وہ خاموش تھا کہ یکایک زبان سے آہ نکلی

خموشی بدلجوئی آواز شد
ترحّم بہ گفتار دمساز شد

لب از جوش دل چشمۂ نوش ریخت
نوید رہائے بسر جوش ریخت

دہ دودۂ و گنجدانہا ز پے
گدایاں رواں کاروانہا ز پے

عزیزی کہ یارائے گفتار داشت
بہر پردہ اندازۂ بار داشت

ز بیداد ذوق شناساوری
فغاں برکشید اندراں داوری

کہ الماس در زر نسانندگان
نہ سنجیدہ گوہر فشانندگان

بیایند و داغ بیائے روند
جگر تشنۂ مرحبائے روند

دل جوئی کے لئے خاموشی آواز ہوگئی
اور رحم کا کلمہ زبان تک آیا

سینے کے جوش سے لب تک حرف شیریں پہنچا
رہائی کا مژدہ اس کی زبان تک آیا

ایک کارواں خاندانی جاگیر اور خزانے لئے ہوئے پیچھے پیچھے
اور اُن بے نواؤں کا قافلہ آگے آگے روانہ ہوا (یعنی شاہ نے یہ عطا کی)

بادشاہ کا ایک مُقرّب جسے بات کرنے کی ہمّت تھی
اور ہر خلوت میں آنے کی اجازت تھی

وہ اس عنایت بے جا پر ضبط نہ کر سکا، (راز جاننے کے شوق کی شدّت سے)
اور اس نے احتجاج کیا(اس داد و دہش کے بارہ میں آواز بلند کی) کہ

جو لوگ سونے میں ہیرے رکھتے ہیں (یعنی اُمراء اور جوہری)
اور بن تولے موتی لٹانے والے (یعنی امرا نے شاہ کے خیر مقدم میں
سونے کے ساتھ ہیرے لٹائے ، موتی بکھیرے)

وہ آتے ہیں اور پُر مایہ ہونے کا داغ اٹھا کر چلے جاتے ہیں اور، ان کا خیر مقدم
بھی نہیں ہوتا (یعنی شاہ نے ان سے مرحبا بھی نہ کہا)

تهی کیسگاں تا دمی بر کشند
بگردوں زر و لعل و گوہر کشند

بہ حرفے کز و لب گہر خیز شد
جہانباں چنیں پاسخ انگیز شد

کہ ایناں جگر خستگانِ منند
بہ آہن فرو بستگان منند

بجز موی و ناخن کہ بینی دراز
زیاں کوتہ از دعوئ برگ و ساز

لباس از گلیم و زر از آہنست
گر آہن زمن ور گلیم از من است

نیاوردہ اند آنچہ آوردہ اند
زمن بردہ اند آنچہ آوردہ اند

بہ آئیں در آئینۂ انجمن
مرا کردہ اند آشکارا بہ من

مفلس لوگوں نے ایک سانس لی تو،
گاڑی بھر بھر کے زر و لعل و گوہر لے گئے (حالانکہ شاہ کے خیر مقدم
میں انھوں نے کچھ بھی نہ کیا تھا)

ایسے لفظ سے جس کے ادا کرنے میں لب سے موتی گرے،
بادشاہ نے یوں جواب دیا

یہ لوگ میرے کارن دکھی ہیں اور، اگر انھیں طوق و زنجیر میں
جکڑا گیا تو میرے حکم پر ہی جکڑا گیا ہے

ان کے بال و ناخن دراز ہیں اور
دعویٰ سروسامان سے زبان کوتاہ ہے

اُن کے کپڑے پھٹی پرانی گوڈری کے اور اُن کے زیور بجائے سونے کے
لوہے کے ہیں، لوہا اور گودڑ دونوں میرے ہی دئے ہوئے ہیں

جو کچھ یہ لوگ لائے ہیں اپنی طرف سے نہیں،
بلکہ جو میں نے دیا وہی لائے ہیں

محفل کی آرائش میں شریک ہو کر ، انھوں نے مجھے آئینہ دکھادیا
اور میری حقیقت مجھ پر ظاہر کردی کہ

از آں رو که درتب زتابِ منند
هماں ذرّهٔ آفتابِ منند

تو نیز اے که هر چیز و هر کس زتست
بهار و خزاں و گل و خس زتست

بروزے که مردم شوند انجمن
شود تازه پیوندِ جاں ها به تن

رَواں را به نیکی نوازندگاں
بسرمایهٔ خویش نازندگاں

گهرهائے شهوار پیش آورند
فروهیده کردار پیش آورند

ز نوری که ریزند و خرمن کنند
جهاں را بخود چشم روشن کنند

به هنگامه بااین جگر گوشگاں
درآیند مُشتے جگر توشگاں

یہ لوگ میرے ہی تاب (غصہ) سے تپ میں ہیں اس لئے میرے آفتاب ہی کے ذرّے ہیں (اس تمثیل کے بعد شاعر خدا سے مخاطب ہوتا ہے)

اے وہ، کہ ہر چیز تجھ سے ہے
تیرے ہی ذات سے بہار، خزاں، پھول اور گھاس سب کا ظہور ہوا ہے

اس روز کہ جب (آخری حساب ہوگا) سب لوگ اکٹھے ہوجائیں گے اور،
جسموں میں پھر سے جان ڈالی جائے گی

تو وہ لوگ جنھوں نے رُوح پر نیکیوں کا احسان کیا ہے
اپنے سرمائے پر ناز کرتے ہوئے

ایک سے ایک بڑا موتی لا کر رکھ دیں گے اور ایک سے ایک
اچھے اعمال پیش کریں گے

اس نُور کے سبب جو اُن سے پھیلے گا (ان کے جواہرات سے جو نور ٹپا پڑے گا) اور جو اُن کا حاصل ہوگا، وہ اپنی ذات سے جہان کی آنکھیں روشن کریں گے (اس کی بدولت دنیا روشن ہو جائے گی)

اس ہنگامہ میں محبوب لوگوں کے ساتھ
کچھ جگر کھانے والے آئیں گے

ز حسرت بدل برده دندان فرو
زخجلت سر اندر گریبان فرو

در آن حلقه من باشم و سینهٔ
ز غم هائے ایّام گنجینهٔ

در آب و در آتش بسر بردهٔ
ز دشواریٔ زیستن مردهٔ

تن از سایهٔ خود بہ بیم اندروں
دل از غم بہ پہلو دو نیم اندروں

ز ناسازی و ناتوانی بہم
دم اندر کشاکش ز پیوند دم

ز بس تیرگی ہائے روز سیاہ
نگہ خوردہ آسیب دوش از نگاہ

بہ بخشائے بر ناکسی ہائے من
تہی دست و درماندہ ام وائے من

یہ لوگ حسرت کے مارے شدید الم و تکلیف میں ہوں گے،
اور شرم سے سر جھکائے ہوئے

انھی لوگوں کے حلقے میں یہ گنہگار بھی،
زمانے بھر کے غموں سے بھرا ہوا سینہ لئے موجود ہوگا

میں ، جس نے برسات کے پانی اور گرمی کی آگ دونوں کے دُکھ
اٹھائے ہیں اور، مر مر کے جیا ہوں

جس کا جسم اپنے ہی سائے سے ڈرتا رہا اور،
غموں کے مارے پہلو میں دل دو ٹکڑے رہا۔

حالات کی ناسازی اور اپنی بے بسی کے مارے
میرا سانس لینا دوبھر تھا ، زندگی اجیرن تھی

بُرے دنوں کے شدید اندھیرے کے سبب،
شب گذشتہ کا صدمہ بھی سامنے ہے

میری نالائقی پر ترس کھا کر مجھے اس روز بخش دینا،
میں خالی ہاتھ ہوں اور عاجز ہوں افسوس میری حالت پر

به دوش ترازو مَنو بار من
نسنجیده بگزار کردار من

به کردار سنجے می فزائے رنج
گرانبارئ درد عمرم بسنج

که من با خود از هرچه سنجد خیال
ندارم بغیر از نشان جلال

اگر دیگراں را بود گفت و کرد
مرا مایۂ رنجست و درد

چه پرسی چو آں رنج و درد از تو بود
غمی تازه در هر نورد از تو بود

فردهل که حسرت خمیر منست
دم سرد من ز مهریرِ منست

مبادا به گیتی چو من هیچ کس
جحیمے دل و ز مهریری نفس

اس روز (اے پروردگار) ترازو کے پلڑے میں میرے اعمال
نہ رکھنا ، بن تو لے ہی مجھ سے درگزر کرنا

اعمال وزن کرکے میرا دکھ اور نہ بڑھانا
تولنا تو یہ کہ عمر بھر میں کتنے دکھوں سے لدا رہا ہوں

خیال میں جتنی چیزیں آسکتی ہیں ، اُن سب میں سے میرے
پاس سوائے ''نشانِ جلال'' (تیرے غضب کے آثار) کے اور کچھ
نہیں رہا ہے۔

دوسروں کے پاس تو قول و عمل کا ذخیرہ ہوگا بھی،
میرے پاس لے دے کر عمر بھر کی کمائی درد و رنج ہے اور بس!

جب وہ درد و رنج سب تیرا ہی دیا ہوا ہے تو پھر اس کا پوچھنا کیا،
ہر تغیّر حال میں ایک نیا غم تیری طرف سے پہنچا

مجھے چھوڑ دے کہ حسرت میری گھٹی میں پڑی ہے،اور، میری آہِ سرد
جسم و جاں کو کپکپانے اور عذاب میں رکھنے کیلئے کافی ہے

دنیا میں کوئی مجھ جیسا بدبخت نہ ہو جس کے دل میں جہنم کی آگ اور
سانس میں برفانی کرہ زمہریر کی سردی

بہ پرسش مرا درہم افسردہ گیر
پرِ کاہ را صرصرے بُردہ گیر

پس آنگہ بدوزخ فرستادہ داں
در آتش خس از باد افتادہ داں

زدودی کہ برخیزد از سوزِ من
شود بیش تاریکئ روزِ من

در آں تیرگی نبود آبِ حیات
کہ بروی خضر را نویسی برات

ز دودِ شرارے کہ من در دہم
نہ گردوں فرازم نہ اختر دہم

فُتد برتنم چوں ازاں شعلہ داغ
نسوزد بخاک شہیداں چراغ

اگر نالم از غم ز غوغائے من
نہ پیچد بفردوس آوائے من

مجھے سوال و جواب سے ریزہ ریزہ ہوا محسوب کر،
سمجھ لے کہ گھاس کا تنکا تھا جسے آندھی اڑا کر لے گئی

اس کے بعد یہ سمجھ لے کہ مجھے دوزخ بھیجا جا چکا،
جیسے کوئی تنکا جو ہوا کے جھونکے سے آگ میں جا پڑا

میرے بھسم ہونے سے جو دھواں اُٹھے گا
اس سے میرے دن یا تقدیر کی سیاہی اور بڑھ جائے گی

یہ وہ تاریکی ہوگی جس میں آبِ حیات نہیں،
کہ جس پر خضر کو نصیبہ عطا ہو جائے

جو دھواں اور شرر میرے جلنے سے اٹھے گا
وہ نہ آسمان بنائے گا اور نہ تارے

میرے جسم پر جب اس شعلے کا چھکا لگے گا تو
اس سے شہیدوں کی قبر پر چراغ نہیں جلے گا

اگر میں غم و الم سے فریاد کروں تو،
یہ فریادیں اتنی بلند ہوں گی کہ جنت تک آواز جائے

که زُهّاد مینو نشیں زاں صدا
بہ افشاندنِ دست کو بند پا

و گرہم چنیں ست فرجام کار
کہ می باید از کردہ راندن شمار

مرا نیز زیارائے گفتار دہ
چو گویم بر آں گفتہ زنہار دہ

دریں خستگی پورزش از من مجوئے
بود بندۂ خستہ گستاخ گوئے

دل از غصّہ خوں شد نہفتن چہ سود
چو ناگفتہ دانی نہ گفتن چہ سود

زباں گرچہ من دارم امّا زتست
بہ تست ارچہ گفتارم امّا زتست

ہمانا تو دانی کہ کافر نیم
پرستار خورشید و آذر نیم

کہ بہشت نشیں عابد و زاہد لوگ سُن کر
تالیاں بجائیں اور خوشی سے ناچیں

اور اگر یہی انجام کار ہے،
کہ دنیا میں انسان نے جو کچھ کیا اس کا شمار کیا جائے

تو مجھے بھی بات کہنے کی طاقت دے۔۔۔اور
جو میں کہوں اس پر میری خطا معاف ہو

اتنا تنگ آچکا ہوں کہ عذر معذرت کی توقع مجھ سے نہ رکھی جائے
آدمی بہت تنگ ہو گا تو گستاخی پر اتر آئے گا

میرا دل غم و غصّے نے لہولہان کر رکھا ہے اب چھپانے سے کیا فائدہ
یوں جب بن کہے تجھے سب خبر ہے پھر نہ کہنے سے کیا حاصل

اگرچہ منہ میں زبان میں رکھتا ہوں لیکن دی ہے تو نے ہی
اور جو کچھ میں تجھے کہتا ہوں وہ بھی تیرا ہی کرنا ہے

تجھے خوب معلوم ہے کہ (میں جیسا کچھ ہوں) کافر بہرحال نہیں ہوں،
میں سورج یا آگ کی پوجا نہیں کرتا

نہ کشتم کسے را باہریمنے
نَبُردم زکس مایہ در رہزنے

مگر می کہ آتش بگورم ازوست
بہ ہنگامہ پروازِ مورم ازوست

من اندوہ گین و می اندہ رُبائی
چہ می کردم اے بندہ پرور خدائی

حساب می و رامش و رنگ و بوئے
ز جمشید و بہرام و پرویز جوئے

کہ از بادہ تا چہرہ افروختند
دلِ دشمن و چشمِ بد سوختند

نہ از من کہ از تاب می گاہ گاہ
بدریوزہ رُخ کردہ باشم سیاہ

نہ بستاں سرائی نہ مے خانۂ
نہ دستاں سرائی نہ جانانۂ

نہ کسی کو مکر و دغا سے میں نے قتل کیا
نہ زبردستی کسی کا مال و اسباب لوٹا

البتہ (اتنا ہی جرم کیا کہ) شراب پی جس سے میری قبر میں آگ ہے
اور پی کر ہنگامہ آرائی میں چیونٹی کی سی اڑان بھری

میں غم کا مارا اور شراب کی خاصیّت یہ کہ غم غلط کردیتی ہے پی لی،
یہ نہ کرتا تو اے بندہ پرور ،میں کیا کرتا!

شراب اور موسیقی و رنگ و بُو کا حساب،
تو جمشید ، بہرام اور خسرو پرویز جیسے بادشاہوں سے لے،

کہ یہ لوگ جب شراب سے چہرہ پر رونق پیدا کرتے تو،
اپنے دشمنوں کا دل اور آنکھ جلاتے تھے

نہ مجھ سے کہ شراب کے اثر سے کبھی کبھی،
بھیک مانگ کر اپنامنہ کالا کیا

شراب پینے کو (سروسامان چاہیئے جو میسّر نہ آیا) نہ باغ باغیچے
نہ سلیقے کے مے خانے،
نہ مطرب نہ معشوق،

نہ رقص پری پیکراں بر بساط
نہ غوغائے رامش گراں در رباط

شبانگہ بہ می رہنمونم شدی
سحر گہ طلب گار خونم شدی

تمنائے معشوقۂ بادہ نوش
تقاضائے بیہودۂ میفروش

چہ گویم چو ہنگامِ گفتن گزشت
زعمرِ گرانمایہ برمن گزشت

بسا روزگاران بدل دادگے
بسا نوبہاراں بہ بی بادگے

بسا روزِ باراں وشب ھائے ماہ
کہ بودست بی می بچشمم سیاہ

افق ھا پُراز ابربہمن مھے
سفالینہ جام من از مَی تھے

نہ محفل کے فرش پر پری پیکروں کا رقص
نہ دیوان خانے میں گانے بجانے والوں کا شور

ہم نوالہ، ہم پیالہ معشوق کی تمنا رات کی تاریکی میں پینے کی طرف اکسا کر لے جاتی تھی۔
اور دن میں شراب فروش (اپنا تقاضا لئے) میرا خون پینے پر تلا ہوتا

ایک طرف شراب (معشوقہ) کی طلب اور دوسری طرف شراب فروش کے بیہودہ تقاضے (لفظ و نشر مرتّب ہے۔شعر سابق کے دونوں مصرعے یہاں کے دونوں مصرعوں کو بالترتیب کھولتے ہیں)

جب کہنے کا وقت گزر گیا تو اب میں کیا کہوں کہ
گرانمایہ عمر میں مجھ پر کیا کیا گزری

بہت زمانے عاشقی میں کٹے
اور بہت سے موسم بہار ایسے بھی گذرے کہ شراب نہ ملی،

بہت سے برسات کے دن اور پونم کی راتیں
میری نظر میں شراب نہ ہونے سے سیاہ تھیں

برسات کے موسم میں گھٹائیں گھر گھر کر آتی تھیں لیکن
میرا مٹی کا پیالہ سوکھا پڑا رہتا تھا

بهاران و من در غم برگ و ساز
درِ خانه از بینوائی فراز

جهان از گل و لاله پر بوئ و رنگ
من و حجره و دامن زیر سنگ

دمِ عیش جز رقصِ بسمل نبود
باندازهٔ خواهش دل نبود

اگر تافتم رشته گوهر شکست
وگر یافتم باده ساغر شکست

چه خواهی ز دلق می آلود من
ببیں جسم خمیازه فرسود من

ز پائیز گویم بهارم گزشت
ز می بگزرم روزگارم گزشت

بنا سازگاری ز همسایگان
بسرمایه جوئی ز بیمایگان

بہار کے دن اور میں سروسامان کی فکر میں مبتلا
بے نوائی کے سبب دروازہ کھلا رہتا (سامان ہی نہ تھا کہ چوری کا ڈر ہو)

دنیا میں پھولوں سے چمن کے تختے بھرے اور رنگ و بو کا سیلاب
اور میں حجرہ میں بند عاجز و بے مایہ رہا

عیش کا جو لمحہ زندگی میں میسّر آیا وہ مرغ لبسمل کی پھڑک تھا،
اور وہ بھی جتنا دل چاہتا تھا ویسا نہ ملا

حالت یہ رہی کہ (ہار بنانے کو) اگر تاگا بٹ لیا تو موتی ٹوٹ گیا،
اور کہیں سے شراب نصیب ہوئی تو پیالہ ٹوٹ گیا

میری شراب آلود گودڑی سے (اے مالکِ روزِ حساب) اب کیا چاہیئے؟
انگڑائیوں (بد انجامیوں) سے میرے تھکے تھکائے جسم کو دیکھ

بہار کا ذکر ختم ہوا ، اب اپنے خزاں کے زمانے کا ذکر کرتا ہوں
شراب کا ذکر چھوڑتا ہوں کہ میرا (پینے پلانے کا) زمانہ گذرگیا

کہ یہ سارا زمانہ ہمایوں سے بگاڑ مول لینے میں اور
بے حیثیت لوگوں سے مانگنے تانگنے میں ہی گذر گیا

سر از منّتِ ناکساں زیر خاک
لب از خاکبوسِ خساں چاک چاک

بہ گیتی درم بینوا داشتے
دلم را اسیر ھوا داشتے

نہ بخشندہ شاھیکہ بارم دھد
بھر بار زر پیل بارم دھد

کہ چوں پیل زانجا برانگیزمے
زرش بر گدایاں فروریزمے

نہ نازک نگارے کہ نازش کشم
بھر بوسہ زلف درازش کشم

چو زاں غمزہ نیشی بدل بر خورد
رگِ جاں غم نوکِ نشتر خورد

بداں عمر ناخوش کہ من داشتم
ز جاں خار در پیرھن داشتم

نالائقوں کے احسان سے زمین میں سر دھنسا رہا
اور کمینوں کی قدم بوسی سے لب اُدھڑے رہے

اے پروردگار تُو نے دنیا میں مجھ کو بے حیثیت رکھا اور اس بے نوائی
پرستم یہ کہ سینے کو آرزوؤں سے بھر دیا

نہ وہ دریا دل بادشاہ جس کے دربار میں میری رسائی ہوتی اور
ہر باریابی پر ہاتھی بھر کے سونا دیا جاتا

کہ میں وہاں سے ہاتھی پر سونا لادے نکلتا تو
محتاجوں پر ساری دولت بکھیرتا چلا جاتا

(دولت اور اس کے جائز مصرف سے جو محرومی رہی وہ اپنی جگہ) ایسا
نازک بدن محبوب بھی مجھے نصیب نہ ہوا جس کے ناز اٹھاتا،
پیار کرنے میں لمبی زلفیں کھینچ لیا کرتا

کہ جب اس کے غمزے کا نشتر دل پر پہنچے تو
رگِ جاں اس کی تکلیف کا لُطف اُٹھائے

اپنی ناگوار زندگی کے سبب،
جسم میں جان ایسے تھی جیسے لباس کے اندر کانٹا ہو

چو دل زیں ہوسہا بجوش آمدی
ز دل بانگ خونم بگوش آمدی

ہنوزم ہماں دل بجوش اندرست
ز دل بانگ خونم بگوش اندرست

چوں آں نامرادی بیاد آیدم
بفردوس ہمدل نیاسایدم

دلے را کہ کمتر شکیبد بہ باغ
در آتش چہ سوزی بسوزندہ داغ

صبوحی خورم گر شرابِ طہور
کجا زہرہ صبح و جامِ بلور

دم شب روی ہائے مستانہ کو
بہ ہنگامہ غوغائے مستانہ کو

دراں پاک میخانۂ بے خروش
چہ گنجائ شورش نائ و نوش

ان آرزوؤں سے جب میرا دل جوش میں آتا تو
دل سے کانوں تک خون کی سنسناہٹ سنائی دیتی تھی

اب بھی وہی دل جوش کھا رہا ہے اور
دل سے کانوں تک خون کی آوز سنائی دیتی ہے

جب مجھے اپنی زندگی کی وہ ناکامی یاد آئے گی تو
جنّت میں بھی راحت نہ ملے گی (یہ یاد بے چین رکھے گی)

میرا جیسا دل ، جسے باغ (باغِ بہشت) میں چین نہ ملتا ہو
اسے جہنّم کی آگ میں جلانا کیا ضرور (جلانے کو) داغِ حسرت تو تھا ہی

اگر صبح سویرے شرابِ طہور منہ کو لگائی بھی تو
صبح کا ستارہ اور بلّور کا جام (جنّت میں) کہاں نصیب ہوگا

مستی میں راتوں کا سر گشت کہاں ہو سکتا ہے کہ
ہنگامہ کریں اور مستی میں شور مچائیں

جنّت تو ایک پاکیزہ سے خانہ ہے جس میں ہو حق کا گذر نہیں
نہ گانے اور شراب نوشی کا شور میسّر

سیہ مستئ ابر و باراں کجا
خزاں چوں نہ باشد بہاراں کجا

اگر حُور در دل خیالش کہ چہ
غم ہجر و ذوق وصالش کہ چہ

چہ منّت نہد ناشناسا نگار
چہ لذت دہد وصل بے انتظار

گریزد دم بوسہ اینش کجا
فریبد بسوگندوینش کجا

بَرد حکم و نبود لبش تلخ گوئی
دہد کام و نبود دلش کام جوئی

نظر بازی و ذوق دیدار کو
بفردوس روزن بہ دیوار کو

بادل اٹھیں ، بارش ہو اور اس میں پھر پی کر بہنے کا لُطف آئے
یہ بات جنّت میں میسّر نہیں آسکتی کیوں کہ جب وہاں خزاں ہی
نہیں تو بہار کا لطف کیا خاک آئے گا؟

جب حور موجود ہوگی تو دل میں اس کا خیال کیسے آئے گا؟
نہ غمِ ہجر ہوگا نہ شوقِ وصل

جس حسینہ سے پہلے کی جان پہچان نہ ہو وہ ہم پر کیا احسان
دھرے گی ، اور جس وصل کی خاطر انتظار کی کٹھن گھڑیاں نہ
گذاری ہوں ، اس میں کیا لذت ملنے والی ہے!

اس حور کو بھلا یہ کہاں آتا ہے کہ ہم پیار کرنے لگیں تو وہ ہاتھ چھڑا
کر بھاگ لے ، نہ یہ کہ جھوٹی قسمیں کھا کر فریب دے

اُسے ہمارے حکم کی تعمیل سے غرض ہوگی ،جلی کٹی باتوں سے اس کے لب
آشنا نہ ہوں گے، (یہ بھی کیا یک طرفہ معاملہ ہوا کہ) ہماری پیاس
تو بجھا دے لیکن خود اسے کسی بات کی کوئی پیاس نہ ہو

جنّت میں نہ نظر بازی کا لطف، نہ کسی کو تکنے کی آرزو، یہ سب
باتیں وہاں ہوتی ہیں جہاں دیوار اور روزنِ دیوار ہو ، جب یہی نہ
ہوں گے تو تاکنے جھانکنے کے لطف سے بھی محروم رہیں گے

نہ چشم آرزو مندِ دلالۂ
نہ دل تشنۂ ماہ پرکالۂ

ازینہا کہ پیوستہ میخواست دل
ہنوزم ہماں حسرت آلاست دل

چو پرسش رگے را بکاود ز دل
دو صد دجلہ خونم تراود ز دل

بہر جرم کز روئے دفتر رسد
زمن حسرتے در برابر رسد

بہ فرمائے کایں داوری چوں بود
کہ از جرم من حسرت افزوں بود

ہر آئینہ ہم چوں منے را بہ بند
تلافی فرا خور بود نے گزند

بدیں مویہ در روز امید و بیم
بگریم بدانساں کہ عرشِ عظیم

نہ آنکھوں کو یہ آرزو ہوگی کہ دلالہ آئے اور اُدھر سے پیغام لائے،
نہ دل کو کسی مہ پارہ کی طلب ہوگی

یہ ساری آرزوئیں دل میں بھری ہوئی اس دنیا سے لایا ہوں اور
ان کے سبب آج تک دل حسرت زدہ ہے

جب سوال و جواب کی کش مکش ہوگی تو دل کی کوئی دکھتی رگ
کھرچ جائے گی اور، خون کے دو سو دریا اُبل پڑیں گے

میرے نامۂ اعمال میں جتنے جرم سامنے آئیں گے
اُن میں سے ایک ایک کے مقابل ایک حسرت ہوگی

اب آپ ہی فرمایئے کہ یہ کیسی عدالت ہوئی
جہاں میرے گناہوں سے بڑھ کر حسرتیں نکل آئیں

یقیناً مجھ جیسے گنہگار کی ۔۔۔ حالتِ قید میں
تلافی کی جائے نہ کہ سزا دی جائے

قیامت کے دن میں
ایسے نالہ و زاری سے روؤں گا کہ عرشِ عظیم

شود از تو سیلاب را چاره جوی
تو بخشی بداں گریہ ام آبروی

وگر خون حسرت ہدر کردۂ
ز پاداش قطع نظر کردۂ

گزشتم ز حسرت امیدیم ہست
سپید آب روئے سپیدیم ہست

کہ البتہ ایں رند نا پارسا
کج اندیشہ گبرِ مسلماں نما

پرستارِ فرخندہ منشور تست
ہوادار فرزانہ وخشورِ تست

بہ بند امید استواری فرست
بہ غالبؔ خط رستگاری فرست

پر طوفان آ جائے گا اور عرش تجھ سے پناہ چاہے گا
اور تو میرے اس رونے کے سبب مجھے آبرو بخش دینا

اور اگر تو نے میری حسرتوں کا خون جائز رکھا
اور فیصلہ کیا کہ جرم و سزا کا معاملہ ٹال دیا جائے ، تو

حسرت کو میں نے چھوڑا ، مجھے ایک امید ہے کہ
رو سپیدی کیلئے ایک سپید آب (صاف پانی) موجود ہے

کہ یہ رند فطرت انسان جس نے پرہیزگاری کی زندگی بسر نہیں کی
جس کے خیالات کج مج ، ظاہر کو مسلمان اور ویسے بے دین ہے۔

تیرے پاکیزہ فرمان (قرآن) کا ماننے والا
اور تیرے دانش مند نبی کا چاہنے والا

اس کی اُمید کی کڑی کو مضبوطی عطا کر اور
نجات کا پروانہ غالبؔ کے نام روانہ کردے

مُغنّی نامه

مغنّی دگر زخمه بر تار زن
گل از نغمهٔ تر بدستار زن

به پروازشِ آں گل افشان نوائے
نگویم غم از دل دل از من رُبائے

دل از خویش بردار و برساز نه
هم از خویش گوشی بر آواز نه

ز گنجینهٔ ساز بردار بند
دریں پرده نقشے بهنجار بند

برامش به زُهره هم آواز شو
به آهنگ دانش نوا ساز شو

که دانم زدستانسرائے چنیں
دلآویز باشد نوائے چنیں

ز کام و زباں هرسه جاں را درود
ز جاں جاودانی رواں را درود

مُغنّی تار پر دوسری مضراب لگا ، کوئی ایسا پُر اثر نغمہ سنا کہ تیری دستار پر فضیلت کا پھول چڑھے

اپنی وہ گل فشاں آواز سنا کر نہ صرف دل سے غم کو ، بلکہ میرے سینے سے دل کو اڑا لے جا (یعنی دل ربائی کر)

اپنی ذات سے دل ہٹا کر، ساز پر لگا اور ، پھر جو آواز بلند ہو اس کو سُن (متوجہ ہو)

ساز (کہ آوازوں کا خزانہ ہے) کھول دے اور اس پردۂ ساز سے سلیقہ کا نقش پیدا کر

نغمہ چھیڑ کر (مطربۂ فلک) زُہرہ کی آواز ملا دے اور عقل کے آہنگ میں موسیقی چھیڑ

کیوں کہ مجھے معلوم ہے کہ ایسے مطرب سے ایسا ہی دل آویز نغمہ سنا جائے گا

تیرے حلق اور زبان دونوں سے تینوں جانوں (روحِ نباتی، روحِ حیوانی، روحِ انسانی) کو تحفہ پہنچے اور، ہماری روح کی طرف سے ہمیشہ زندہ رہنے والی روح پر صلوٰۃ ہو

گہر جوئے را مژدہ کز تیرہ خاک
درخشد ہمے گوہر تابناک

کہ ہر گوہرے را کہ دارند پاس
بداں گیرد اندازہ گوہر شناس

دمی کاندر آئین زمن میرود
تو دانی سخن در سخن میرود

سخن گرچہ گنجینۂ گوہرست
خرد را ولی تابشے دیگرست

ہمانا شبہائے چوں پرِّ زاغ
نہ بینی گہر جز بہ روشن چراغ

بہ پیرایش ایں کہن کارگاہ
بدانش تواں داشت آئین نگاہ

بود بستگے را کشاد از خرد
سرِ مردخالے مباد از خرد

جسے موتیوں کی تلاش ہے اسے خوش خبری ہو کہ بے نور مٹی سے
دمکتا ہوا موتی منظر عام پر آ رہا ہے

کیوں کہ وہ موتی جسے عزیز رکھا جاتا ہے
اسی موتی سے جوہری (موتی کی قدر و قیمت کا) اندازہ کرتا ہے

میری طرف سے جو ''آئین'' میں سخن سنجی ہوتی ہے
تو اس میں بات سے بات پیدا ہوتی چلی جاتی ہے

کلام یا شاعری اگرچہ موتیوں بھرا خزانہ ہے لیکن ،
عقل کی بات جب سخن میں آئے تو اس کی آب و تاب کچھ اور ہی ہے

لازم بات ہے کہ کوّے کے پر جیسی سیاہ راتوں میں
موتی بھی نظر نہیں آتا، جب تک کہ اسے روشن چراغ دکھایا نہ جائے

اس پرانے کارخانے (فن سخن) کی آرائش میں
عقل ہی سے درست سلیقہ ملحوظ رکھا جا سکتا ہے

مشکلات کا حل عقل ہی کرتی ہے
مرد کے سر میں عقل ہمیشہ رہے، کبھی وہ عقل سے خالی نہ ہونے پائے

خرد چشمۂ زندگانی بود
خرد را بہ پیری جوانی بود

فروغ سحر گاہ روحانیاں
چراغِ شبستانِ یونانیاں

پگاہے کہ پوشیدہ رویانِ راز
بہ خمیازہ جستند از خواب ناز

چہ خمیازہ عنوان نام آوری
خمارِ مئے خواہشِ دلبرے

ازاں پیش کایں پردہ بالا زنند
نگہ را صلائے تماشا زنند

ردائے فلک گوہر آما شود
بساط زمیں عنبر اندا شود

نوردی ازاں پردہ برجائے خویش
بروں داد نوری ز سیمائے خویش

عقل زندگی کا سرچشمہ ہے اور جب
آدمی بوڑھا ہو جاتا ہے تو عقل اس کی جوان ہو جاتی ہے

عقل ہی روحانی لوگوں کی صبح کا اُجالا اور
یونانی اہلِ علم کی خواب گاہ کا چراغ ہے

اس صبح کو جب راز کے پردے میں منہ چھپانے والے، (الوہی جلوے)
خوابِ ناز سے انگڑائی لے کر اٹھے

یہ انگڑائی کیا تھی، خود کو روشناس کرانے کی ابتداء
یا دلبری کی خواہش کا خمار ،

تو اس سے پہلے کہ یہ پردہ اٹھایا جائے اور
نگاہ کو مشاہدے کی دعوت دی جائے

اور آسمان کی چادر موتیوں سے بھرے اور زمین کے فرش پر خوشبو
کا لیپ ہو (آسمان و زمین اپنی موجودہ صورت میں نمودار ہوں)

اس غیب کے پردے میں سے
ایک تہہ نے اپنی پیشانی سے ایک نور کی چھوٹ ڈالی۔

زبالی که رخشانئ برق زد
سرا پرده جوشِ اَنا الشّرق زد

نخستیں نمودار هستی گرائے
خرد بود کامد سیاهی زدائے

به پیمانهائے نظر نور پاک
نمودند قسمت براجزائے خاک

زهر ذرّه کاں آفتابی شود
نگه سرخوشِ کامیابی شود

هنوزم در آئینهٔ رنگ بست
خیالے ازاں عالم نور هست

کف خاک من زاں ضیا گستریست
که چوں ریگ رخشاں بانجم گریست

کسی کو دم از روشنائی زند
بخود فال دانش ستائی زند

بجلی کی سی چمک نے جو بازو پھیلائے تو سرا پردۂ غیب یوں
دمک اٹھا گویا اس نے انا الشرق (میں ہوں شرق) کہا۔

عقل ہی تھی جس نے سب سے پہلے عالمِ وجود میں قدم رکھا اور اس نے
تاریکی کو صاف کیا (حکما کے مذہب کے مطابق اوّل مخلوق عقل اوّل ہے)۔

عقل کا پاکیزہ نور خاک کے اجزا کو اُن کے (فکر و) نظر کے
پیمانے یا ظرف کے مطابق بانٹ دیا گیا

ہر ذرّہ سے جو اس آفتاب سے چمک جاتا ہے،
نگاہ اپنی فتح مندی میں سرشار ہوتی ہے

آج تک میرے چلّے رنگ کے آیئنے میں
اسی عالمِ نور کی ہلکی سی پرچھائیں باقی ہے

اسی نورِ ازل یا عقل کی روشنی کا کرم ہے کہ میری مٹھی بھر خاک کو
ضیا گستری حاصل ہے اور
وہ چمک دار ذرّوں کی طرح ستارے پیدا کر رہی ہے

وہ جسے ذہنی روشنی کا دعویٰ ہے اور جس نے
عقل کی تعریف و تحسین کرنا اختیار کیا ہے

دریں پردہ خود را ستایش گرست
کہ دانند مردم کہ دانشورست

خرد جویم ار خود بود مرگ من
بہ ہستی خرد بس بود برگ من

سخن گرچہ پیغام راز آورد
سرود ارچہ در اہتزاز آورد

خرَد داند ایں گوہریں در کشاد
ز مغزِ سخن گنج گوہر کشاد

خرد داند آں پردہ برساز بست
برامش طلسمے ز آواز بست

بدانش توں پاسِ دم داشتن
شمارِ خرامِ قلم داشتن

اس پردہ میں وہ خود اپنی ستائش کرتا ہے
تاکہ لوگ اس کی دانش وری یا ہوش مندی کے قائل ہو جائیں

اگر عقل کے ہاتھوں موت آتی ہو تب بھی مجھے عقل کی ہی
تلاش وتمنا ہے
زندگی میں مجھے ایک ہی سروسامان چاہئے ۔ یعنی خرد ، وہی میرے
لئے کافی ہے

سخن اگرچہ دل کی بات ظاہر کرتا ہے اور،
اگرچہ نغمہ و سرود جوش پیدا کرتا ہے ، لیکن

عقل ہی ہے جو یہ موتیوں کا سا ذر کھولنا جانتی ہے
سخن کے معانی سے موتیوں کا خزانہ کھولتی ہے
(یعنی شعر میں حسنِ معانی پیدا کرنا عقل کا کام ہے)

عقل ہی ساز پر موسیقی کا پردہ باندھتی ہے اور
ساز سے آواز کا طلسم پیدا کرتی ہے

عقل کے ذریعے ہی آدمی کو پتہ چلتا ہے کہ کتنی بات کہے،
اور قلم کتنے قدم چلے

ازیں بادہ ہر کس کہ سرمست تر
بافشاندن گنج تردست تر

بہ مستی خرد رہنمائے خودست
رَوَد گر ز خود ہم بجائے خودست

بکام دلِ می پرستاں شبے
بساقی گری خاست نوشیں لبے

تبسم کناں بادہ در جام ریخت
پئے نقل از پستہ بادام ریخت

زلب بوسۂ بر لبِ جام زد
بخود کرد پیمانۂ را نامزد

لبش رامی از بسکہ افشردہ تنگ
بیامیخت بالب چو بالعل رنگ

عقل کا نشہ وہ ہے کہ جو شخص جتنا مست ہو
وہ اتنا ہی قیمتی خزانہ لٹانے میں فیاض ہوتا ہے

مستی کے عالم میں بھی عقل اپنی رہنمائی کرلیتی ہے
بہکے بھی تو بھٹکنے نہیں پاتی
(ارسطو کا مذہب یہ ہے کہ عقل فعّال ہی ہر انسان میں اِدراکِ کلیّات
کرتی ہے یعنی عقلِ فعّال کے پرتو سے انسان عاقل ہے ، اُس نے
انسانوں کو یہ فیض کیسے پہنچایا اس کو مرزا نے ایک تمثیل سے آگے کے
اشعار میں بیان کیا ہے)

ایک رات کیا ہوا کہ مے نوشوں کی مراد بر آئی ،
ایک شیریں لب نے ساقی گری کی خدمت انجام دینی شروع کی
(یعنی عقلِ فعّال نے فیض پہنچانے کا ارادہ کیا)

مسکراتے ہوئے اس نے جام میں شراب ڈالی ار
گزک کے طور پر اپنے پستہ گوں لبوں سے بادام بھی پیش کیے

جام کے لبوں پر اپنے لب کا بوسہ دیا اور
پیالے کو اپنے سے منسوب کر لیا (کہ یہ میری صحت کا جام ہے)

شراب نے اس کے لبوں کو زور سے بھینچا (یا لبوں کا چٹخارہ لیا)
تو ہونٹوں میں یوں گھل مل گئی جیسے رنگ لعل میں ملا ہوتا ہے

همیخواست باتشنگان دست بُرد
خودش بادۂ خویش از دست برد

بداں می کہ خود خورد و از دست شد
نہ یک تن دوتن کانجمن مست شد

کجا در خورِ آں شبرابیم مَا
ز میخوارہ ساقی خرابیم مَا

چو ساقی رہ خود نمائی گرفت
بہ مستی خرد زور وائی گرفت

سیہ مست تر ہر کہ ہشیار تر
سبکدوش ترچوں گرانبار تر

جگر گوں نوائے کہ نامش دلست
ز تہ جرعہ خواران ایں محفلست

نشیدے کہ مستانِ ایں مَی کشند
صریر از قلم نالہ از نے کشند

شیریں لب ساقی کا جی چاہا کہ پیاسوں کا متاع اڑا لے
تو اپنی شراب سے خود ہی پی کر بہک گیا اور وہ اُسے چڑھ گئی

وہ شراب جو اس نے خود پی اور پیتے ہی بہکا ،
ایک دو پینے والے نہیں بلکہ پورا مجمع مست ہو گیا (باوجودیکہ پی خود ساقی نے)

ہم کہاں اس قابل کہ وہی شراب ہمیں بھی نصیب ہو، ہم تو ساقی
ے خوار کے مارے ہوئے ہیں ،
اس کی مستی دیکھ کر خود مست ہو گئے ہیں (یعنی عقل تو صرف عقلِ فعال
ہی کو حاصل ہے انسانوں پر اسکا پَرتو پڑا ہے)

جب ساقی کو اپنا جلوہ دکھانے کی سوجھی تو ،
عالمِ مستی میں اس سے رواجِ عقل حادث ہوا (یعنی انسانوں میں عقل کام کرنے لگی)

اب جو جتنا ہشیار ہے، اتنا ہی بد مست ہو کر رہے گا اور ،
جو جس قدر بھاری ہوتا جائے گا اتنا ہی بوجھ سے آزادی محسوس کرے گا

وہ خوئیں نالے کرنے والا جس کا نام دل ہے ،
اسی محفل میں تلچھٹ کے گھونٹ دو گھونٹ پینے والوں میں شامل ہے

اس شراب سے مست ہونے والے جب ترانہ گاتے ہیں تو
قلم کی سرسراہٹ اور بانسری کی فریاد پیدا ہوتی ہے

سرود سخن روشناسِ ہمست
کہ ہر یک ز وابستگانِ دمست

بود در شمارِ شناسا ورے
خرد را بہ گفتار ہم گوہرے

زہے کیمیائے معانی سخن
بخود زندۂ جاودانی سخن

سخن را ازاں دوست دارم کہ دوست
بہ تصدیق ازما طلب گار اوست

سخن گرچہ خود گوہریں افسرست
سخن در سخن لعل با گوہرست

سخن بادہ اندیشہ مینائے او
زباں بے سخن لائی پالائے او

بہ پیمودنِ بادہ پیمانہ گوش
خرد ساقی و خود خرد جرعہ نوش

کلام یا شعر سے جو نغمہ بلند ہوتا ہے اس میں درد کی کسک بھی ہے،
کیوں کہ ہر ایک دم (لمحہ یا سانس) سے وابستہ ہے، (دم اور غم کا ساتھ ہے)

دانش مند کے نزدیک عقل اور گفتار
کا جوہر یا اصل ایک ہے

سخن یا کلام دراصل معانی کی کیمیا ہے
اس کے کیا کہنے وہ اپنے دم سے زندۂ جاوداں ہے

مجھے سخن اس لیے عزیز ہے کہ دوست (خالق حقیقی) ہم سے
یہ چاہتا ہے کہ سخن کے ذریعے اس کی تصدیق کریں
(یعنی تصدیق باللسان واجب کی ہے)

اگرچہ کلام خود موتیوں کا تاج ہے،
لیکن کلام میں کلام یا بات میں بات نکل آئے تو گویا لعل و گوہر کا ساتھ ہوا

سخن شراب کے مثل ہے اور فکر و خیال اس کی بوتل ہے
وہ زبان جو (دل کش) سخن سے محروم ہو، تلچھٹ چھاننے والی صافی
کی طرح ہے (کہ نہ شراب نہ بوتل)

بادہ پیمائی (شراب نوشی) میں کان ہی پیمانے کا کام کرتے ہیں
عقل ہی ساقی ہے اور وہی خود پینے والی

حریفاں دریں بزم ہموارہ مست
ببوئی ز می جملہ یکبارہ مست

پلنگینہ پوشاں دریں انجمن
چو گردوں برقص اندروں چرخ زن

خرد کردہ در خود ظہوری دگر
دل از دیدہ پذ رفتہ نوری دگر

ز گنجی کہ بینش بویرانہ ریخت
در آفاق طرح پری خانہ ریخت

ز دو دن ز آئینہ زنگار بُرد
ز دانش نگہ ذوق دیدار بُرد

دریں حلقہ اوباش دیدار جوئے
بدر ویزۂ رنگ آوردہ روئے

خرد کردہ عنوان بینش درست
رقم سنجئے آفرینش درست

شراب پینے والے یاروں کو دیکھو تو اس محفل میں ہمیشہ ہی مست پاؤ گے
اِدھر شراب کی مہک آئی اُدھر سبھوں کو نشہ چڑھا

اس محفل میں جولوگ سپاہی ہیں ،
وہ جھومنے اور ناچنے پر آتے ہیں تو آسمان کی طرح گھومتے ہیں

عقل نے اپنے وجود میں ایک اور ہی جلوہ دکھایا ہے
دل کو آنکھوں کی طرف سے ایک اور روشنی پہنچی ہے

بصیرت یا خرد نے جو خزانہ ویرانے میں ڈالا ،
اسی سے دنیا میں حسن و زیبائش کا سامان ہوا

آئینے کو گھس کر چمکایا گیا تو اس کا زنگ جاتا رہا ،
نگاہ نے عقل سے دیدار کا ذوق حاصل کیا ہے

اس حلقے میں وہ بد نظر آدمی جو محض دیدار کا بھوکا ہے
وہ صرف رنگ کی بھیک چاہتا ہے

عقل ہے جو نگاہ کا زاویہ درست کرتی ہے ،
(اور بصیرت کی راہیں کھول دیتی ہے)
اور عالم آفرینش، یعنی کائنات کی تحریر میں درستی پیدا کرتی ہے۔

فروغ خرد فرّۂ ایزدیست
خدا نا شناسی زِ نابخردلست

نظر آشناروئے دانائیش
عمل روشناس توانائیش

ز اندیشہ دم زد نظر نام یات
بکردار رفت از اثر کام یافت

بچشم سبکسر ازو گوش تاب
گراں پائے خواھش ازو در حساب

چناں سطوتش راز بوں خشم و آز
کہ فرمانِ او بُردہ گرگ و گراز

غضب را نشاطِ شجاعت دھد
ز خواھش بہ عفّت قناعت دھد

باندازہ زور آزمائی کند
خورد بادہ و پارسائی کند

عقل کا نور خدا کی شان ہے
اگر آدمی خدا کو نہ پہچانے تو یہ عقل کا فتور ہوا

غور و فکر (یا نظر) اس کی حکمت کو پہچانتے ہیں
اور علم اس کی قوت کا روشناس ہے

جب خرد نے غور و فکر کیا تو اس کا نام نظر ہوا
جب عمل میں ظہور کیا تو اثر سے کامیاب ہوئی

عقل ہی سطحی نظر کے کان گرم کرتی ہے (اسے ادب سکھاتی ہے)
اور خواہش کے بھاری پاؤں کی عقل سے کش مکش ہے

عقل کے سامنے غصہ اور لالچ دونوں اس قدر رذلیل شکار ہیں کہ غضب ناک بھیڑیا اور لالچی سور دونوں اس کے حکم کے تابع رہتے ہیں (یعنی انسان جب غضب میں بھیڑیا ہو جائے اور لالچ میں سور، تو بھی اس کو عقل روکتی ہے)

قوت غضبیہ کو عقل انسانی شجاعت کے لطف سے بدل دیتی ہے اور خواہش میں روک تھام پیدا کرکے قناعت صفت بنا دیتی ہے
(شجاعت کے معنی برمحل مزاحمت یا مقابلہ کرنا)

خرد ایک حد کے اندر زور آزمائی کرتی ہے، شراب پی کر بھی پارسائی قائم رکھتی ہے (اور بے اختیار نہیں ہونے پاتی)

بدیں جنبش از مرگ بخشد نجات
بر اندیشہ پیماید آب حیات

منشہائے شائستہ عادت شود
نظر کیمیائے سعادت شود

ز دانش پدید آید آئین داد
رسی چوں بدیں پایہ نعم المعاد

برنداز تو گر خود سرائندگی
ندارد زیانے بپائندگی

جگر خوں کن و از دل آزاد زی
بدیں جاودانی رواں شاد زی

چناں داں کہ مردی بر اسپی سوار
بدشتی رُخ آوردہ بہر شکار

جگر خوارہ یوزیست ہمراہ او
جگر خوارۂ یوز دل خواہ او

عقل کی حرکت موت سے نجات دلانے والی اور
خیالات میں آبِ حیات کی تاثیر پیدا کرنے والی ہے

پسندیدہ خصلتیں (اگر عقل سے کام لیا جائے تو) انسان کی عادت
بن جاتی ہیں اور
(نظر میں فطرت بدل ڈالنے کا وہ کمال پیدا ہوتا ہے کہ) نظر ہی
کیمیائے سعادت بن جاتی ہے

عقل ہے جو انصاف کے اصولوں کی پابندی کراتی ہے،
جب اس مقام کو پہنچ جاؤ تو انجام بخیر ہے

اگر تجھ سے خود سرائی کو دُور کردیں تو،
اس صورت میں کوئی قائم ضرر پیدا نہیں ہو سکتا (تیرے لئے)

رنج و غم اٹھا اور دل کی خواہش سے آزاد رہ،
اس طرح جو حیاتِ جاوید حاصل ہوتی اس میں شاد رہ

یوں سمجھو کہ ایک شخص گھوڑے پر سوار ہو کر
جنگل میں شکار کرنے نکلتا ہے

ایک خوں خوار (شکاری) چیتا اس کے ساتھ چل رہا ہے اور ،
چیتے کی یہ خوں خواری سوار کے منشا کے مطابق ہے۔

کند گر باندیشه رفتارها
نگهدارِ اندازهٔ کارها

نگیرد سمندش ره توسنے
بود رام یوزش بصید افگنے

به نیروئ مردی و غم خوارگی
همش یوز آسوده هم بارگی

چنیں کس بدیگونه رخش و پلنگ
تواند که صیدی در آرد بچنگ

دگر دشت پیما هنر پیشه نیست
شناسائے فرجام اندیشه نیست

ره انجام بیراهه پوئی کند
دو اندر روش زشت خوئی کند

چرد درد چراگاه تا برگ و شاخ
رود در پۓ صید در سنگلاخ

اب اگر سوار سوچ سمجھ کر آگے بڑھتا ہے اور
اندازے اور مناسبت کا خیال رکھتا ہے،

اس کا گھوڑا بے قابو ہو کر سرپٹ نہیں دوڑ جاتا تو،
چیتا شکار پر جھپٹنے میں شکاری کے حکم کی پابندی کرے گا

مردانگی کی قوت اور ہمدردی کے اثر سے
چیتا بھی مزے میں رہے گا اور شکاری بھی

اس قسم کا آدمی، ایسے گھوڑے اور چیتے کو
ساتھ لے کر شکار مار لائے گا

لیکن اگر یہ شخص ہنر مندی سے خالی ہے اور
غور و فکر کر کے اچھے نتیجہ کو نہیں جانتا

تو راستہ بھٹک جائے گا اور وہ
جانور بھی شرارت پر اُتر آئے گا

ایسے شخص کی غفلت سے گھوڑا تو چراگاہ کے اندر
اتنا کھا جاتا ہے کہ (دوڑنے کے لائق نہیں) پتے ٹہنی تک چر جانے
میں لگ جائے گا اور شکار میں پتھریلی زمین پر دوڑایا جائے گا تو۔

بجوشد بسر مغز رخش از تموز
به خارا شود سفته چنگال یوز

بمستی یکے گشته پولاد پائے
ز تندی یکے رفته پولاد خائے

مرایں رازِ پُرّی شکم بادناک
مرآں رازِ گرمی زباں چاک چاک

سوار اندریں هرزه گردی نژند
نه رویش براه و نه صیدش به بند

سواری که رخشش نه فرماں بَرَد
ندانم که بیچاره چوں جاں برد

من بے خبر کایں قدم میزنم
مپندار کز داد دم میزنم

بدیں دم که درنامه رانم همی
بداں خاک ناچیز مانم همی

گرمی اور پیاس کے مارے گھوڑے کا بھیجا پک جائے گا اور
چیتے کے پنجے کنکر پتھر زخمی ہوجائیں گے

ایک کی حالت مستی کے زور میں یہ ہوگی کہ پاؤں فولاد کی طرح سخت اور
بے حرکت ہوجائیں اور تیزی میں دوسرے کا حال یہ ہوگا کہ گویا اس کی تھوتھنی فولاد پر
پڑتی ہو۔

ایک کا پیٹ ایسا تن گیا ہوگا کہ اس میں ہوا بھر جائے گی
اور دوسرے کی زبان گرمی کے مارے ٹکڑے ہونے لگے گی

اِدھر سے اُدھر بھٹکنے مین سوار خود بے حال ہو جائے گا
نہ راستے پر قدم نہ شکار بند میں شکار

وہ سوار جس کا گھوڑا اس کے کہنے پر نہ چلتا ہو
نہ جانے بیچارے کی جان کیسے بچے گی

میں ایک بے خبر آدمی، جو چل رہا ہوں (یعنی جو کچھ بیان کر رہا ہوں اس سے)
یہ نہ سمجھنا کہ مجھے حق گوئی کا دعویٰ بھی ہے

بلکہ اس کلام سے جو اس کتاب میں آرہا ہے
میں اس ناچیز خاک کی مانند ہوں

کزان خاک ریحان و سنبل دَمَد
دگر گونه گون لاله و گل دَمَد

تماشائیان را بود سرو و تاک
بُود همچنان جوهر خاک خاک

زدردی که دل را بهم می زند
زجوشی که خاطر بغم می زند

بود در گزرگاه آواز من
شناور بخون گوش دمساز من

بدانش غم آموزگار منست
خزانِ عزیزان بهار منست

غمی کز ازل در سرشت منست
بود دوزخ اما بهشتِ منست

به غم خوشدلم غمگسار غمست
به بیدانشی پرده دارم غمست

کہ جس خاک سے ریحان اور خوش رنگ پھول کھلتے ہیں
اور طرح طرح کے لالہ و گل اُگتے ہیں

سیر کرنے والوں کو سرو و انگور کی بیل کا تماشا نظر آتا ہے
مگر یہ سب خاکی ہیں اُن کی اصل خاک ہے

لیکن اس درد سے جو دل کو تباہ کرتا ہے،
اور سینے میں غم سے جوش آتا ہے، اُن کی وجہ سے

میری آواز کی راہ میں وہی کان ساتھ دیتے ہیں
جو خون کی موج میں تیر چکے ہوں

غم ہے جس نے مجھے عقل و دانش کی تعلیم دی ہے (یہی غم)
جو دوستوں کو اُجاڑ دیتا ہے، میرے حق میں بہار ثابت ہوا

وہ غم ازل سے میری فطرت میں ہے (کسی کے لئے)
دوزخ ہو توہو میرے لئے جنت ہے

میرا اور غم کا اچھا نباہ ہو رہا ہے، کیونکہ یہ میرا ہمدرد ہے
اور غم ہے جس نے میری
کم عقلی کا بھرم رکھ لیا (غم نے پردہ کھڑا کردیا ورنہ
بےعقلی ظاہرہوجاتی)۔

زمن جوئے در بد نکو زیستن
جگر خوردن و تازہ روزیستن

درشتی بہ نرمی زبوں داشتن
رسد گر ستم غمزہ پنداشتن

بعجز از دروں سو جگر سوختن
بناز از بروں سُو رُخ افروختن

بہ ہنگامہ نیرنگ ساز آمدن
ز خود رفتن و زور باز آمدن

ز دل خار خار گم انگیختن
خسک در گزار نفس ریختن

سمن چیدن و در رہ انداختن
دل افشردن و درچہ انداختن

بدریوزہ گنجینہ اندوختن
ببازیچہ دانائی آموختن

(سیکھنا ہے تو) مجھ سے دیکھو کہ بُرے حالات میں مزے کی
زندگی کیوں کر گذاری جاتی ہے،
اور اپنا جگر کھا کو خوش و خرّم کیوں کر جیا جاتا ہے

نرمی سے (زندگی کی) سختیوں کے دانت کھٹے کردینا،
اور ستم ہو تو اس کو ناز و غمزہ سمجھنا (قدرت کی شوخی شمار کرنا)

عاجزی اور بیچارگی کے مارے اندر سے تو دھواں اٹھ رہا ہو اور
فخر و ناز کے عالم میں باہر سے چہرے پر رونق رہے

کار گذاری میں رنگا رنگ طلسم باندھ دینا
بیخود ہوجانا اور جلدی سے پھر ہوش میں آ جانا

دل سے غم کی پریشانی اٹھا دینا اور
سانس کی آمدورفت کی راہ میں کانٹے بچھانا

پہلے چنبیلی کے پھول چننا اور پھر انھیں راستے میں لٹاتے جانا
اپنا دل نچوڑ کر کنویں میں ٹپکانا

بھیک مانگ کرخزانہ بٹورنا (دوسرے کے علم وعقل سے خوشہ چینی کرکے)
کھیل کھیل میں دوسروں کو دانائی سکھانا۔

طرب را بہ مے خانہ گردن زدن
طرب خانہ را قفل آہن زدن

رواں کردن از چشم ہموارہ خوں
بشورا بہ شستن ز رخسارہ خوں

بہ رفتن سر از پائے نشناختن
بماندن تن از جائے نشناختن

شگفتن ز داغی کہ بردل بود
نہفتن شرارے کہ در دل بود

بدیں جادہ کاندیشہ پیمودہ است
غمم خضرِ راہ سخن بودہ است

نظامیؔ نیم کز خضر در خیال
بیاموزم آئین سحر حلال

زلالیؔ نیم کز نظامیؔ بخواب
بہ گلزارِ دانش برم جوئے آب

مے خانہ ہی میں عیش و عشرت کی گردن اڑا دینا
اور پھر محفلِ عیش پر لوہے کا موٹا تالا ڈال کر بیٹھ جانا

آنکھوں سے لگاتار لہو ٹپکانا اور
پھر گالوں پر لہو کے دھبّے کھاری پانی سے دھونا

جب چلنے کی پڑی ہو تو سر پیر کی تمیز نہ رکھنا
اور جب تھکن سوار ہو تو جسم و مقام کو ایک کر دینا

دل پر داغ لگے تو اسی سے کِھل اٹھنا
سینے میں چنگاری اڑے تو اُسے اپنے وجود میں چھپا لینا (یہ سب مجھ سے سیکھو)

قوتِ فکر نے جو یہ راہِ سخن طے کی تو (کچھ آپ سے آپ نہیں کر لی)
غم نے اس میں میری رہنمائی کی

میں کوئی نظامیؔ (گنجوی) نہیں ہوں کہ عالمِ تصور میں
خضر سے حلال جادہ (شاعری) کے نکتے سیکھ لیتا
(نظامیؔ نے کہا ہے مجھے خضر نے شعر کہنا سکھایا ہے)

اور نہ زلالیؔ (خوانساری) ہوں کہ عالمِ خواب میں نظامیؔ سے
فیض اٹھا لیتا اور اس طرح عقل کے چمن میں نہر نکال کر لے آتا
(زلالیؔ نے کہا ہے کہ خواب میں مجھے نظامیؔ نے تعلیم دی)۔

نظامیؔ کشد ناز تابم کجا
زلالیؔ بُود خفتہ خوابم کجا

مرا بسکہ درمن اثر کردہ غم
بمرگ طرب مویہ گر کردہ غم

نظامیؔ بہ حرف از سروش آمدہ
زلالیؔ ازو در خروش آمدہ

من از خویشتن بادلِ درد مند
نوائے غزل بر کشیدہ بلند

غزل را چو از من نوائی رسید
زوالا پسیجے بجائی رسید

کہ نشگفت کایں خسروانی سرود
شود وحی وھم برمن آید فرود

نظامؔی ناز کرتا ہے ، مجھے ناز کرنے کی قوت کہاں؟
زلالؔی سویا ہوا ہے مجھے خواب کہاں میسّر؟

چونکہ غم میری طبیعت میں اتر گیا اور
میرے لطف و مسرت کی موت پر غم نے مجھے سوگوار بنا دیا ہے

نظامؔی کو (اس پر ناز ہے کہ) فرشتے نے غیب سے آکر مضامین
دئے تب اس نے لکھا ،
اور زلالؔی کو نظامؔی سے فیض پہنچا، تب حوصلہ بڑھا

میں نے نظامؔی یا زلالؔی کی طرح غیبی سہارے اور دوسرے کی فیض رسانی
پر بسر نہیں کہ بلکہ) دلِ درد مند کے زور پر اپنے
دم سے کام لیا، اور غزل کی لے خوب اونچی اٹھائی

جب غزل (شاعری) کو میرے لئے ملی تو وہ
عالی ہمتی کے سبب ایسے بلند مقام کو پہنچ گئی کہ

اب اگر یہ عالی شان نغمہ وحی کا درجہ حاصل کر لے اور
پھر مجھ پر نازل ہو تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

نباشم گراز گنجہ گنجم بس ست
بغم گر چنیں پردہ سنجم بس ست

کنونم بسر شور گفتار نیست
بساز غزل زخمہ برتار نیست

بہ شعر ارچہ کمتر شکیبم ہمے
بدیں پردہ خود را فریبم ہمے

کسے کش بجائے بود دل بہ بند
بہ افسانہ لختے گسارد گزند

کسے را کہ باغم شمارے بود
روا باشد ار غمگسارے بود

کہ درخستگی چارہ جوئی کند
بغم خواری افسانہ گوئی کند

چو میرد بر آں مردہ نالد ہم او
سر انجام کارش سگالد ہم او

اگر میں (نظامی کی طرح) گنجہ کا رہنے والا نہیں ، نہ سہی ،
میرا شاعری کا گنج ہی بہت ہے اور غم کے نغمے جو سناتا ہوں اسی طرح
سناتا رہوں تو کافی ہے

اب حال یہ ہے کہ میرے سر پر کچھ کہنے (یا لکھنے) کا سودا سوار نہیں
رہا، غزل کے ساز کے تار پر زخمہ نہیں لگاتا

اگرچہ شعر کہنے سے اب تسکین و صبر نہیں ہوتا
لیکن شاعری کے پردے میں خود کو فریب دے لیتا ہوں

وہ جس کا دل کہیں لگا ہو
وہ افسانہ کہہ کر دکھوں سے جی بہلا لیتا ہے

جس آدمی کا غم سے حساب چل رہا ہو،
مناسب ہے اگر ایسے کے ساتھ کوئی ہمدردی کرنے یا دکھ بٹانے
والا بھی رہے۔

تا کہ تکلیف کے وقت میں کوئی تدبیر سوچے اور، غم خواری کے جذبے
سے (اور کچھ نہیں تو) افسانہ گوئی کیا کرے
اور اگر دکھوں سے اس کی جان نکل جائے تو لاش پر رولے
تجہیز و تکفین کے بندوبست میں لگ جائے۔

مرا بین کہ چوں مشکل افتادہ است
چہ خونہاست کاندر دل افتادہ است

خود از درد بیتاب و خود چارہ جوئے
خود آشفتہ مغز و خود افسانہ گوئے

بہ تنہائی از ہمدمانِ خودم
بدل مردگی نوحہ خوانِ خودم

کسم در سخن کارفرمائی نیست
بہ بخشندگی ہمّت افزائی نیست

چہ گوید زباں آور بے نوا
چہ آید ز ہیلاج بے کدخدا

شبے کایں ورق را کشودم نَورد
بہ پرکار اندیشۂ تیز گرد

شب از تیرگی اہرمن روئے بود
ز سودا جہاں اہرمن خوئے بود

ایک میں ہوں کہ جب مشکل میں پڑا تو
کیسے کیسے شدید صدمے اٹھا رہا ہوں کہ

خود ہی درد کے مارے تڑپ رہا ہوں اور
خود اس کے علاج کی فکر کھائے جاتی ہے ، دماغ ٹھکانے
نہیں اور خود ہی افسانے سنا رہا ہوں (اوروں کا دل بہلانے کو)

ہمدموں سے جُدا ایسی تنہائی میں ہوں کہ
دل کے مردہ ہونے پر خود ہی اپنا نوحہ خواں ہوں

شاعری میں بھی کوئی میرا کار فرما (حوصلہ دینے والا) نہیں ہے اور
نہ کوئی ایسا ہے کہ اپنی عطا سے ہمت بڑھائے

صاحبِ سخن بے سرو سامانی کے عالم میں ہو تو کیا کہے (کیا نہ کہے)
کد خدا (شوہر) کے بغیر اکیلی کد بانو کیا دے سکتی ہے!

ایک رات جب میں نے تیزی سے گھومنے والے
تصور کی پرکار سے اس ورق کو کھولا

وہ رات اپنی تاریکی میں اہرمن کا چہرہ تھی اور
تاریکی سے جہاں کو ایسا سودا بڑھا کہ لوگ بُھوت بلا ہو گئے
(اہرمن خالقِ شر ہے اور بے اختیار لوگوں کو ضرر پہنچاتا ہے)۔

به خلوت ز تاریکیم دم گرفت
نشاط سخن صورت غم گرفت

درآں کنج تار و شبِ هولناک
چراغے طلب کردم از جانِ پاک

چراغے که باشد ز پروانه دُور
چراغے که بادا ز هر خانه دُور

نه بینی نشانے ز روغن درو
کند شعله بر خویش شیون درو

چراغے که بے روغن افروختم
دلی بود کز تابِ غم سوختم

ز یزداں غم آمد دل افروزِ من
چراغ شب و اختر روزِ من

نشاید که من شکوه سنجم ز غم
خرد رنجد از من چو رنجم ز غم

ایک تو تنہائی اور اس پر اندھیرا ، میرا دم گھٹنے لگا
شعر کی لذّت بھی غم کی صورت اختیار کر گئی

اس اندھیرے کونے اور بھیانک رات میں
جانِ پاک (روح القدس) سے میں نے چراغ کی دعا کی

ایسا چراغ مانگا جس کے پاس پروانہ بھٹکنے نہ پائے اور
جس کی روشنی ہر ایک مکان سے دُور ہو

ایسا چراغ جس میں تیل کا گذر نہ ہو اور
جس کا شعلہ خود اپنے اوپر فریاد کرے

وہ چراغ (مجھے مل گیا اور) میں نے تیل کے بغیر ہی روشن کیا،
یہ چراغ کیا تھا ؟ میرا دل ! جسے غم کی آگ نے روشنی دی

خدا کی طرف سے غم مجھ کو اس دل کی روشنی کے لئے عطا کیا گیا ہے
وہ رات کا چراغ بھی ہے، دن کا سورج بھی

مجھے زیب نہیں دیتا کہ غم کی شکایت کروں
اگر میں غم سے راضی نہ ہوں تو عقل مجھ سے ناراض ہو جائے

غمِ دل زمن مرحبا جوئے باد
دلم زار ولب مرحبا گوئے باد

دلم همچو غالبؔ بغم شاد باد
بدیں کنج ویرانه آباد باد

دل کا غم ہمیشہ مجھ سے خوش آمدید کا طلب گار ہے
دل دکھی بھی ہو تو ہونٹوں پر واہ واہ ہی رہے

جس طرح غالبؔ اپنے غم میں شاد رہتا ہے اُسی طرح میرا دل بھی
شاد رہے اور یہ ویرانہ اس (غم کے) خزانے سے آباد رہے۔

ساقی نامہ

بیا ساقی آئینِ جم تازہ کن
طرازِ بساطِ کرم تازہ کن

بہ پرویز از می درودی فرست
بہ بھرام از نی سَرودی فرست

بہ دور پیالے بہ پیمائے مے
بشور دمادم بہ فرسائے نے

قدح را بہ پیمودن مے گسار
نفس را بفرسودن نے گمار

نکیسادمان را برامش در آر
سھی سرو را در خرامش در آر

بخشم ار بلائی زیاراں بہ گرد
بہ کام دل شاد خواران بہ گرد

مبادا نظامیؔ ز راھت بَرد
بدستان سوئے خانقاھت بَرد

ہاں ، ساقی آ ، اور جمشید (شراب کے موجد) کا چلن تازہ کردے ،
بساطِ کرم کی از سر نو آرائش کر

پرویز (شاہِ ایران) کی رُوح کو مے نوشی سے ثواب پہنچا
اور بہرام کو بانسری کے نغمے سے

مے یوں پی جائے کہ جام کا دور زوروں پر ہو اور
بانسری میں نغمہ کا تار بند جائے

پیالے کو حکم ہو کہ پلائے جائے اور
سانس بانسری کے فرسودہ کرنے میں لگی رہے

نکیسا ایسے موسیقی دانوں کو ساز پر لا اور
ایک سرو قامت کو رقص میں اُتار

اگر غصے میں تو بلا بھی ہو تو دوستوں سے کیا بگاڑ ! (یا یہ کہ
طیش میں دوستوں کے بگاڑ کو پھیر دے ، ٹال جا)
مزے سے پینے والوں کی آرزو پوری کر

دیکھنا نظامی (گنجوی) کہیں تجھے بے راہ نہ کردے،
داستان میں وہ تجھے خانقاہ کی طرف نہ لے جائے

فریبش مخور چوں می‌آشام نیست
ستم دیدۂ گردش جام نیست

خود او راست از پارسا گوہری
سپہری سروشی بساقی گری

وَرَع پیشہ مسکین چہ داند ترا
بہ آرائشِ نامہ خواند ترا

رضا جوئے من شو کہ ساغر کشم
گرم نیل و جیحون دہی در کشم

ز پیمودن مے بَجام سفال
خورد دجلہ در ساغرم خاکمال

اگر زود مستم پریشاں نیم
وگر دیر مستم گرانجاں نیم

پذیرد زمی گوہرم آب و رنگ
بہ مستی فزوں گرددم ہوش و ہنگ

اس کی چال میں مت آجانا ، وہ پینے والوں میں نہیں ہے ،
اس نے گردشِ جام کا ستم اپنی جان پر نہیں سہا ہے

نظامی کی پارسائی فطرت یہاں تک پہنچی ہوئی ہے کہ
آسمانی فرشتہ اس کی ساقی گری کرتا ہے

بچارا نیک پرہیز گار آدمی، وہ تجھے کیا جانے
صرف اپنے کلام کی آرائش کی خاطر تیرا نام لیتا(اور ساقی نامہ
لکھتا)ہے

میری خوشنودی حاصل کر کہ میں واقعی جام پیتا ہوں ،
اگر تو، نیل اور جیحوں جیسے دریا بھی انڈیل دے تو (بے تحاشا) چڑھا جاؤں

میں جو مٹی کے کوزے میں شراب پیتا ہوں تو
میرے ساغر میں دجلہ کا پانی تہ سے اُوپر نہیں اٹھتا

اگر مجھ پر جلد نشہ چڑھ جائے تو بدحواس نہیں ہوتا
اور اگر دیر میں نشہ چڑھے تو بھی ملال نہیں ہوتا

شراب سے میرا جوہر چمک اٹھتا ہے اور
مستی کے عالم میں عقل اور زور پر ہوتی ہے

ز اندازہ سنجی برانم کہ تو
گرانمایۂ لیک دانم کہ تو

بہ ساقی گری رند و آزادۂ
خوری بادہ امّا تنک بادۂ

ہر آئینہ چوں یک دو ساغر کشی
ز مستی خرد را بخون در کشی

بلغزد ترا پا برفتار در
سراسیمہ گردی بھر کار در

بجان در رسد کار کز تابِ مے
گلوئی صراحی ندانی زنے

ازاں پیش کایں رفتگی رو دھد
گلِ جلوۂ بے خودی بو دھد

بدیدش جائی و بیارائی بزم
بنہ بادہ و گل بہ پھنائی بزم

میرا اندازہ یہ کہتا ہے کہ تو یوں تو عالی مرتبہ ہے لیکن ساقی گری میں رند اور آزاد طبیعت رکھتا ہے۔

شراب (پینے کو) پی لیتا ہے لیکن
(عالی ظرف نہیں) جلدی بہکنے لگتا ہے

جوں ہی ایک دو جام لئے کہ
مستی کی وجہ سے عقل کا خون کرنا شروع کیا

چلنے میں تیرے پاؤں ڈگمگاتے ہیں اور
ہر کام میں گھبراہٹ سوار ہو جاتی ہے

جب نشہ تیری جان میں سرایت کرتا ہے تو
تجھ کو صراحی کے گلے اور بانسری میں تمیز نہیں رہتی

اس سے پہلے کہ یہ وارفتگی ہو اور
بے خودی کا پھول مہکنے لگے

ایک جگہ طے کرکے محفل سجا دے
شراب اور پھول محفل کی بساط پر لگا دے

فروهشته از دو سوئے بر عذار
شکن در شکن طرّۂ مشکبار

بہ می دادن اے سروِ سوسن قبائے
بہ زلف درازت مپیچاد پائے

همانا تو دانستہ کز دو سال
ننوشم می الا بہ بزمِ خیال

ز لب تشنگی چوں بمی در خورم
تو کمتر خور امروز تا بر خورم

تو آں چشمہ کز تو خضر آب خورد
سکندر ز لب تشنگی تاب خورد

نہ خضرے کہ در آب باشی بخیل
تو آبی ولی کوثر و سلسبیل

دونوں طرف سے رخساروں پر بل کھائی ہوئی سیاہ زلفیں پڑی ہوئی ہیں

اے سوسن جیسی رنگا رنگ قبا رکھنے والے سروقامت ساقی، شراب (کا جام) بڑھاتے وقت تیرے پاؤں لمبی زلفوں میں نہ الجھیں (ذرا سنبھل کے رہنا)

تجھے تو اچھی طرح معلوم ہے کہ دو سال سے
میں نے شراب نہیں پی، اگر پی تو عالمِ خیال میں

چونکہ لب تشنگی سے شراب کا مستحق ہوں
آج کے دن خود تھوڑی ہی پینا تاکہ مجھے پوری پڑ جائے

(اے ساقی تو (آب حیات کا) ایک چشمہ ہے کہ خضر نے تجھ سے اپنی پیاس بجھائی اور سکندر نے پیاس کی شدّت سہی

تو خضر نہیں ہے کہ (اپنی پیاس تو بجھالی لیکن) دوسروں کو دینے میں کنجوسی کرے
تو پانی تو ہے لیکن تو (جنّت کے حوض اور نہر) کوثر و سبیل کا پانی ہے (کہ وہ سب ناجیوں کے لئے ہوگا)

هر آئینہ چوں اعتقاد ایں بود
منوش و بنوشاں کہ داد ایں بود

زخود رفتہ ترکیست ہندوے تو
عجب نبود از خوبی خوئے تو

کہ جوئی رضائے زخود رفتۂ
دہی مے بہ تُرکِ جگر تفتۂ

تو اے آں کہ پہلو نشینِ منے
بہ پیغارہ اندر کمینِ منے

ندانی پس از روزگاری دراز
بمی کردہ ام دست باری دراز

در اندیشہ محوِ تلاشم ہنوز
قدح ساز و ساقی تراشم ہنوز

دریں داستاں نیز گروا رسے
بخویشست گفتارم از بے کسے

تیرے متعلق جب یہ اعتقاد ہے تو خود نہ پی ،
بلکہ پلا کیوں کہ داد و دہش یہی ہے

تیرا یہ ہندوی (غالبؔ) ایک بے قابو تُرک ہے
تیری شرافت سے کچھ بعید نہیں ، اگر ایک

بہکے ہوئے بے قابو آدمی کی خوشنودی حاصل کرے ، اور
اس جگر جلے ترک کو شراب سے نوازے

(اے ساقی) تو میرے ساتھ کا اٹھنے بیٹھنے ولا ہے اور ہمیشہ
طعن کرنے کے موقع کی تاک میں رہتا ہے

تجھے کیا معلوم نہیں ہے کہ ایک زمانے کے بعد
میرا ہاتھ ایک بار شراب تک پہنچنے والا ہے

میری تلاش و طلب ابھی تک محض خیال میں ہے
خود (اپنے تصوّر سے) ساقی تراش لیتا ہوں ، پیالہ بنا لیتا۔

اسی کہانی میں اگر حقیقت کو پہنچو تو (نہ قدح ہے نہ ساقی)
بیکسی کے مارے اپنے آپ سے ہی باتیں کر رہا ہوں۔

مئ خویش و جامِ سفال خودم
نہ ساقی کہ من ہم خیالِ خودم

چہ ساقی یکے پیکر سیمیا
مسِ آرزوئے مرا کیمیا

مرا دستگاہ مے و شیشہ کو
نشاطے چنیں جز دراندیشہ کو

مے و شیشہ بگزار و بگزر زمن
ہمانا نہ من بلکہ ایں انجمن

گل و بلبل و گلستاں نیز ہم
مہ و انجم و آسماں نیز ہم

نمودیست کاں را بُوَد بود ہیچ
زیاں ہیچ و سرمایۂ و سود ہیچ

بعرض شناسائیے ہرچہ ہست
بہ وہمست پیدائیے ہرچہ است

ساقی کیا ، بس ایک فرضی وجود ہے کہ
(جس سے بات کرلیتے ہیں اور اس طرح دل کی بھڑاس نکال لیتے
ہیں) اپنی آرزو کے تانبے کی کیمیا (بنالی ہے)

یہ میری بساط کہاں کہ شراب و شیشہ لے کر بیٹھوں
صرف تصوّر میں ان محفلوں کے مزے لے لیتا ہوں

شراب و شیشہ کا ذکر تو درکنار مجھے بھی جانے دے،
کیوں کہ خود میری کیا حقیقت ، یہ ساری کی ساری انجمن
(کائنات کی محفل)

گُل ، بلبل ، باغ
چاند، ستارے ، آسمان ، سبھی کچھ

یہ سب نمود بے بود ہیں ، ان کی اصلیت کچھ بھی نہیں
کم یا زیادہ نقصان ، سرمایہ اور نفع یہ سب ہیچ ہیں

موجودات کے پہچاننے میں جتنی چیزیں ظاہراً موجود ہیں،
اُن کا وجود وہم و تصوّر میں ہے، ورنہ کیا !

کیا ایسا نہیں ہے جب کہیں تنہا بیٹھے ہو (تنہائی کے عالم میں)
ایک باغ کا تصوّر بنا لیتے ہو

بہ آرایش باغ رو آورے
دراں باغ از دجلہ جو آورے

دمانی گل و نرگس از روے خاک
نشانی بطرف چمن سرو و تاک

نواگر کنے مُرغ برشاخسار
بموج آورے آب در جوئے بار

بخویش ارچہ داری گمانی ز باغ
بروں از تو نبود نشانی ز باغ

در اندیشہ پنہاں و پیدا توئے
گل و بلبل و گلشن آرا توئے

نمود دو گیتی بہ گیتی خدائے
چنینست دیگر ندانیم رائے

من و تو کہ بدنام پیدائیم
رقم ہائے منشور یکتائیم

باغ کی آرائش کی طرف متوجہ ہوئے تو
اس باغ میں دریا سے نہر کاٹ کر لائے

مٹی سے گلاب اور نرگس کے پودے اگائے
کناروں پر سرو کھڑے کیے اور انگور کی بیلیں لگادیں

ٹہنیوں پر چڑیوں کو بٹھایا کہ چہکیں
نہر میں پانی کی موج رواں کردی

اپنی جگہ (بیٹھے بٹھائے) تصوّر کر رہے ہو کہ باغ لہلہا رہا ہے
حالانکہ اصلیت میں تمہارے ذہن سے باہر اس کا نام
ونشان تک نہیں

خیال و تصوّر میں ظاہر بھی تم ، باطن بھی تم،
اِس کے پھول ، بلبل اور باغبان بھی تم،

یہ دونوں جہاں موجود ہیں ان کا وجود مالکِ حقیقی کے لئے
بالکل ایسا ہی ہے (کہ صرف علم الٰہی میں ہے) اس کے سوا
ہم کوئی بات نہیں مانتے

ہم پہ ، تم پہ وجود صرف ایک الزام ہے،
ہم تو دراصل اس کی یکتائی کے فرمان کی تحریریں ہیں

ولیکن چو ایں ایزدی سیمیاست
بدانست حسّی چنیں دیر پاست

نمودی کہ حق راست نبود چرا
زماں چوں از آنجاست نبود چرا

دو گیتی ازاں جو نمی بیش نیست
ازل تا ابد خوددمی بیش نیست

زمان و مکاں را ورق در نوَرد
خیالی بُروں ریز از ہر نورد

نہ ازمن ز سعدیؔ شنوتاچہ گفت
سخن گفت در پردہ امّا چہ گفت

رہ عقل جز پیچ در پیچ نیست
بَر عارفاں جز خدا ہیچ نیست

مگر چونکہ یہ سب قدرت کا تظرِ فریب تماشا ہے لہٰذا
حسّی کیفیت میں دیر تک ٹھہرتا ہے

یہ نمود چونکہ خدا کی طرف سے ہے تو ایسی (دیرپا) کیوں نہ ہو ،
کیونکہ زمانہ کا وجود بھی خدا ساز ہے

دونوں دنیاؤں کو اس کی نہر کی ایک ہلکی سی تری سمجھو ،
اس سے زیادہ کچھ نہیں ، ازل سے ابد تک تمام زمانہ لے دے
کر ایک لمحے کے برابر ہے

زمان و مکان کا ورق لپٹ رہا ہے اور
ہر ایک تہہ میں سے ایک خیال ظاہر ہوتا ہے

مجھ سے کیا سعدؔی سے سُنو کہ کیا کہتا ہے،
بات اس نے پردے میں کہی، مگر کیا خوب کہی !

عقل کی راہ بہت الجھی ہوئی ہے، (اس لئے)
معرفت رکھنے والاوں کے نزدیک سب کچھ خدا ہی خدا ہے ،
اس کے سوا کچھ نہیں۔

دگــر رَهــروی گــویـد از زیـرِ دلــق
کــہ حقّـست مـحسـوس و مـعـقول خلق

خیــــالــے در انـــدیشــــہ دارد نــمـود
هــمـــاں غیــب غیبســـت بـزمِ شهـود

نشـــانهـــائــے رازِ خیـــال خــودیـم
نــواهـــائــے ســـازِ خیـــال خــودیـم

خــوشــت بــاد غـــالــبؔ بســاز آمـدن
نـــواســـنـــج قـــانـــون راز آمـــدن

بــہ گیتـی مـگـر حرف دیـگر نـمـانـد
ویــا خــود تــرا هــوش درســر نــمـانـد

کــہ چوں سیـنـہ کـمتر دهد بانگ خوں
بـــہ نشتــر کشـــائــی رگِ ارغـنـوں

(اس راہ کا) ایک اور مسافر (محی الدین ابن عربی) اپنی کملی کے نیچے سے کہتا ہے کہ،''الحق محسوس والخلق معقول'' یعنی جو کچھ محسوس ہے وہ ذاتِ حق ہے، عقل نے بہک کر اس کو مخلوق کا حصّہ قرار دیا ہے

ہر موجود ایک خیال ہے جو تصوّر میں ظاہر ہوا ہے (ورنہ کیا ہے) یہ ظاہراً نظر آنے والی رونق تمام غیب الغیب ہے

ہم (مادّی وجود) کیا ہیں اپنے ہی خیال کے راز کی نشانی اور اپنے ہی سازِ خیال کی آوازیں (خالق کے تصوّر یا علمِ الٰہی کی ظاہراً صورتیں ہیں۔ ورنہ اس سے علیحدہ کوئی وجود نہیں)

غالبؔ تمھیں مبارک ہو کہ تم نے ساز اٹھایا اور (تخلیق کے) راز کا نغمہ بلند کرنے لگے

شاید دنیا میں اور کوئی (کہنے کو) بات نہیں رہی یا تمہارے ہوش ٹھکانے نہیں رہے؟

کہ ایسے وقت میں جب سینے میں خون کی سنسناہٹ بہت کم ہوگئی تو نشتر سے ارغنوں (ارگن باجے) کی رگ کھولتے ہو؟

چہ زاں راز پنہاں نوا بر کشے
کہ چوں باز پرسند دم در کشے

بہ گفتار اندیشہ برہم مزن
در اندیشہ دل خوں کن و دم مزن

نہ دانی کہ دانش بہ گفتار نیست
دریں پردہ آواز را بار نیست

ندانی کہ مینا شکستن بہ سنگ
نہ بخشد بدل ذوق گلبانگ چنگ

تصوّف نہ زیبد سخن پیشہ را
سخن پیشہ رندِ کثر اندیشہ را

نشاں مند ایں روشنائی نہ
غزل خوان و میخور سنائیؔ نہ

غزل گر نہ باشد نوائے دگر
بود دل سلامت ہوائے دگر

پوشیدہ راز کو زبان پر کیوں لاتے ہو؟
اگر لوگ پوچھ بیٹھیں تو دم سادھ کر رہ جاؤ گے (یعنی وحدت
وجود بیان میں نہیں آسکتی)

زبان پر لا کر فکر کو پریشان نہ کرو،
تصوّر میں ہی دل کا خون کر لو اور دل کی بات زبان پر نہ لاؤ

کیا تمھیں نہیں معلوم کہ عقل کی بات گفتار (کا لباس)
قبول نہیں کرتی۔یہ وہ مقام ہے جہاں آواز کا دخل نہیں ہوتا

کیا تمھیں نہیں معلوم کہ پتّھر سے مینا کو توڑو تو
دل کو وہ مزا نہیں ملتا جو موسیقی کی دل کش آواز میں ہے

بات کرنے والے (شاعر) کو تصوّف زیبا نہیں ، اور
بات کرنے والا بھی کیسا ، جو رند ہو اور الٹی سیدھی سوچتا ہو

تمھیں اس روشنی کا حصّہ نہیں ملا (اپنا کام کرو)
غزل پڑھو ، شراب پیو ، تم کوئی حکیم سنائی نہیں ہو کہ تصوّف چھانٹو

اگر غزل نہیں تو کوئی اور بات کرو
دل سلامت ہے تو کوئی اور خواہش کرو

اگر مجلس آرائے را عود نیست
بر آتش فگندن نمک سود نیست

غزل گر ملال آرد افسانہ گوئے
کھن داستانھائے شاھانہ گوئے

من آں خواھم اے لا ابالی خرام
کزیں پویہ خوشتر سگالی خرام

زشاھاں سخن گر گھر سفتنیست
سخن گفتن از حق جگر سفتنیست

ننالی زغم گر جگر سفتہ شد
سخن ھائے حق بیں کہ چوں گفتہ شد

خود ایں نامہ فھرست رازِ حقیست
درون و برونش طرازِ حقیست

زانگیز معنی و پرداز حروف
بہ ھنگامہ بستی طِلسمے شگرف

اگر محفل برپا کرنے والے کے پاس عود نہ ہو تو
آگ پر نمک ڈالنے سے کیا فائدہ!

اگر غزل سے اکتا گئے ہو تو افسانہ کہو
شاہوں کے قدیم قصے بیان کرو

بے پروائی سے چلنے والے، میں یہ چاہتا ہوں کہ تو
اس رفتار سے کوئی بہتر روش سوچ

بادشاہوں کے تذکرے لکھنا اگرچہ موتی پرونے کا کام ہے
لیکن (اس کے مقابلے میں)
حق کی بات کرنا جگر پرونے کے برابر ہے

اگر جگر چھد گیا تو اس دکھ کی فریاد نہ کرو
ذرا یہ دیکھو کہ حق باتیں کیسے کہی گئی ہیں

یہ نامہ (مثنوی) خود ہی حق کے راز گنواتا ہے
اندر باہر سے اس میں حق کی گوٹ لگی ہوئی ہے

معنی کی اٹھان اور لفظ کی پرورش سے
تم نے کمال کا طلسم باندھ دیا ہے

سخن چوں ز ہمدم بہ پیغارہ نیست
مرا از پذیرفتنش چارہ نیست

بہ زہدم ثنا گوئے نابودہ کس
بوالائی جاہ نستودہ کس

نہ زر گفت کانم تہِ خاک نیست
سخن در سخن می رود باک نیست

سخن را خود آنگونہ دانم سرود
کزیں نیز خوشتر توانم سرود

ولی تاب در خود نیابم کنوں
صریرِ قلم برنتابم کنوں

دریغا کہ در وَرزش گفتگوئے
بہ پیری خود آرائی آورد روئے

چونکہ میرے ہمدم نے طعنے کی نیت سے بات نہیں کی،
اس لئے ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا (یعنی اب میں
غزل کو چھوڑ کر شاہؐ دو عالم کی داستان بیان کروں گا)

کوئی شخص میری پرہیزگاری اور عبادت کا مدّاح تو ہے
نہیں اور نہ میرے عالی مرتبہ ہونے کا ثنا خواں ہے

سونا یہ کبھی نہیں کہتا کہ زمین کے نیچے میری کان نہیں ہے ،
(یعنی خاک میں سے سونا نکلتا ہے ، اسی طرح میری ذات جو کسی
طرح ستودہ نہیں ، زر کا مخزن ہے) ،
البتّہ اگر بات سے بات نکلی تو کوئی ہرج نہیں

میں شعر کی رگ رگ سے اس درجہ واقف ہوں کہ (جو کچھ
لکھ چکا ہوں) اس سے بھی بہتر لکھ سکتا ہوں

لیکن اب میں اپنے اندر طاقت نہیں پاتا،
صریرِ قلم کے سننے کی بھی تاب نہیں

افسوس کہ جب بڑھاپا آگیا تو میں سخن گوئی میں
اپنا زور دکھانے چلا ہوں

به برنائیم روئے پیری سیاہ
زمو بود بر فرقِ مشکیں کلاہ

کنوں نیست ظلِّ ہُمایم بسر
به پیری فتاد ایں ہوایم بسر

سیاہی زموئے سرم زود رفت
مگر کاتش افسرد کایں دود رفت

شبابم که تاب وتبی بودہ است
زشبہائے جوزا شبے بودہ است

بدامن - که دارم شماری دراز
شبے کوته و روزگاری دراز

نبود ارچه لبہائے خنداں مرا
ولی در دہن بود دنداں مرا

که ہر گہ به ہنگامه غم خوردمے
زمردم نہاں در دل افشردمے

اس پیری کا منہ کالا ہو،
جب میں جوان رعنا تھا تو سر پر بالوں کی سیاہ ٹوپی رہتی تھی

اب وہ ہما کا سایہ میرے سر پر نہیں رہا (جوانی کی بادشاہی ختم ہوگئی)
اور بڑھاپے میں یہ خواہش سر پر سوار ہو گئی

میرے سر کے بالوں سے سیاہی جلد اڑ گئی
شاید آگ بجھ گئی تو یہ دُھواں (بالوں کی سیاہی) بھی غائب ہو گئی

میری جوانی کا زمانہ رنج و مشقت کا تھا
وہ ایک رات تھی جوزا کی راتوں میں سے (جو مختصر ہوتی ہیں)

افسوس، کتنا بُرا ہوا ! ایک طول طویل حساب ہے
اس رات کا جو مختصر تھی اور اس زمانے کا جو دراز ہے

اگرچہ میرے ہونٹ ہنسی سے کھلے نہیں رہتے تھے
پھر بھی منہ میں دانت تو تھے

کہ جب بھی کوئی ناگوار واقعہ ہوتا اور مجھے غم کھانا پڑتا تو
لوگوں کی نگاہ بچا کر اپنے ہی دل میں (غصّے کو) پیس ڈالتا تھا

چہ گریم کہ لب ہائے خنداں کجا
جگر خائم از غصّہ دنداں کجا

بہ بی برگئیم گلفشاں بودنست
بہ دم سَردی آتش زباں بودنست

دریغ از ترقی معکوسِ من
کہ باشد سرمن بپابوسِ من

فلک بسکہ ناچیز خواہد مرا
بیا لاند امّا بکاہد مرا

زسرباد پندار بیروں شدہ
سہی سرومن بید مجنوں شدہ

بود قدِّ خم گشتہ چوگان من
سرم گوئے و اندیشہ میداں من

چہ غم گر فلک رنگم از روئے بُرد
توانم زخود در سخن گوئے بُرد

اب کیا روؤں کے ہنسنے والے لب نہ رہے اور
غصّے سے اپنا جگر چبانے کو دانت کہاں ہیں؟

اپنی خزاں میں مجھے گل فشانی کرنا ہے
سرد سانسوں کے عالم میں شعلہ زبانی دکھانا ہے

میری الٹی ترقی پر افسوس کہ
سر جھک کر پاؤں چھونے لگے

آسمان (زمانے کی گردش) کا تقاضا ہے کہ میں ذلیل
اور بے حیثیت رہوں،
اس لئے بڑھاپا تو ہے، لیکن اسی کے ساتھ گھٹا بھی رہا ہے

سر سے غرور نکل گیا اور سیدھا بھرا ہوا بدن
بیدِ مجنوں کی طرح خمیدہ ہوگیا

جھکا ہوا قد (جھکتے جھکتے) چوگان ہوا ہے
سر کی گیند ہے اور خیالات کا میدان۔(گیند بلّا کھیلا جا رہا ہے)

آسماں اگر میرے چہرے کی رونق اڑا لے گیا تو کوئی غم نہیں
(ابھی اتنا دم ہے کہ) اپنے بل پر میدانِ سخن کی بازی جیت سکتا ہوں

ننالم ز پیری جوانم برائے
ہنوزم بوَد طبع زور آزمائے

سخن سنج معنی ترازم ہنوز
بہ شیوائیِ شیوہ نازم ہنوز

ہنوزم جگر موجِ خوں میزند
ز دل نیش غم سربروں میزند

ز چشمم ہماں خوں بداماں چکد
بہ تن نبود اما ز مژگاں چکد

ز حَرفے کہ اندر ضمیر آیدم
ہنوز از دہن بوئے شیر آیدم

بہر بذلہ کز لب فشانم چو قند
خضر "دَرُّ مَن قال" گوید بلند

بدستاں زنی خامہ منقار من
ہدر خون مرغ گل از خار من

بڑھاپے کا رونا نہیں ہے کیونکہ عقل تو جوان ہے
زور آزما طبعِ رسا ابھی رکھتا ہوں

اب بھی شعر کہتا ہوں اور اُن میں معانی کا حسن پیدا کرتا ہوں
اپنے طرزِ فصاحت پر بھی ناز ہے

اب بھی میرے جگر سے خون کی موج اٹھتی ہے
دل میں سے غم کا نشتر باہر سر نکالتا ہے

وہی خون میری آنکھوں سے اب بھی دامن پر ٹپکتا ہے ،
بدن میں باقی نہیں رہا لیکن پلکوں سے بہتا رہتا ہے

میرے دل میں جو حرف (مضمون) آتے ہیں
(وہ ایسے اچھوتے ہوتے ہیں کہ) اُن کے منہ سے دودھ کی
بو آتی ہے (یعنی نوزائیدہ ہیں)

لب سے جو شیریں اور لطیف بات نکل جاتی ہے، اس پر
خضر کی طرف سے داد ملتی ہے اور داہ وا کی صدا بلند ہوتی ہے

نغمہ سرائی میں میرا قلم منقار (چونچ) کا کام کرتا ہے
میرے کانٹے سے بلبل کا خون مفت میں ہوتا ہے
(یعنی رشک سے بُلبُل مرتی ہے)

توانم که درکارگاه هنر
به نیروئے یزدانِ پیروز گر

زِهم بگسلم باستانی تراز
سخن را دهم جاودانی تراز

سریرے ترازم که درسایه اش
بود بالش قدسیاں پایه اش

نهالے نشانم که درپائے او
مه وزهره ریزد ز بالائے او

رهے پیش گیرم کز اقبال من
دوَد خضر بے خود بدنبال من

نفس را کنم با دعائے گرو
که باشد مرآں را اثر پیش رو

اب بھی مجھ میں اتنی سکت ہے کہ ہنر مندی کے میدان میں
خدا کی توفیق شاملِ حال ہو تو

پرانے طرز کو چھوڑ کر، سخن کو وہ طرز عطا کروں جو
جاوداں ہو،یعنی وہ طرز ہمیشہ رہے (کیونکہ اس سے بہتر طرز ممکن نہیں)

ایک ایسا تخت سجادوں کہ اس کے سائے میں پایہ فرشتوں
کا تکیہ بن جائے

ایک ایسا درخت لگاؤں کہ اس کی جڑ میں چاند اور زہرہ
(جیسے روشن پھل پتے) اُوپر سے ٹپکتے رہیں

ایسا راستہ اختیار کروں کہ میرے اس طرف منہ کرنے سے،
خضر (جیسا رہبر) میرے پیچھے دوڑتا آئے

سانس کو ایسی دُعا کے لئے وقف کروں،
جس دعا کے آگے آگے اثر چلتا ہے

مثالے نویسم کہ پیغمبراں
نویسند "لا ریب فیہ" براں

زباں تازہ سازم بہ نیروئے بخت
بہ ذکر شہنشاہ بے تاج و تخت

گزشت آں کہ دستانسرائے کہن
ز کیخسرو و رستم آرد سخن

منم کم بود در ترازِ کلام
شہنشہ پیمبرؐ سپہبُد امام

ز فردوسیِؒ نکتہ انگیز تر
ز مرغِ سحر خواں سحر خیز تر

فرومردن شمع ساسانیاں
بود صبح اقبال ایمانیاں

رقم سنج منشورِ یزدانیم
ز ایمانیاں گویم ایمانیم

ایسی تمثیل لکھوں کہ پیغمبروں کی طرف سے
اس پر ''دریں چہ شک'' لکھا جائے

تقدیر یاور ہو اور اپنی زبان کو
شہنشاہِ بے تاج و تخت کے ذکر سے تروتازہ کر لوں

وہ زمانہ کہ پُرانا داستاں سرا (فردوسیؔ)
کیخسرو (شہنشاہ) اور رستم (سپہ سالار) کے فسانے سُناتا تھا

میں وہ ہوں کہ کلام کی آرائش میں ،
میرے شہنشاہ پیغمبرؐ ہیں اوور سپہ سالار امامؑ ہیں

فردوسیؔ سے بڑھ کر شاعرانہ نکتے پیدا کر سکتا ہوں
بلبل سے بھی سویرے اٹھ جاتا ہوں
(یعنی ذوقِ نغمہ سرائی زیادہ رکھتا ہوں)

ساسانی (بادشاہت) کا چراغ بجھا تو
اہلِ ایمان کے اقبال کی صبح ہوئی

میں خدائی فرمان قلم بند کرتا ہوں،
خود اہلِ ایمان سے ہوں، انھیں کا ذکر زباں پر آتا ہے

کسے را کہ ناز و بہ بیگانگاں
خرد در شمارد ز دیوانگاں

بہ اقبال ایمان و نیروی دین
سخن رانم از سیّد المرسلینؐ

دریں رہ پسیچ سفر ہا بسیست
بود راست لیکن خطر ہا بسیست

زپا لغزہا کاندریں رہ بود
بود رہ دراز ارچہ کوتہ بود

بمستے تواں نغز گفتار بود
مرا باید از خویش ہشیار بود

سخن گفتن و پاس رہ داشتن
سخن راز سُستی نگہداشتن

یکے در شبستاں بہ شبہائے دی
ہم آتشِ نہد پیش وہم مرغ و مے

وہ جو غیروں (کے کارناموں) پر ناز کرتا ہو،
عقل کی رُو سے دیوانہ ہے

ایمان کی اقبال مندی اور دین کی پشت پناہی سے،
میں پیغمبر سیّد المرسلینؐ کے متعلق لکھ رہا ہوں

یہ وہ راستہ ہے جس میں سفر کے طریق بہت ہیں،
یہ راستہ سیدھا سہی لیکن بہت خطرے درپیش ہیں

یہ راستہ مختصر سہی ، قدم پھسلنے کے سبب
راہ دراز ہو جاتی ہے

مستی میں آدمی خوش بیانی دکھا سکتا ہے
مجھے ذرا اپنے سے ہوشیار رہنا چاہیے

بات کہی ہے اور یہ بھی خیال رکھنا ہے کہ راہ سے بے راہ نہ ہو جاؤں
پھر یہ بھی کہ کلام میں جھول نہ آنے پائے

دَے (جاڑے) کی رات میں (کوئی یوں بسر کرتا ہے کہ)رات
کو خواب گاہ میں انگیٹھی روشن کر کے مرغ اور شراب تیار کر کے رکھ لیتا ہے

یکے را بہ عشرت گہہ شہریار
زمی بوئے مشک آید اندر بہار

مرا بیں کہ دی ماہ واردی بہشت
نیامد بجز دانۂ سبحہ کشت

بہ بزمی کہ دروی بود اجتناب
زرود و سرود و شراب و کباب

سخنور چہ گفتار پیش آورد
کزاں رنگ بر روئے خویش آورد

نماند بشاہانِ دیہیم جوئے
شمار شہنشاہ درویش خوئے

دریں بزم اوباش را بار نیست
می و ساغر و زخمہ و تار نیست

نہ من بلکہ ایں جا برامشگرے
اگر زُہرہ آید شود مشترے

کسی کو بادشاہ کے رنگ محل میں
بہار کے موسم میں شراب سے مشک کی خوشبو آتی ہے

ایک میں ہوں کہ دے (جاڑا) اور اردی بہشت دونوں مہینوں میں
تسبیح کے دانوں کے سوا کوئی شغل میسّر نہیں

اس محفل میں جہاں رُود (ایک باجہ) نغمہ، شراب و کباب
ان سب سے پرہیز لازم ہے

وہاں شاعر ایسی کیا بات کہے
جس سے وہ سرخرو ہو جائے

درویشی کی ادائیں رکھنے والے شہنشاہ (رسولِ خدا) کا ذکر
تاج و تخت کے بھوکے بادشاہوں کے تذکرے سے مختلف ہے

یہ وہ محفل ہے جہاں عیّاشیوں کا گزر نہیں،
یہاں نہ شراب ہے، نہ پیالہ، نہ مضراب، نہ تار

میں ہی نہیں بلکہ اگر یہاں زہرہ (آسمان کا ناچنے گانے والا
ستارہ) بھی آجائے تو موسیقی بھول کر مشتری ہو جائے گا

اگر جائے دستانسرائے بُدے
رہ و رسم جَادو نوائے بُدے

زباں را برامش گرو کردمے
دم جنبشِ زخمہ نو کردمے

ہم زخمہ از دیگراں تیز تر
ہم ساز دانش نوا خیز تر

بہ آزادگی خسروی می کنم
بدیں پشت دولت قوی می کنم

نباشد اگر پائے دیں درمیاں
نہم ہفت خواں بلکہ ہفتاد خواں

پرم از تو برتر ببال گزاف
تو سیمرغ آری و من کوہ قاف

تو سوسن فرستی بخنیا گرے
مرا جنبش کلک رقص پرے

اگر نغمہ سرائی کا موقع ہوتا اور
شاعری کا جادو جگایا جاتا

زبان کو نغمہ نوازی میں لگا دیتا اور
جنبش زخمہ کے جادو کو نیا کردیتا

میرا مضراب بھی دوسروں سے زیادہ تیز ہے
اور عقل کا ساز بھی میرے یہاں زیادہ پُر صدا ہے

آزادی (کی نعمت) سے میں بادشاہی کرتا ہوں ،
آزادی کی بدولت میری سلطنت مضبوط ہے

اگر دین ایمان کا معاملہ بیچ میں نہ آگیا ہوتا تو ،
(اے ساقی) شاہنامہ کے ہفت خواں (سات کٹھن مرحلے)
کیا ؟ میں ستّر خواں ایجاد کرتا

تعلّی کے بازوؤں سے میں تجھ سے بھی اونچا اڑتا
تو سیمرغ لے کر آئے تو میں پورا کوہ قاف اُٹھا لاتا

تو سَوسَن سے کہتا کہ ناچ دکھائے اور
میرے قلم کی حرکت پری کا ناچ دکھادیتی

تو کاں بادہ ھائے گوارا زنی
دم از نقل و مے آشکارا زنی

من و جام بے بادہ درخوں زدن
بلب تشنگی جوش جیحوں زدن

ترا زانکہ کہ ایں طرز و ھنجار نیست
مرا با تو دعویٰ بہ گفتار نیست

ببیں تا چہ نازاں بخویش از منست
کسی کاں پس از تست و پیش از منست

بنامش گر از صاف می قرعہ ایست
مرا نیز فرمان تو جرعہ ایست

یکے صاف آب طربناک خورد
یکے خود بہ تہ جرعگی پاک خورد

ز سر جوش نوشاں چگوئی خموش
بتہ جرعہ خواراں رھا کن خروش

تو وہ ہے کہ مزے مزے کی شرابیں اڑا رہا ہے اور،
کھلے عام شراب اور گزک کے لُطف اٹھانے کا اِدّعا کر تا ہے

مگر میں شراب کے جام لہو سے بھرتا ہوں ، اور
تشنگی کا جوش جیحون کی برابر ہے

تیرا نہ تو یہ طرز ہے ، نہ طریقہ
پھر تجھ سے ''گفتار'' کا دعویٰ کروں تو کیسے کروں!

ذرا دیکھو تو، وہ شخص جو تیرے بعد ہے اور مجھ سے پہلے گزرا ہے ،
میرے مقابل میں کتنا ناز کر رہا ہے (فردوسیؔ جو آزاد تھا کہ
داستان کی آرائش مَے اور نغمہ سے کرے)

صاف ستھری شراب کا اگر قرعہ اس کے نام نکلا (اس کے لئے مقدر
ہوئی) تو پھر مجھے بھی حکم ہو کہ تلچھٹ ہی منہ سے لگالوں

کسی کو صاف شراب ملی تو
کسی نے پوری تلچھٹ پی لی

اُبال پینے والوں کے بارے میں کیا کہتا ہے ، چُپ ہو جا۔
جو لوگ تلچھٹ پیتے ہیں اُن کے ذکر میں آواز بلند کر

بنوشیدن ارصاف می خوشترست
ولی دُرد را مستئ دیگرست

دگر غالبؔ ای عهد ورائے تو سُست
به پیمانِ دانش وفائے تو سُست

حدیث می و شیشه و جام چیست
چگوئی و ایں شیوه را نام چیست

نه گفتی که بیزار گشتم زمے
بریدم ز بزم و گزشتم زمے

ز دیوانگی تا کی اے شور بخت
نهی در گزرگاه سیلاب رخت

به رفتار ناخوش مشو تیز گرد
دریں ره به شوخی میانگیز گرد

به مستی دریں راه دستاں مَزن
میا شوب و هوئی چو مستاں مَزن

اگرچہ پینے میں صاف شراب ہی اچھی رہتی ہے،
لیکن تلچھٹ کی مستی کچھ اور ہی ہے

پھر وہی بات غالبؔ ؟ تمہارا عہد اور ارادہ کچا ہی نکلا
عقل سے جو پیمان باندھا تھا اسے آخر نباہ نہ سکے

شراب ، بوتل اور جام کا ذکر کیا لے بیٹھے
یہ کیا کہہ رہے ہو ، یہ کیا طریقہ ہے؟

کیا تم نے کہا نہیں تھا کہ میں شراب سے بیزار ہو چکا ہوں،
محفل سے قطع تعلق کر لیا اور پینا پلانا ترک کردیا؟

اے بدنصیب غالبؔ ، تم کب تک دیوانے پن سے
سیلاب کی راہ میں اپنا سامان رکھتے رہو گے؟

ناگوار رفتار سے تیز تیز نہ چلو،
اس راہ میں گستاخی کے ساتھ گرد و غبار نہ اڑاؤ

اس راہ میں مستی کے ساتھ سخن سرائی مت کرو
حواس کھو کر بدمستوں کی طرح شور نہ مچاؤ

ادب در زمین جوئی و آئین گزین
به فن سخن شیوهٔ دین گزین

براهے کنی پویه کز پائے تو
درخشد چو خورشید سیمائے تو

به کارے زدی دست کز ساز تو
دم جبرئیلست همراز تو

چو کشتی نشینانِ دریا نورد
بسیر از رهت بر مخیزاد گرد

ترا بخت در کار یاری دهاد
به پیوند دین استواری دهاد

اس سر زمین میں ادب اختیار کرو سلیقے سے کام لو
اور شاعری کے فن میں دینی طریقہ اختیار کرو

تم اس راہ میں دوڑ رہے ہو کہ تمہارے پاؤں سے
تمہاری پیشانی سُورج کی طرح چمک رہی ہے

تم نے اس کام میں ہاتھ ڈالا ہے کہ
جبرئیل کا دَم تمہارے نغمہ کا ہم راز ہو گیا ہے

دریا کی سیر کرنے کے لئے جو لوگ کشتی سے نکلتے ہیں
اُن کی طرح سیر کرو راستے میں گرد نہ اڑاؤ

تقدیر اس کام میں تمہاری یاوری کرے
اور دین و ایمان سے تمہارا تعلق سلامت رہے

کتابیات

1 دیوان غالب ... مرزا اسد اللہ خاں غالب ... 1993ء ... دہلی

2 انتخاب غالب ... امتیاز علی عرشی ... 1942ء ... بمبئی

3 شرح دیوان غالب ... عبدل باری آسی ... 1990ء ... لاہور

4 شرح دیوان غالب ... سید علی حیدر طباطبائی ... 1932ء ... لکھنو

5 تلامذۂ غالب ... مالک رام ... 1957ء ... دہلی

6 مرقع غالب ... پرتھوی چندر ... 1966ء ... دہلی

7 دیوان غالب ... امتیاز علی عرشی ... 1992ء ... لاہور

8 محاسن کلام غالب ... عبدالرحمن بجنوری ... 1985ء ... لکھنو

9 شعر العجم ... شبلی نعمانی ... 1988ء ... لاہور

10 مثنویات غالب ... ظ۔ انصاری ... 1983ء ... دہلی

11 اُردو معلّٰی ... مرزا اسد اللہ خاں غالب ... 1985ء ... الہ آباد

12 نوادر غالب ... اکبر حیدر کشمیری ... 2003ء ... دہلی

13 ذکر غالب ... مالک رام ... 1955ء ... دہلی

14 تعبیر غالب ... نیّر مسعود رضوی ... 1973ء ... لکھنو

15 مقدمہ شعر و شاعری ... الطاف حسین حالی ... 1964ء ... الہ آباد

16 نگارشات ادیب ... مسعود حسن ادیب ... 1969ء ... لکھنو

17 نادر ذخیرۂ غالبیات ... فرح ذبیح ... 2003ء ... ملتان

18 تذکرۃ الشعرا ... حسرت موہانی ... 1999ء ... کراچی

مرتبہ شفقت رضوی

19 نقش نیم رخ ... تنویر علوی ... 2002ء ... دہلی

20	خطوط غالب کا تحقیقی مطالعہ ...	کاظم علی خان	1981ء	لکھنو
21	خطوط غالب	مالک رام	1962ء	لکھنو
22	عروس سخن	تقی عابدی	2004ء	لاہور
23	غالب پر چند مقالے	نذیر احمد	1991ء	نئی دہلی
24	غالب نما	نیر سلطان پوری	1969ء	لکھنو
25	نظامی جنتری	محمد سلطان مرزا	1949ء	دہلی
26	ذکر دُرباران	تقی عابدی	2006ء	لاہور
27	ھما غالب نمبر	عبدالوحید صدیقی	1969ء	نئی دہلی
28	اُردوے معلّٰی غالب نمبر	خواجہ احمد فاروقی	1969ء	نئی دہلی
29	نقوش غالب نمبر	محمد طفیل	1969ء	لاہور
30	نعت رنگ جلد (12)	صبیح رحمانی	2001ء	کراچی
31	آب حیات	محمد حسین آزاد	1962ء	الہ آباد
32	یادگار غالب	الطاف حسین حالی	1980ء	الہ آباد